حج، عمرہ اور زیارات پر جانے والے حضرات کے لیے تاریخی مقامات کی ایک نایاب رہنما کتاب

حرمین شریفین کا تاریخی جغرافیہ

دنیائے اسلام کے وہ تین مقدس مقامات جن کی زیارت
کی تحریک حدیث نبوی ﷺ سے ملتی ہے۔ (الصحاح ستہ)

خصوصی طور پر 1924ء سے پہلے کے مزارات، مقابر، حرمین شریفین کے متعلق نایاب معلومات
جو بعد ازاں منہدم کر دیے گئے اور جن کا ذکر آج صرف کتابوں میں ہی مل سکتا ہے۔

تحقیق و ترتیب:
اخلاق احمد

حج، عمرہ اور زیارات پر جانے والے حضرات کے لیے تاریخی مقامات کی ایک نایاب رہنما کتاب

حرمین شریفین کا تاریخی جغرافیہ

دنیائے اسلام کے وہ تین مقدس مقامات جن کی زیارت
کی تحریک حدیث نبوی ﷺ سے ملتی ہے۔ (الصحاح ستہ)

خصوصی طور پر 1924ء سے پہلے کے مزارات، مقابر، حرمین شریفین کے متعلق نایاب معلومات
جو بعد از اں منہدم کر دیے گئے اور جن کا ذکر آج صرف کتابوں میں ہی مل سکتا ہے۔

تحقیق و ترتیب

اخلاق احمد

بک فورٹ

ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز

ہاؤس نمبر 9، سٹریٹ نمبر 32، غنی محلہ، سنت نگر، لاہور

Email: bookfort.zmdin@gmail.com

نام کتاب: حرمین شریفین کا تاریخی جغرافیہ

تحقیق و ترتیب: اخلاق احمد

سرورق: احسن گرافکس

ناشر: زاہد محی الدین

اشاعت: 2018ء

پرنٹرز: ہاشم اینڈ حماد پریس، لاہور

قیمت: -/800 روپے

ملنے کا پتہ: بک فورٹ، ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، ہاؤس نمبر 9، سٹریٹ نمبر 32، غنی محلّہ، سنت نگر، لاہور۔ فون نمبر:0300-4931320

Email: bookfort.zmdin@gmail.com

فہرست حرمین شریفین کا تاریخی جغرافیہ

عرض مؤلف

سفر کو وسیلۂ ظفر قرار دیا گیا ہے۔ اگر سفر کسی مقصد کے تحت کیا جائے تو وہ اور بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے حدیث مبارکہ میں جن تین مقدّس مقامات کی زیارت کے لیے سفر کرنے کی اجازت خصوصی طور پر عطا فرمائی وہ تینوں اسلام کے مقدّس ترین مقامات ہیں یعنی مسجد الحرام، مسجد نبوی شریف ﷺ اور مسجد اقصیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کے دل میں حرمین شریفین کی محبت، عظمت اور شوقِ زیارت فطرتاً رکھا ہے۔ جو صاحبِ استطاعت ہیں اُن پر حج فرض کیا گیا ہے اور جو حج کی استطاعت نہیں رکھتے وہ بھی حرمین شریفین کے انوار و تجلیات کو دل میں بسائے رکھتے ہیں۔ اسی شوقِ مسلم کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ بالا تینوں مقدّس مقامات کی تاریخ و جغرافیہ کو بیان کرنے کی ادنیٰ سی کوشش کی گئی ہے تاکہ ہمیں حرمین شریفین کے ماضی و حال کے احوال سے آگاہی حاصل ہو اور جب اللہ تعالیٰ ہمیں ان مقدّس مقامات کی زیارت کا موقع دے تو ہمیں ان کے بارے میں ضروری معلومات حاصل ہوں۔

خانہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مقدّس بیت (گھر) قرار دیا ہے اور اسی نسبت سے شہر مکہ کو جس میں بیت اللہ واقع ہے بیت اللہ الحرم قرار دیا ہے۔ گویا جس طرح دنیا بھر کے گھروں میں کعبہ مشرفہ کو اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت ہے اسی طرح دنیا بھر کے شہروں میں مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ کی نسبت خاص شرف حاصل ہے۔ پھر اسی نسبت سے اس کی ہر سمت میں کئی کئی میل تک کے علاقہ کو حرم (یعنی واجب الاحترام) قرار دیا گیا ہے اور اس کے خاص آداب و احکام مقرر کیے گئے ہیں اور ادب و احترام ہی کی بنیاد پر بہت سی باتوں کی بھی وہاں ممانعت ہے جس کی باقی ساری دنیا میں اجازت ہے۔ مثلاً حدود حرم میں کسی جانور کو شکار کرنے کی اجازت نہیں، جنگ و قتال بھی حرام ہے، درخت کاٹنے اور درخت کے پتے تک جھاڑنے کی بھی اجازت نہیں۔ نہ ہی اس قابلِ احترام علاقے میں غیر مسلموں کو داخلے کی اجازت ہے۔ حدود حرم میں ایسی سب چیزوں کو ادب و احترام کے خلاف اور گناہگارانہ جسارت قرار دیا گیا ہے۔ حرم کعبہ کی حدود پہلے سیدنا ابراہیمؑ نے معین کی تھی پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد میں ان کی تجدید فرمائی اور اب حدودِ حرم روز روشن کی طرح معروف ہیں گویا یہ پورا علاقہ بلد اللہ الحرام کا صحن ہے جو اللہ کا مقدّس شہر مکہ معظمہ ہے۔ حضرت جبرہ بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کا نام ''طابہ'' رکھا ہے۔ (صحیح مسلم شریف) طابہ، طیبہ اور طیبہ ان تینوں کے

معنی پاکیزہ اور خوشگوار کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس شہر عظیم کا یہ نام رکھا اور اس کو تا ابد ایسا ہی کر دیا۔ اس میں روحوں کے لیے جو خوشگواری اور جو سکون و اطمینان اور پاکیزگی ہے وہ اسی شہر عظیم کا خاصہ ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کے ''حرم'' ہونے کا اعلان فرمایا تھا (اور اس کے خاص آداب و احکام بتائے تھے) اور میں (رسول اللہ ﷺ) مدینہ کے ''حرم'' قرر دیے جانے کا اعلان کرتا ہوں، اس کے دونوں طرف کے دروں کے درمیان کا پورا رقبہ واجب الاحترام ہے۔ اس میں خون ریزی نہ کی جائے، کسی کے خلاف ہتھیار نہ اٹھایا جائے، جانوروں کے چارے کی ضرورت کے سوا درختوں کے پتے بھی نہ جھاڑے جائیں۔'' (صحیح مسلم شریف) مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ جس کی بنیاد خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھی تھی اور یہیں حضور ﷺ نے اپنی مدنی زندگی کی تمام تر نمازیں ادا فرمائی تھیں اور یہی مسجد شریفہ دعوت جہاد کا مرکز بنی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے مقدس بیت اللہ اور مسجد حرام کے سوا دنیا کے تمام تر معبدوں پر فضیلت و عظمت بخشی ہے۔ صحیح احادیث میں ہے کہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کا ثواب دوسری مساجد میں نماز ادا کرنے سے ہزاروں گنا زیادہ ہے۔

بیت مقدس حرم اشرف ہے اور اسے مسلمانوں کے قبلہ اوّل ہونے کے علاوہ یہود و نصاریٰ کا سب سے مقدس مقام ہونے کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ مسلم امۃ کی بدقسمتی سے یہ مقدس مقام آج مسلمانوں کی تحویل میں نہیں ہے مگر مقام معراج النبی اور امام الانبیاء نے یہاں تمام تر پیغمبروں کی امامت فرمائی اس کو کوئی مسلمان بھلا کیسے بھول سکتا ہے۔ اس مقدس مقام کی تاریخ و جغرافیہ کو بھی آپ سب کے لیے بیان کرنے کی عاجزانہ سی کوشش کی ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

عفی عنہ

اخلاق احمد، ملتان

PH:03337619827

E.MAIL:IKHLAQQADRI@6MAIL.COM,

حرم شریف المکۃ المکرّمہ

سرزمین عرب

جغرافیہ و محل وقوع:

جنوبی و مغربی ایشیا کا وسیع جزیرہ نما (تقریباً 12,000,00) مربع میل اس کے مغرب میں بحیرہ قلزم اور خلیج عقبہ، مشرق میں خلیج عمان، خلیج فارس اور ایران، جنوب میں بحیرہ عرب اور خلیج عدن، شمال میں جمہوریہ ترکیہ۔ سرزمین عرب میں یہ علاقے شامل ہیں: شام، عراق، لبنان، اردن، فلسطین اور اسرائیل اور دولت سعودی عربیہ جس میں نجد، حجاز، عسیر، حائل، الحساء دولت تیل کے علاقہ شامل ہیں۔ اب عرب کی سب سے بڑی معدنی دولت تیل ہے جس کے چشمے کویت، سعودی عرب، ٹروشل عمان، بحرین اور قطر وغیرہ میں بکثرت دریافت ہوئے ہیں۔ تیل کے انتظامات کے لیے بہت سی غیر ملکی کمپنیاں سرزمین عرب کے اندرونی حصوں تک پہنچ گئی ہیں۔ عرب کے مختلف حصوں کا طرز بودو باش بھی تبدیل ہو چکا ہے۔ جہاں صدیوں سے ریگستان کے جہاز اونٹ کو سب سے بہتر سواری تسلیم کیا جاتا تھا وہاں اب مرسیڈیز اور دیگر گاڑیاں دوڑتی پھرتی ہیں۔ نئے انداز کے تعلیمی ادارے، سکول و کالج و ہسپتال وجود میں آ چکے ہیں۔

تاریخ:

مذہبی اور قومی روایتوں، نیز بچے کھچے آثار قدیمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں سرزمین عرب پر بڑی بڑی حکومتیں اور سلطنتیں قائم ہوئی مثلاً عاد اولی، عاد ثانیہ، (ثمود) طسم، جدیس، معین اور سبا اور تبع کی سلطنتیں یمن میں ظہور پذیر ہوئیں۔

بعد از اسلام

ظہور اسلام کے بعد عرب سو سال کے اندر اندر پرانی دنیا کے تین براعظموں پر چھا گئے اور انھوں نے اس وقت کی معلوم دنیا کی قیادت سنبھال لی جس کا سلسلہ کئی سو سال تک جاری رہا اور اسلامی سلطنت دنیا کی بڑی سلطنتوں میں سے

ایک سمجھی جاتی تھی۔ اسی عہد میں جزیرہ نما عرب کے لوگ اندلس اور فرانس اور چین، ترکستان اور ہندوستان کے دور دراز علاقوں تک پہنچ گئے تھے۔

آب وہوا

خط سرطان مدینہ منورہ اور مکہ المکرمہ کے الخرج اور الافلج کے علاقوں اور مسقط اور راس الحد کے درمیان جزیرہ نما عرب کو دو حصوں میں منقسم کرتا ہے جس کے نتیجے میں اس خطے کے بیشتر علاقوں کی آب وہوا معتدل رہتی ہے۔ جنوب میں جہاں اس جزیرہ نما کا سرا 12 عرض البلد شمالی کے قریب پہنچ جاتا ہے زیادہ تر علاقے بلندی کی وجہ سے سخت گرمی سے محفوظ رہتے ہیں۔ صرف وہ علاقے جو نشیبی ہیں اور بحرۂ احمر، خلیج عدن اور بحیرہ عرب کے ساتھ واقع ہیں ان کی آب وہوا معتدل نہیں بلکہ نیم استوائی ہے۔

موسم کے متعلق اندراجات کو زمانہ حال میں بہت بہتر بنا دیا گیا ہے مگر پھر بھی ہمیں عرب کے موسم کی مکمل تفصیل فراہم نہیں ہوسکتی۔ موسم گرما کی حرارت پورے جزیرہ نما میں بہت شدید ہو جاتی ہے اور گرم ترین مقامات پر درجہ حرارت 50 ڈگری سنٹی گریڈ سے بڑھ جاتا ہے۔ بعض جنوبی علاقوں میں موسم گرما کی نمی اور بعض حصوں کی خشکی وہاں کی گرمی کو ناقابل برداشت بنا دیتی ہے۔ جزیرہ نما عرب پر کوئی موسمی دریا بھی نہیں بہتے جو سارا سال جاری رہ سکیں تاہم موسمی ہواؤں کے منطقے میں موجود وادیوں (غیل) کے بعض حصوں میں پانی دستیاب ہوتا ہے۔ خشک منطقوں میں کبھی کبھی بلند علاقوں سے بہ کر پانی سیلاب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی عمدہ مثال حرم پاک مکہ میں پہاڑوں کی بلندیوں سے بہ کر آنے والا سیلاب ہے جس کا ذکر یہاں کی تاریخ میں ملتا ہے۔ اس سلسلہ کا آخری سیلاب 1940ء کی دہائی میں آیا تھا جس سے صحن کعبے نے جھیل کی شکل اختیار کر لی تھی۔ بارش کی قلت کے سبب ہی جزیرہ نما عرب کا بیشتر علاقہ ریگستان کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ الربع خالی کے بعض حصوں میں تو دس سال تک بارش نہیں ہوتی۔

حجاز مقدّس

جغرافیہ

الحجاز مقدّس جزیرہ نما عرب کا وہ شمال مغربی حصہ جہاں آفتابِ اسلام طلوع ہوا۔ یہ اب بھی اسلام کا روحانی مرکز ہے، اسی وجہ سے محققین اسے سرزمین اسلام کا نام بھی دیتے ہیں۔ یہیں خانہ کعبہ یعنی بیت اللہ شریف واقع ہے جو مکہ مکرمہ میں واقع ہے جو پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا وطن مالوف ہے اور منزل وحی ہے۔ الحجاز مقدّس مسلمانوں کے نزدیک ارض مقدّس (البلاد مقدسہ) ہے۔ مسلمان اپنے مقدّس مقامات کی حرمت و تقدس کی حفاظت کے لیے اقوام عالم سے زیادہ جوش و جذبہ رکھتے ہیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے گرد و پیش کے علاقے حرم ہیں، جہاں صرف مسلمانوں کو داخلے کی اجازت ہے اور الحجاز مقدّس کے دیگر حصوں میں غیر مسلموں کے داخلے پر اکثر پابندیاں عائد کی جاتی رہی ہیں۔

معنیٰ

عربی ماخذوں میں بالعموم ''الحجاز'' کا مفہوم ''روک یا رکاوٹ'' ہے تاہم ان ماخذوں میں اس کے اطلاق کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ اس ''رکاوٹ'' سے مراد سرات کا سلسلہ کوہ ہے جو الغور یعنی تہامیہ کی نشیبی زمینوں کو جو بحیرہ قلزم کے ساتھ ساتھ چلی گئی ہیں اندرون ملک کی بلند سرزمین، نجد سے جدا کرتا ہے۔ کچھ محققین کا خیال ہے کہ یہ رکاوٹ شمال میں واقع الشام اور جنوب میں واقع الیمن کے مابین حائل ہے۔ زمانہ حال کی طبقات الارض تحقیقات سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان دونوں خطوں کے پہاڑ ''عربی ڈھال'' کے، جس میں جبل السراۃ شامل ہے، باہر ہیں۔

جغرافیائی حدود

الحجاز کی جغرافیائی کی تعین کے بارے میں کوئی قطعی اتفاق رائے نہیں پایا جاتا اگرچہ صحیح معنوں میں تہامیہ الحجاز کا

حصہ نہیں ہے تاہم اسے اکثر اس میں شامل سمجھا جاتا ہے چنانچہ پہاڑیوں پر واقع مکہ کو تہامیہ اور مدینہ منورہ کو نصف تہامیہ اور نصف الحجازیہ کہا جاتا ہے۔ مشرق میں بعض اوقات الحجاز کی حدود ''فید'' تک بڑھا دی جاتی ہیں جو اب اجاو سلمٰی کے قریب واقع ہے لیکن یہ ایک انتہائی مفہوم ہے جیسا کہ یہ کہنا کہ الحجاز کا علاقہ شمال میں فلسطین تک چلا گیا ہے۔ شمالی حدود کی محدود ترین تعریف کے مطابق مدین اور اس کا عقبی علاقہ حسمی الحجاز سے باہر ہیں۔ جنوب میں ایک وقت میں الحجاز کی سرحد یمن سے ملتی تھی، لیکن زمانہ حال میں ان دونوں کے درمیان عسیر کو حائل کر دیا گیا ہے۔ آج کل الحجاز سے مراد وہ علاقہ ہے جو بالعموم سعودی عرب کی موجودہ سلطنت کا مغربی حصہ ہے۔

جغرافیائی و تاریخی تقسیم

عام طور پر الحجاز کو تین حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ شمالی، وسطی اور جنوبی۔ وسطی حصہ تاریخ اسلام کے نقطہ نظر سے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا ذکر درج ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

وسطی حصہ

وسطی حجاز کی حدود یوں ہیں۔ جنوب میں وہ علاقے جو الطائف، مکہ اور جدہ کے نواح میں ہیں اور شمال میں وہ علاقے جو مدینہ منورہ اور ینبوع کے قریب ہیں۔ مدینہ منورہ کے کنارے سے ایک وسیع حرہ جبال السراۃ کے ساتھ ساتھ تقریباً تین کلومیٹر تک چلا گیا ہے اور مکہ کے قریب جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

قدیم شاہراہ الطائف سے شروع ہو کر شمال کی سمت النخلہ الیمانیہ کی وادی تک جاتی ہے جہاں سے نیچے اتر کر وہ مکہ کی جانب چلی جاتی تھی۔ اس وادی میں قرن المنازل واقع تھا جو جنوبی نجد اور عمان سے آنے والے حجاج کے لیے میقات کا کام دیتا تھا۔ میقات اس وادی میں وہ جگہ ہے جو السیل الکبیر کہلاتی ہے۔ النخلہ الشامیہ میں ذات العرق تھا جو ان حاجیوں کے لیے میقات تھا جو شمالی نجد اور عراق سے درب زبیدہ کے ساتھ ساتھ آتے تھے، یعنی اس راستے سے جہاں ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے حوضوں اور دیگر سہولتوں کا انتظام کیا تھا۔ اس سمت میں ذات العرق الحجاز کی حد سمجھی جاتی ہے۔ اب پہاڑوں میں ایک بل کھاتی ہوئی سڑک براہ راست الطائف سے مکہ جاتی ہے اور اس طرح حاجی شمال کے لمبے چکر سے بچ جاتے ہیں۔ نخلہ نام سے موسوم دونوں مقام جو اب محض الشامیہ اور الیمانیہ کہلاتے ہیں کا پانی وادی فاطمہ (الظہران) میں آتا ہے جس کی زرخیز تلیٹھی پر سے مکہ سے جدہ جانے والی شاہراہ گزرتی ہے۔

دو راستے

پوری تاریخ اسلام میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مابین سفر کرنے والوں کو دو راستوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حق رہا ہے۔ ایک وہ جو ساحل کے ساتھ ساتھ جاتا ہے اور طریق السلطانی یا الدرب السلطانی کہاتا ہے اور دوسرا

وہ جو بڑے حرے کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے اسے الطریق یا الارب الشرقی کہتے ہیں۔موٹر گاڑیوں کی آمد سے پہلے جو لوگ الطریق السلطانی کو اختیار کرتے تھے وہ جدے کے پاس سے گزر جاتے تھے تا کہ وقت کو بچا سکیں۔

مقام سرف

مکہ المکرمہ کے باہر تین گھنٹوں کی مسافت پر بمقام سرف آنحضرت ﷺ کی آخری زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مقبرہ اور مسجد واقع تھی جو سعودی نظریات کی وجہ سے قائم نہ رہ سکے۔یاد رہے یہ وہی مقام ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بنولحیان پر حملہ کیا تھا۔اس کے بعد یہ خلیص کے مزروعہ رقبے کو عبور کرتی ہوئی گزرتی ہے جو ساحل سے کچھ فاصلے پر واقع تھا۔قدیمہ کے پرے تھوڑے ہی فاصلے پر سمندر نظر آتا ہے۔

رابغ

رابغ اگرچہ ساحل سمندر پر واقع تھا تاہم اس کی کوئی خاص بندرگاہ نہیں تھی۔یہاں جہاز ساحل سے خاصے فاصلے پر کھڑے یا لنگر انداز ہوتے تھے اور اپنا سامان مقامی کشتیوں کے ذریعے منتقل کرتے تھے۔شام اور مصر اور المغرب سے آنے والے حاجیوں کے میقات کی حیثیت سے رابغ نے الجحفہ کی جگہ لے لی ہے جو اب ایک ویران شدہ گاؤں ہے۔جو حاجی بحیرہ عرب میں سے ہو کر آتے ہیں وہ اس وقت احرام باندھ لیتے تھے جب ان کا جہاز رابغ کے پاس سے گزرتا تھا۔رابغ کے شمال میں الابواء کے مقام پر جو اب الخریبہ کہلاتا ہے رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا معروف مزار ہے۔

رابغ سے پہاڑوں کے درمیان سے مدینہ منورہ تک شمال کی سمت سے کئی چھوٹی چھوٹی سڑکیں جاتی ہیں جو الطریق سلطانی کی نسبت ایک زیادہ سیدھا مگر دشوار گزار راستہ مہیا کرتی تھی۔الطریق سلطانی ماضی قریب تک ساحل کے ساتھ ساتھ جاتا تھا۔مستورہ کی بندرگاہ سے ایک متبادل راستہ جو ''موڑ'' یا ''الملف'' کہلاتی تھا اندرون ملک کی جانب مڑ جاتا تھا لیکن بڑی سڑک اس وقت تک نہ مڑتی تھی جب تک وہ مقام بدر تک نہ پہنچ جائے۔مقام بدر وہی مقام ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے میدانِ جنگ میں قریش کو شکست دی تھی۔

شمالی حصہ

الحجاز کے شمالی حصے کے بارے میں یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ سعودی عرب اور اردن کی درمیانی سرحد تک چلا گیا ہے۔جو العقبہ کے جنوب میں ایک نقطے سے شروع ہو کر الطبق کے پہاڑی سلسلے کے اوپر تک چلی گئی ہے۔چونکہ اسرائیل نے خلیج عقبہ کے ایک مقام پر قبضہ کر لیا ہے اس لیے حاجیوں کے لیے اب یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ قدیم خشکی کے راستے سے جو سینا سے عقبہ ہوتا ہوا گزرتا تھا آ جا سکیں۔

جنوبی حصہ

الحجاز کے جنوبی حصے میں باقی دو حصوں سے زیادہ بلند و بالا پہاڑ ہیں اور وہاں بارش اور زراعت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جدے سے چل کر ایک شاہراہ اللیث، القنفذہ اور حلی سے گزرتی ہوئی ساحل کے متوازی القحمہ تک جاتی ہے جسے اب تہامیہ اور عسیر کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔

تاریخ

چونکہ الحجاز کی تاریخ کا تعلق مکہ، مدینہ اور بہت سے مقامات سے ہے جو تاریخ اسلام سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ان تاریخی مقامات کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ اس کی تاریخ بھی بیان کی جائے گی۔ الحجاز کی تاریخ کے متعلق یہاں یہ بتا دینا کافی ہوگا کہ گزشتہ چودہ سوسالہ تاریخ میں الحجاز کی خودمختار سلطنت کا سرکاری نام صرف دس برس سے کم عرصے کے لیے قائم رہا تھا یعنی شاہ الحسین بن علی یا شریف مکہ کے عہد حکومت میں (1334ھ/1916ء سے 1343ھ 1924ء) تک جب نجد کے سعودیوں نے حجاز پر قبضہ کرلیا۔

معیشت و معاشرت

الحجاز ایک ایسا غریب ملک تھا جہاں مدتوں تک قانون و قاعدے کی بندش ناگوار سمجھی گئی اب کئی لحاظ سے ایک بہت بہتر دور میں داخل ہو چکا ہے۔ قبائل کی حرص و آز کو، جس نے صدیوں تک قافلہ حجاج کو لوٹنے پر یہاں کے بدوؤں کو مجبور کیے رکھا اب زیر کرلیا گیا ہے۔ اور اب بین القبائل عداوتوں اور کینہ توزی کا بھی خاتمہ ہوگیا ہے۔ ہوائی سفر نے بیرونی دنیا سے قریبی تعلقات استوار کر دیے ہیں اور اب ماضی سے کہیں زیادہ تعداد میں حجاج کرام اور زائرین سرزمین حجاز میں آرام و آسائش سے سفر کرتے ہیں۔ سعودی عرب کی حکومت کو تیل کی پیداوار سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے اس کی وجہ سے حجاز مقدس میں معیشت کا انحصار اب بیرونی اسلامی دنیا پر نہیں رہا۔

مکہ مکرمہ

مکہ مکرمہ عالم اسلام کا سب سے بڑا روحانی اور مقدس مرکز اور سعودی عرب کے صوبہ الحجاز کا مرکزی شہر ہے۔
مشہور یونانی جغرافیہ دان بطلیموس نے اپنی تصنیف ''جغرافیا'' میں ''میکورابا'' Macoraba کا نام دیا تھا جو عربی لفظ مقربہ کی تعریب ہے جس کے معنی لوگوں کو معبودوں کے قریب لانے والا بنتے ہیں۔ یہ جدہ سے تقریباً 80 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔قدیم زمانے سے لوگ اطراف و جوانب سے یہاں حج کرنے کے لیے آتے ہیں اور اس شہر میں آ کر اپنے معبود برحق کے قریب تر ہو جاتے ہیں۔

محل وقوع

مکہ مکرمہ 21 درجہ 54 دقیقہ طول البلد مشرقی پر واقع ہے اور سطح سمندر سے اس کی بلندی 9.9 میٹر ہے۔ یہ ایک تنگ پہاڑی وادی میں واقع ہے جس کے دونوں طرف خشک پہاڑوں کا ایک دہرا سلسلہ کوہ واقع ہے۔ اسی میں جبل عرفات، جبل ثور (760 میٹر بلند) جبل ابی قبیس (983 میٹر) اور جبل مشیر واقع ہیں۔ شہر کے اردگرد بہت سی اور وادیاں واقع ہیں جن میں وادی فاطمہ اور وادی نعمان زیادہ قابل ذکر ہیں۔ وادی نعمان کو نہر زبیدہ سیراب کرتی ہے۔ شروع میں مکہ کا دارومدار صرف آب زمزم پر تھا اگرچہ یہاں اور کنویں بھی تھے مگر یہ پانی کی قلت کا شکار رہتا تھا مگر نہر زبیدہ اور عین عزیزہ کی تعمیر سے کسی حد تک یہ قلت دور ہوئی تھی۔

آب وہوا

شہر کی آب وہوا موسم گرما میں بڑی شدید ہوتی ہے۔ کبھی کبھی درجہ حرارت 113 درجہ فارن ہیٹ یا 45 درجہ سنٹی گریڈ سے زیادہ تک پہنچ جاتا ہے۔ عرب امراء گرمیوں کا موسم طائف میں گزارتے تھے جو مکہ سے صرف 50 میل کے فاصلے پر جانب مشرق واقع ہے۔ موم سرما میں موسم خوش گوار رہتا ہے۔ اناج یا غذائی ضروریات کاشت کاری نہ ہونے کی وجہ سے باہر سے

اجناس منگوا کر پوری کی جاتی ہے۔ جدید دور میں مکہ المکرمہ کے اطراف و جوانب کی زمینوں کو قابل کاشت بنانے کے لیے امریکی انجینئروں کی خدمات مستعار لی گئی ہیں۔ شہر مکہ کے نشیب میں واقع ہونے کی وجہ سے اردگرد کی بلند پہاڑیوں سے بہ کر آنے والے پانی اکثر سیلاب کی شکل اختیار کرتے رہے ہیں اور ان سے شدید نقصانات بھی ہوتے تھے۔ اس قسم کا آخری سیلاب جیسا کہ پہلے ذکر آیا 1940 کی دہائی میں آیا تھا جب حرم شریف مکہ ایک جھیل کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

حرم پاک مکہ

حرم کے معنی عربی زبان میں ذات حرمۃ یعنی قابل عزت کے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: "ومن یعظم حرمت الله (22الحج:30) بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے: "انشدك بحرمة هذاالبيت" (کتب المغازی) میں تجھے بیت اللہ شریف کی قسم دیتا ہوں۔ حرم کے دوسرے معنی ہیں ممنوع۔ اسلامی اصطلاح میں مکہ اور مدینہ اور ان کے گرداگرد کے چند میل تک کے علاقے کو حرم کہتے ہیں۔ انھیں حرم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت قائم کی ہے اور ان مقامات پر بعض افعال اور اقدامات ممنوع ہیں، مثلاً ان کے اندر جنگ نہیں ہوسکتی۔ ان کے درختوں وغیرہ کو نہیں کاٹا جاسکتا وغیرہ اور ان مقامات میں داخل ہونے والا یا پناہ لینے والا ہر گزند سے محفوظ ہو جاتا ہے لیکن بخاری شریف میں ہے کہ "ان الحرم لیعمن عاصیاً ولا نارٌ بدم (البخاری کتاب العید) یعنی ان جگہوں کے حرم ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ مجرم یا قاتل بھاگ کر حرم میں چلا جائے تو اسے گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔ مکہ اور اس کے ماحول کی حرمت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے ذریعے قائم فرمائی۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ: "انك حرمت مكه على لسان ابراهيم وانا عبدك ونبيك وانى حرم ما بين لا بيتهما (ابن ماجہ، کتاب المناسک) الٰہی تو نے مکہ کی حرمت حضرت ابراہیمؑ کے ذریعے نافذ فرمائی تھی اب میں تیرے حکم سے مدینہ کی حرمت کا اعلان کرتا ہوں۔ آئندہ سے مدینہ اپنے گرداگرد حرہ تک حرم ہے۔ اسی طرح بخاری شریف میں ہے؛" انى احرم ما بين لا بيتها بمثل ما حرم ابراهيم "مکہ" (کتاب الجہاد) بخاری شریف میں ایک یہ حدیث بھی بیان ہوئی ہے کہ ان مکہ حرمها الله (کتاب العلم) قرآن مجید میں بھی حرم کا ذکر ہے؛ اولم نمكن لهمحرما امنا (القصص:57) مدینہ منورہ کے بارے میں حدیث شریف میں ہے: لكل نبى حرم و حرمى المدينه (احمد :المسند) الحرمین سے مراد دو مقدس اور قابل عزت مقامات یعنی مکہ المکرمہ اور مدینہ منورہ ہیں۔

حدود حرم

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے حدود حرم کی حد بندی کے لیے سنگ میل نصب کیے تھے۔ حرم پاک کی یہ حد بندی حکم الٰہی اور حضرت جبرائیلؑ کے ہدایت دینے پر کی گئی تھی۔ فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے تمیم بن اسد الخزاعی کو بھیجا کہ وہ پرانے نصب شدہ پتھروں کی بجائے حدود حرم کے لیے نئے پتھر

نصب کر دیں۔ ابن عتبہ کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے حضرت جبرائیلؑ کی زیر ہدایت حدود حرم کے پتھر نصب کیے تھے۔ یہ پتھر حضرت قصی بن کلاب کے زمانے تک موجود تھے مگر کہنہ ہو گئے تھے۔ حضرت قصی نے یہ پتھر بدلوائے۔ حضرت قصی کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد یہ پتھر تبدیل فرمائے۔ عہد رسالت ﷺ کے بعد خلافت فاروقیؓ کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پتھروں کی تجدید کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار معزز قریشیوں کو بھیجا کہ پتھروں کی تجدید کریں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت معاویہؓ نے گورنر مکہ کو حکم دیا کہ حدود حرم کے پتھروں کی جگہ نئے پتھر نصب کیے جائیں۔ عہد بنو امیہ میں جب عبدالملک بن مروان حج کے لیے مکہ آیا تو اس نے بھی حدود حرم کی تجدید کرائی۔ عباسی عہد میں خلیفہ مہدی نے حج سے لوٹتے ہوئے یہ پتھر تبدیل کرائے۔ پھر مقتدر باللہ نے 355ھ میں عرفات کی سمت والے پتھر تبدیل کرائے۔ 683ھ میں ملک المظفر صاحب یمن نے اور 1023ھ میں سلطان احمد الاول عثمانی نے حدود حرم کی تجدید کرائی۔ تاریخ ازرقی میں ہے کہ جب حضرت جبرائیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ کو حدود حرم بتائے تو حضرت ابراہیمؑ نے حدود کے نشان قائم کرنے کے لے ان مقامات پر پتھر نصب کر دیے۔ ان حدود کا احترام انسان ہی نہیں بلکہ جانور بھی کرتے ہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی پالتو بکریاں کبھی خود حرم سے باہر نہیں نکلتی تھیں۔ جب کبھی وہ چرتے ہوئے حدود حرم تک پہنچ جاتیں تو وہاں سے واپس لوٹ جاتی تھیں۔

میقات حرم

حدود حرم جن کی نشان دہی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کی تھیں وہ "میقات" کہلاتی ہیں۔ خانہ کعبہ سے ہر سمت میں الگ الگ میقات واقع ہیں۔ یہ تعداد میں پانچ ہیں جبکہ چھٹا مقام مکہ کے قریب مسجد تنعیم یا مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھنا جائز قرار دیا ہے۔ یاد ہے کہ اس مقام پر سب سے پہلے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے احرام باندھا تھا۔ میقات حرم کے ان پانچ مقامات اور مسجد عائشہؓ کا ذکر مندرجہ ذیل ہے۔

(1) ذوالحلیفہ

مدینہ شریف کی جانب سے حدود حرم میں داخل ہونے پر جس مقام سے احرام باندھا جاتا ہے وہ ذوالحلیفہ کہلاتا ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے 13 کلومیٹر کے فاصلے پر اور مکہ مکرمہ سے 420 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حج الوداع کے موقع پر اسی مقام سے احرام باندھا تھا۔ مکہ کے شمال میں واقع دیگر علاقوں مثلاً تبوک، قسیم اور الجوف وغیرہ کے لیے بھی یہی میقات ہے۔ اس مقام کو بئیر علی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

(2) الجحفہ

شام کی طرف سے حدود حرم میں داخل ہوے والوں کے لیے یہ مقام میقات کا درجہ رکھتا ہے۔ الجحفہ مکہ کے شمال مغرب میں 190 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مصر، شام، مراکش، تیونس اور یورپ کی طرف سے آنے والوں کے لیے اس مقام پر احرام باندھنا واجب ہے۔

(3) قرن المنازل

مکہ کے مشرق میں 90 کلومیٹر کے فاصلے پر قرن المنازل واقع ہے۔ یہ نجد اور خلیجی عرب امارات سے آنے والوں کے لیے مقام میقات ہے۔

(4) یلملم

یلملم مکہ کے جنوب میں 50 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ بھارت، پاکستان، چین، ملائیشیا، بنگلا دیش، انڈونیشیا اور یمن کے لیے میقات ہے۔ یہ میقات مکہ سے قریب ترین واقع ہے جبکہ ذوالحلیفہ 420 کلومیٹر پر واقع ہونے کی وجہ سے دور ترین میقات ہے۔

(5) ذات عرق

مکہ کے شمال مشرق میں 85 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ میقات عراق، کویت اور اس طرف سے آنے والوں کے لیے ہے۔

مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا

مسجد تنعیم یا مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے صرف ساڑھے سات کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ اہل مکہ کی میقات ہے۔ حج الوداع کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کے حکم پر اسی مقام پر احرام باندھا تھا۔ اہل مکہ میں سے جو کوئی عمرہ یا حج کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اس مقام پر آئے تو حج اور عمرہ کے لیے سفر کی شرط پوری ہو جاتی ہے۔

حدود مسجد الحرام

ابتدائے اسلام میں مسجد الحرام کی حدود جانب مشرق چاہ زمزم اور باب بنی شیبہ تک تھیں اور بقیہ تین اطراف سے سبز ستونوں کے ساتھ حدود حرم متعین کی گئی تھیں۔ ان ستونوں میں روشنی کے لیے قدیم زمانے میں چراغ لٹکائے جاتے تھے۔ حدود حرم کا تعین سنگ مرمر کے فرش سے بھی کیا جاتا تھا یعنی جہاں تک یہ فرش لگا ہوا تھا مسجد حرام وہیں تک تھی۔ یہ فرش

وہاں تک لگا ہوا تھا جسے آج کل صحن کعبہ یا مطاف واقع ہے۔ عہد رسالت اور خلافت صدیقی میں مسجد حرام کی حدود یہیں تھیں مگر بعد کے ادوار میں اس میں ضافہ اور توسیعات کی گئیں۔

صدر اسلام میں مسجد حرام کے گرد کوئی احاطہ یا دیوار نہیں تھی بلکہ اس کے چاروں طرف مکی لوگوں کے گھر تھے جنھوں نے ایک حد بندی کی شکل اختیار کی ہوئی تھی۔ عہد فاروقیؓ میں جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو حضرت عمرؓ نے مسجد الحرام کی پہلی توسیع کرتے ہوئے 17ھ میں مسجد حرم کے اردگرد کے مکانات کو منہدم کر کے مسجد الحرام میں شامل کرلیا اور ان مکانات کے مالکان کو ان کی قیمت بیت المال سے ادا کر دی۔ حضرت عمرؓ کی اس پہلی توسیع کے بعد ہی مسجد الحرام کے گرد دیوار یا احاطہ تعمیر کیا گیا جو قد آدم کے برابر تھی۔ دور جدید میں مسجد الحرام نے بڑی وسعت اختیار کر لی ہے اور 2020ء اور 2050 تک اسے مزید وسیع تر کیا جا رہا ہے۔ آج کل یہ دنیا کی تمام مساجد سے وسعت میں زیادہ ہے۔ مسجد الحرام کے اندر کی زمین اردگرد کی زمین سے قریباً 9 فٹ زیریں ہے۔ اسی وجہ سے اس کے دروازوں کے ساتھ داخلے کے لیے سیڑھیاں تعمیر کی گئی ہیں جن سے مسجد حرام میں داخل ہوا جاتا ہے۔ بہت سے محققین نے مسجد الحرام کی پیمائشیں درج کی ہیں جن کو ہم مسجد الحرام کے عنوان کے تحت آئندہ درج کریں گے۔

مسجد الحرام شریف

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ میں لے گئی۔

(سورہ بنی اسرائیل)

مکہ معظمہ کے تاریخی آثار میں سب سے زیدہ اہم مسجد الحرام اور بیت اللہ شریف ہیں۔

مسجد الحرام مکہ معظمہ میں واقع مرکزی مسجد کا نام ہے جس کے معنی ہیں حرمت، تقدیس اور عظمت و شرافت والی مسجد۔ یہ مسجد چونکہ دنیا کی تمام مساجد میں ام المسجد کا درجہ رکھتی ہے اور عالم اسلام کی تمام عقیدتوں کا مرکز اور دنیا کی سب سے پہلی اور قدیم مسجد ہے۔ اسی بنا پر اسکی فضیلت و حرمت بھی سب سے زیادہ ہے۔ یہ نام پہلے سے جاہلیت کے زمانے میں قیس بن الخطیم کے ہاں ملتا ہے۔ ''اس خدا کی قسم، جو مسجد الحرام کا خدا ہے اور جس پر سن کے دھاگے والے حاشیے کڑھے ہوئے یمانی کپڑے کا غلاف ہے۔'' (بحوالہ اردو دائرہ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی جلد 20)

لفظ مسجد الحرام خود قرآن مجید میں بھی متعدد بار آیا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**وصد عن سبیل اللہ و کفر بہ والمسجد الحرام**'' (البقرہ: 217) ترجمہ: یعنی خدا کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد الحرام (یعنی بیت اللہ) میں جانے سے روکنا...... خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ ایک اور مقام پر آیا ہے: ''**فول وجھك شطر المسجد الحرام**'' (البقرہ: 144) یعنی پس پھیر لے اپنا رخ (چہرہ) مسجد الحرام کی طرف۔ احادیث شریف میں آیا ہے کہ مسجد الحرام میں ادا کی جانے والی نماز کا ثواب دنیا کی تمام مساجد کے ثواب سے زیاہ ہے یعنی ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ (البخاری، الصلوٰۃ فی مسجد مکہ) مکہ مکرمہ کی اس مقدس عبادت گاہ میں کعبہ شریف، چاہ زمزم اور مقام ابراہیمؑ شامل ہیں جن کا ذکر الگ الگ آگے آیا ہے۔ یہ تینوں مقام ایک کھلی جگہ میں واقع ہیں۔ 8ھ/630ء میں فتح مکہ کے موقع پر خانہ کعبہ کی بتوں سے تطہیر کی گئی اور اس میں نمازیں ادا کی گئیں۔ کچھ عرصہ کے بعد محسوس ہونے لگا کہ اس میں گنجائش بڑی کم ہے حضرت عمر فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں ملحقہ مکانات گرا کر ایک دیوار کھینچ دی گئی، حضرت

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، بنوعباس رضی اللہ عنہ اور بنوامیہ کے زمانے میں مسجد الحرام کی توسیع کی گئی اور اس کی تزئین وزیبائش میں بھی اضافہ ہوا۔ ابن الزبیرؓ نے دیوار پر ایک سادہ سی چھت ڈال دی۔ عباسی خلیفہ المہدی نے اس کے گرد ستون اور دالان بنا دیے اور ان پر ساگوان کی چھت ڈلوادی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا مسجد کے میناروں کی تعداد سات تک بڑھ گئی۔ بیت اللہ کے گرد چھوٹے چھوٹے ستون روشنی کے لیے تعمیر کیے گئے۔ مسجد ہذا میں ایک خصوصیت یہ پیدا کی گئی کہ چھوٹے چھوٹے لکڑی کے مکان نما سائبان بنوا دیے گئے کہ نماز کے وقت امام ان سے کام لے سکے۔ ان تعمیرات کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ مسجد الحرام میں زمانہ قریب تک چاروں فقہی مذاہب کے لیے ایک ایک سائبان امامت تھا۔ یہ بات کہ ان مقامات میں سے کوئی ایک دوسرے سے زیادہ خوبصورت ہوگا۔ کبھی کبھار حنفیوں اور شافعیوں کے درمیان کشیدگی کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ آخر میں دالانوں کے فرش پر جو بجری بچھی ہوئی تھی اس کی جگہ سنگ مرمر کی سلیں لگوادی گئیں۔ مطاف اور کعبہ کے گرد بھی اور مطاف تک پہنچنے کے لیے کئی روشوں پر بھی اس قسم کا فرش لگوادیا گیا۔

عہد عثمانیہ میں سلطان سلیم ثانی نے اس عمارت کی توسیع وتعمیر -89ھ/1572ء میں شروع کی جو 985ھ/1577ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ سلطان سلیم ثانی نے عمارت میں چھوٹی چھوٹی اصلاحات کے علاوہ چپٹی چھتوں کی جگہ کئی چھوٹے چھوٹے سفید قبے جو مخروطی تھے تعمیر کروائے۔

اگر کوئی شخص مکہ کے مشرقی محلوں کی طرف سے مسجد الحرام میں داخل ہوتو اسے کچھ زینے اترنے پڑتے ہیں۔ مسجد کے موقع محل میں حتی الامکان کسی قسم کا ردوبدل نہیں کیا گیا مگر اردگرد کی زمین کی سطح جیسا کہ مشرقی شہروں بالخصوص مکہ المکرمہ میں سیل کی وجہ سے اکثر ہوتا ہے، خود بخود صدیاں گزر جانے کے بعد آہستہ آہستہ اونچی ہوتی گئی۔

طول وعرض

البتونی نے اپنے سفرنامے رحلہ میں حرم کے اندرونی حصے کا طول وعرض حسب ذیل لکھا ہے۔ شمال مغربی پہلو 545 فٹ، جنوب مشرقی پہلو 553 فٹ، شمال مشرقی 360 فٹ، جنوب مغربی 364 فٹ، کونے زاویہ قائمہ نہیں بناتے اس طرح ساری عمارت تقریباً متوازی الاضلاع شکل کی ہے۔

مشرقی سمت سے مطاف میں داخل ہوتے وقت سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے گزرنا پڑتا ہے جو مسجد الحرام کی پرانی حد پر بنا ہوا تھا۔ دروازے سے گزرنے کے بعد مقام ابراہیمؑ دائیں ہاتھ کو پڑتا ہے اور یہی جگہ مقام شافعی بھی کہلاتی ہے۔ اس کے دائیں طرف منبر رکھا ہوا ہے جبکہ بائیں طرف چاہ زمزم کی عمارت واقع تھی۔ انیسویں صدی کے بعد کے زمانے میں زمزم سے سامنے مسجد کے شمال مشرقی طرف القبتین تھے جو گودام کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ ان قبوں کو صاف کردیا گیا۔ چنانچہ فی زمانہ ہونے والی توسیعات کے بعد سے یہ حرم شریف کے نقشے میں نہیں دکھائے جاتے۔

چہار مصلے

کعبہ کے اردگرد چاروں مذاہب کے اماموں کے مصلے تھے۔ کعبہ اور جنوب مشرقی طرف کے درمیان مقام الحنبلی یا مصلی حنبلی تھا، جنوب مغرب میں مقام مالکی، شمال مغرب میں مقام حنفی، مقام حنفی کی دو منزلیں تھیں، اوپر والی منزل موذن اور مبلغ استعمال کرتے تھے اور نچلی منزل امام اور اسکے نائبین۔ سعودی حکومت نے مصلوں کا یہ الگ نظام ختم کردیا اور صرف ایک ہی امام جو عموماً حنبلی ہوتا ہے سب لوگ اس کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں حدود مطاف پیتل کے پتلے پتلے کھمبے لگا کر نمایاں کی گئی تھی جن میں تار لگے ہوئے تھے۔ ان تاروں پر دالانوں کے اندر روشنی کے چراغ لگا دیے گئے تھے۔ حال ہی میں مسجد الحرام کی مزید کئی تعمیرات وتوسیعات کی گئی ہیں۔ اب مطاف اور مابین صفا و مروہ سفید پتھر لگائے گئے ہیں جو دھوپ اور سردی سے غیر متاثر رہتے ہیں۔ حجاج اور زائرین کے لیے سہولتوں میں بھی خاطر خواہ اضافہ کیا گیا ہے۔

جدید تعمیرات وتوسیع

آج کل مسجد الحرام کے کل 112 چھوٹے بڑے دروازے ہیں جن میں سب سے پہلا اور مرکزی دروازہ سعودی عرب کے پہلے فرمانروا شاہ عبدالعزیز کے نام پر موسوم ہے۔ شاہ موصوف نے تیل کی دریافت کے بعد مسجد الحرام میں جدید دور میں تعمیر وتوسیع کا ارادہ کیا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے شاہ سعود کے دور میں مسجد الحرام کی تاریخ کی سب سے بڑی تعمیر وتوسیع شروع ہوئی اور سابق ترکی تعمیرات کے برآمدوں کے پیچھے دو منزلہ عمارات تعمیر ہوئی۔ اس تعمیر پر مختلف دروازے بنائے گئے تو مسجد کے جنوب کی طرف سے چار میں سے پہلا اور بڑا دروازہ بنایا گیا جس کا نام باب عبدالعزیز ہے۔ مسجد الحرام کا دوسرا بڑا دروازہ باب الفتح ہے جو شمال مشرق میں مروہ کے قریب ہے جہاں 12 جنوری 630ء کو فتح مکہ کے دن اسلامی لشکر نبی پاک ﷺ کے زیر قیادت مسجد الحرام میں داخل ہوا تھا۔ تیسرا بڑا دروازہ باب العمرہ ہے جو شمال مغرب کی طرف ہے اور جہاں سے نبی پاک ﷺ نے اپریل 629ء میں عمرے کی سعادت حاصل کی تھی جبکہ چوتھا بڑا دروازہ باب الفہد ہے جو مغرب کی سمت میں واقع ہے۔ ان کے علاوہ مختلف واقعات اور مقامات کی یاد میں مسجد کے دیگر دروازوں کے نام رکھے گئے ہیں۔ شاہ فہد بن عبدالعزیز کے عہد میں تاریخ کی سب سے بڑی توسیع 1993ء میں مکمل ہوئی۔ مسجد الحرام میں کچھ دینی آثار بھی ہیں جن میں مقام ابراہیمؑ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی دیواریں تعمیر کی تھیں۔ اسی طرح مسجد الحرام میں آب زمزم کا کنواں بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ ہاجرہؓ کے لیے نکالا تھا۔ اسی طرح یہ بھی نہیں بھولا جا سکتا کہ اس میں حجر اسود اور رکن یمانی بھی ہیں جو کہ جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ ان سب دینی آثار کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

مسجد الحرام سے ملحقہ صفا اور مروہ کی پہاڑیاں بھی فرمان خداوندی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔اس لیے بیت اللہ کا حج وعمرہ کرنے والوں پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔

مسجد الحرام کی خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے امن کا گہوارہ بنایا ہے اور اس میں جیسا کہ پہلے ذکر آیا ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نمازیں ادا کرنے کے برابر ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں مسجد الحرام آج کے مقابلے میں کہیں چھوٹی تھی۔عثمانی دور میں مسجد تقریباً موجودہ صحن کے رقبے تک پھیل گئی۔سب سے عظیم توسیعات سعودی دور میں ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ان توسیعات میں مسجد الحرام کو دور جدید کے معیارات کے مطابق بنایا گیا ہے اور ایر کنڈیشنرز اور برقی سیڑھیاں بھی نصب کی گئی ہیں۔اس وقت کی مسجد الحرام کی تین سے زیادہ منزلیں ہیں جن میں لاکھوں نمازی عبادت کر سکتے ہیں۔

تعمیرات وتوسیعات مسجد الحرام

تاریخ اسلام میں سب سے پہلی توسیع مسجد الحرام حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے کی تھی۔انھوں نے مسجد الحرام کے رقبے میں 560 میٹر کا اضافہ کیا تھا۔ان کے عہد خلافت میں مسجد الحرام میں ایک زبردست سیلاب آ گیا تھا۔اس سیلاب کا نام تاریخ اسلام میں ''ام نہشل'' ملتا ہے۔اس سیلاب نے مقام ابراہیم کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا تھا۔بعدازاں اس متبرک پتھر کو حضرت عمرؓ نے واپس اس کی جگہ پر نصب کیا۔اس وقت مسجد الحرام کے گرد احاطے کی بجائے مکانات موجود تھے جس کی وجہ سے لوگوں کو بڑی تنگی کا سامنا تھا۔چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان مکانات کو خرید کر اور منہدم کر کے مسجد الحرام میں شامل کر دیا اور اس کے گرد احاطے کی ایک دیوار تعمیر کر دی۔

توسیع حضرت عثمانؓ

26ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد الحرام میں توسیع کی جس کے بعد مسجد کا رقبہ بڑھ کر 4390 میٹر ہو گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اضافہ کردہ رقبہ تقریباً 2040 میٹر تھا۔اس توسیع میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی مسجد الحرام کے اردگرد موجودہ گھروں کو مسجد کے احاطے میں شامل کیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنھوں نے مسجد الحرام کے کچھ حصوں پر چھت ڈالی اور مرمر کے ستون کھڑے کیے۔توسیع کے دوران میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی وہی مشکل پیش آئی جو ان سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیش آ چکی تھی کہ اردگرد کے مکانات کے مالکان اپنے گھروں کو فروخت کرنے پر تیار نہیں تھے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں قیمت ادا کرنے اور مکانات کو منہدم کرنے کا حکم جاری کر دیا تھا جس کی وجہ سے ان کی مخالفت میں آوازیں بھی بلند ہوئیں۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میری نرمی کی وجہ سے تمھیں میری مخالفت کرنے کی جرات ہوتی ہے۔عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس سے پہلے تم سے یہی سلوک کیا تھا مگر اس وقت تو کسی نے زبان نہیں کھولی تھی۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان مخالفین کو قید کرنے کا حکم دیا۔بعدازاں امیر مکہ عبداللہ بن خالد بن امیہ کی سفارش پر ان لوگوں کو رہا کیا گیا۔

دور بنوامیہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

دور اموی میں جب مکہ پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی تو انھوں نے بیت اللہ کو از سر نو تعمیر کیا۔ اس تعمیر نو کی وجہ یہ تھی کہ یزید بن معاویہ کے لشکر نے جب مکہ کا محاصرہ کیا تو منجنیقوں سے پتھر اور جلتے ہوئے گولے برسائے جن سے بیت اللہ کو خاصا نقصان پہنچا۔ اس تعمیر نو میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حطیم کو بھی کعبہ کی عمارت میں شامل کر لیا تھا۔

ولید بن عبدالملک

91ھ میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے مسجد الحرام کی چوتھی تعمیر و توسیع کی۔ اس توسیع کی وجہ یہ تھی کہ پانی کا ایک زبردست ریلہ سیلاب کی صورت میں مسجد الحرام میں داخل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے مسجد کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ ولید بن عبدالملک نے مسجد الحرام کے رقبے میں بھی توسیع کی۔ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ ولید پہلا شخص تھا جس نے مسجد الحرام کی تعمیر میں مصر و شام سے درآمد شدہ ستونوں کو استعمال کیا اور مضبوط چھتیں تعمیر کرائیں تا کہ نمازیوں کو موسم کی تبدیلیوں سے پریشانی نہ ہو۔

عہد عباسیہ ابو جعفر المنصور

خلیفہ ابو جعفر المنصور نے رکن شامی اور رقبہ میں اضافہ کیا۔ اسی کے قریب کسی زمانہ میں الندوۃ اور دار النخلہ ہوا کرتے تھے۔ منصور نے رکن شمالی اور رکن مغربی پر منارہ بھی تعمیر کرایا نیز حجر اسماعیل کو مرمر سے مزین کرنے اور چاہ زمزم پر جالی لگانے کا حکم دیا۔ یہ توسیع 137ھ سے 140ھ تک جاری رہی۔

معتضد باللہ

281ھ سے 284ھ تک عباسی خلیفہ معتضد باللہ نے مختلف ترامیم و توسیعات مسجد الحرام میں کرائیں۔ دار الندوۃ کو منہدم کر کے مسجد الحرام میں شامل کر دیا اور ایک غلام گردش تعمیر کرائی جو مسجد الحرام کے چھ دروازوں پر محیط تھی۔ عمدہ ستون تعمیر کروائے اور چھت پر ساگوان کی لکڑی لگوائی نیز مسجد کے اندر بارہ دوازے اور باہر تین دروازے بھی تعمیر کرائے۔ یہ توسیع تین سال میں مکمل ہوئی۔

مقتدر باللہ

306ھ میں عباسی خلیفہ مقتدر باللہ نے زبیدہ بنت جعفر کے نام پر مسجد کے رقبے میں اضافہ کیا اور ایک بڑا دروازہ تعمیر کرایا جو اس وقت باب ابراہیم علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔

مملوک مصر

خلافت عباسیہ کے بعد جب مصر کے مملوک حکمرانوں کا زمانہ آیا تو مملوک کے سلاطین نے بھی مسجد الحرام کی دیکھ

بحال اور مرمت وتوسیع میں گہری دلچسپی لی۔ ان کے عہد میں حرم شریف میں بہت سی ترامیم واضافے ہوئے۔ 802ھ میں مسجد الحرام کے ایک تہائی حصے میں آگ لگ جانے کی وجہ سے مسجد شریفہ کو شدید نقصان پہنچا۔ سلطان مصر الملکؒ الناصر فرج بن برقوق نے مصر سے معمار اور تعمیراتی سامان بھجوا کر مسجد کی بحالی کا کام کرایا اور سنگ رخام کی جگہ سنگ شمشی کے ستون نصب کرائے۔ 884ھ میں جب سلطان قائتبائی خود حج پر آیا تو اس نے نہر زبیدہ اور پانی کے دوسرے چشموں کی مرمت کروائی۔

ترکان عثمانی

مملوک سلاطین کے بعد مسجد الحرام کی تعمیر و مرمت وتوسیع کی خدمت عثمانی سلاطین ترکی کو حاصل ہوئی۔ سلطان سلیمان قانونی نے اپنے عہد میں سنگ مرمر کا ایک عمدہ منبر بنا کر مسجد الحرام کے لیے بھجوایا جیسا کہ سلطان سلیم ثانی کی تعمیر و توسیع کا ذکر پہلے آیا۔ سلطان سلیم کے زمانہ میں مسجد الحرام کی حالت خستہ ہو چکی تھی۔ چھت کرم خوردہ ہو کر گرنے کی حالت میں تھی۔ چنانچہ 980ھ/1572ء میں مسجد الحرام کی از سر نو تعمیر کا کام شروع ہوا۔ مسجد کی چھت سنگ شمشی پر قائم کی گئی اور چار چار ستونوں پر ایک قبہ کا اضافہ کیا گیا۔ دیواروں کو خطاطی سے قرآنی آیات سے مزین کر دیا گیا۔ سلطان سلیم ثانی نے مسجد الحرام کی توسیع و تعمیر کا یہ منصوبہ مشہور معمار۔۔۔۔۔ کے سپرد کیا تھا۔

سلطان مراد رابع

سلطان مراد رابع کے عہد میں مسجد الحرام کی تعمیر و توسیع کا سبب یہ ہوا کہ 19 شعبان 1039ھ میں بروز بدھ مکہ اور اس کے اطراف میں پہاڑیوں پر شدید بارش ہوئی تو بارش کا پانی سیلاب کی صورت میں مسجد الحرام میں در آیا اور خانہ کعبہ کے دروازے پر لگے ہوئے قفل سے بھی دو میٹر بلند ہو گیا۔ اس کے اگلے دن جمعرات کو عصر کے وقت کعبہ کے رکن شامی کی دیوار دونوں طرف سے گر گئی اور اس کے ساتھ مشرقی دیوار کا کچھ حصہ بھی جو باب شامی سے متصل تھا گر گیا صرف چوکھٹ کے بقدر حصہ باقی رہ گیا اور غربی دیوار دونوں طرف سے چھٹے حصے کے برابر گر گئی اور بیرونی طرف سے دو ثلث اور چھت کا کچھ حصہ بھی گر گیا۔ یہ حجاج بن یوسف کی تعمیر تھی جسے صدیاں بیت گئی تھیں۔

سلطان مراد نے بنائے کعبہ کا حکم دیا۔ اس کی تعمیر نو 1040ھ میں مکمل ہوئی۔ یہ تعمیر کعبہ حجاج کے طرز پر ہی کی گئی۔ روایات ہیں کہ قریش کی تعمیر کعبہ اور حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر کعبہ کے درمیان 2645 برس کا فاصلہ ہے۔ اسی طرح قریش اور ابن الزبیرؓ کی تعمیر میں 82 سال کا حجاج اور ابن الزبیرؓ کی تعمیر میں دس سال کا فاصلہ ہے۔

دورِ سعودی

عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود

مسجد الحرام وسیع ہوتے ہوتے آس پاس کے گھروں تک پہنچ گئی۔ دوسری طرف عالم اسلام میں اضافے کی وجہ سے حجاج کرام کی تعداد مسلسل بڑھ رہی تھی۔ ایسی صورت میں بیسویں صدی میں مسجد الحرام کے رقبے میں اضافہ ناگزیر تھا۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن نے مسجد الحرام کے انتظامات کے لیے ایک علیحدہ کمیٹی تشکیل دی جس کا نام مجلس دارالحرم رکھا گیا۔ اس کمیٹی کو مسجد الحرام کے جملہ معاملات کا انتظام، نگہبانی اور خدمت سونپ دی گئی نیز شاہ عبدالعزیز نے ایک اہم کام یہ کیا کہ چہار مصلی مسجد کو ختم کر کے صرف ایک امام کے پیچھے باجماعت نماز کا اہتمام کیا جبکہ اس سے پہلے چار فقہی مسالک کے مطابق مسجد الحرام میں چار جماعتیں ہوا کرتی تھیں۔

شاہ عبدالعزیز کے عہد میں جو دیگر خدمات انجام دی گئیں وہ یہ تھیں:

1344ھ تک مسجد الحرام کی مرمت کی گئی۔

1346 میں غلام گردشوں میں ترمیم کی گئی۔ دیواروں اور ستونوں پر سونے کا روغن چڑھایا گیا ورقبہ زمزم کی مرمت کی گئی۔

نمازیوں اور طواف کرنے والوں کے لیے دھوپ سے بچاؤ کی تدبیر کے طور پر چھتریاں نصب کی گئیں۔

صفا و مروہ کے درمیان پتھروں کا فرش لگایا گیا۔

شعبان 1347ھ میں مسجد الحرام میں موجود آلات روشنی کی تجدید کی گئی اور ان کی تعداد بڑھا کر 1000 کر دی گئی۔

14 صفر 1373ھ کو جب مکہ المکرمہ میں بجلی (Electricity) لائی گئی تو مسجد الحرام بھی بقعہ نور بن گئی اور بجلی سے چلنے والے پنکھے بھی لگائے گئے۔

شاہ سعود

شاہ سعود کے دور میں ربیع الآخر 1375ھ میں مسجد الحرام کے توسیعی منصوبہ کا آغاز ہوا اس کے بعد مسجد الحرام کا رقبہ تقریباً 28 زار میٹر ہو گیا جس میں پچاس ہزار افراد کے نماز پڑھنے کی گنجائش تھی۔ یہ توسیع دس سال تک جاری رہی۔

جمعرات 23 شعبان 1375ھ بمطابق 15 اپریل 1956 کو توسیع کے کام کی ابتدا ہوئی۔ یہ توسیع مختلف مراحل سے گزر کر مکمل ہوئی۔ ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

(1) صفا کے پیچھے ایک نئی سڑک نکالی گئی تا کہ ٹریفک مقام سعی سے دور ہی سے گزر جائے۔ مقام سعی پر سیمنٹ کا فرش لگایا گیا اور سعی کرنے کے لیے دو منزلہ عمارت تعمیر ہوئی تا کہ کثیر تعداد لوگوں کو سعی کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ اس مقام سعی کی لمبائی 394.5 میٹر ہے جبکہ اس کی چوڑائی 20 میٹر ہے۔ نچلی منزل کی بلندی 12 میٹر ہے اور اوپری منزل کی بلندی 9 میٹر ہے

شاہ فہد

سعودی عہد میں دوسری بڑی توسیع شاہ فہد کے عہد میں 1982ء سے 1988ء تک ہوئی۔ اس توسیعی پروگرام میں نا صرف مسجد حرام کی تزئین و آرائش کی گئی بلکہ باب فہد سے ملحقہ ایک پورے ونگ کا اضافہ بھی کیا گیا۔

تیسری بڑی توسیع

تیسری بڑی توسیع سعودی عہد میں 1988ء سے 2005ء تک ہوئی۔ اس توسیع میں حرم شریف میں 18 دروازوں کا اضافہ بھی کیا گیا۔ اس کے علاوہ تین گنبد ہر دروازے کے ساتھ نئے تعمیر کیے گئے۔ اس کے علاوہ مسجد میں 500 نئے مرمرین ستون بھی تعمیر کیے گئے۔ اس کے علاوہ سنٹرل ایر کنڈیشننگ کا نظام اور فرش کو گرم رکھنے کا نظام، متحرک سیڑھیاں اور نکاسی آب کا نیا سسٹم بھی تعمیر کیا گیا۔

عہد شاہ عبداللہ کا توسیعی منصوبہ

2007ء میں مسجد الحرام میں سعودی عہد کی چوتھی توسیع شروع کی گئی جو 2020ء تکمیل پذیر ہوگی۔ سعودی شاہ عبداللہ مرحوم نے اس نئی توسیع کے ذریعے حرم شریف میں بیس سے پچیس لاکھ نمازیوں تک کے لیے کشادگی کا منصوبہ بنایا تھا۔ شاہ عبداللہ 2015ء میں انتقال کر گئے اور ان کے جانشین شاہ سلیمان نے توسیع کے اس منصوبے کو پورے زور و شور سے جاری رکھا ہے۔

مسجد الحرام کے شمالی حصے کی توسیع کا کام اسی منصوبے کے تحت اگست 2011ء میں شروع ہوا تھا اور متوقع تھا کہ کہ ڈیڑھ سال کے عرصے میں تکمیل پذیر ہو جائے گا۔ اس توسیع سے مسجد کا موجودہ رقبہ 3830000 مربع فٹ یا 356000 مربع میٹر سے بڑھ کر 400000 مربع میٹر یا 4300000 مربع فٹ ہو جائے گا۔ اس منصوبے کے تحت حرم شریف کا ایک نیا دروازہ شاہ عبداللہ کے نام پر تعمیر کیا گیا ہے جس کے ساتھ دو نئے مینار بھی ہیں۔ اس کے بعد حرم شریف کے میناروں کی تعداد گیارہ ہو جائے گی۔ اس توسیعی منصوبے پر تقریباً 10.6 بلین ڈالر لاگت آئے گی اور اس منصوبے کی تکمیل کے بعد مسجد الحرام میں 25 لاکھ نمازیوں کی گنجائش پیدا ہو جائے گی۔ اس توسیعی منصوبے کے تحت بیت اللہ کے گرد واقع مطاف کو بھی وسیع تر کیا جا رہا ہے۔ اسی توسیعی منصوبے پر کام کے دوران 11 ستمبر 2015ء کو مسجد الحرام میں کرین

گرنے کا حادثہ پیش آیا تھا جس میں تقریباً394افراد ہلاک ہو گئے تھے۔اسی توسیعی منصوبے کے تحت خانہ کعبہ کے گرد مطاف کو بھی ایر کنڈیشنڈ بنایا جائے گا۔اس پورے توسیعی منصوبے پر21 بلین ڈالر یا80 ملین سعودی ریال خرچ ہوں گے۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لیے11000 کارکن شب و روز کام کر رہے ہیں۔

کعبہ شریف

دنیا میں خدا کا پہلا گھر (بیت اللہ) اور مسلمانوں کا قبلہ ثانی جو مسجد الحرام کے عین وسط میں واقع ہے۔
علما نے کعبہ شریف کے چند اسما لکھے ہیں جو مندرجہ ذیل دیے جا رہے ہیں۔

(1) کعبہ:

یہ نام کعبے کی تعکیب، یعنی مربع یا چو گوشہ ہونے کی وجہ سے پڑ گیا ہے۔ لغت کے اعتبار سے ہر بلند اور مربع عمارت کو کعبہ کہتے ہیں۔

(2) البیت الحرام:

(3) بکّہ:

بکّہ معنی ماہرین لغات نے گردن توڑ دینے یا توڑ دینے کے دیے ہیں۔ کعبے کو بکہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ سرکش لوگوں کی گردنوں کو توڑ دیتا ہے۔ یہ نام مکہ مکرمہ کا بھی ہے۔

(4) بیت العتیق:

چونکہ یہ گھر سرکش لوگوں کے اثرات سے پاک و منزہ رہا ہے اس لیے اس کو یہ نام دیا گیا۔ (ابن الاثیر) علماء نے کعبہ کے کچھ اور نام بھی دیے ہیں جو تاریخ مکہ کی کتابوں میں ملتے ہیں۔

عمارتی جغرافیہ

کعبہ کا نام، جو دراصل اسم علم نہیں، خانہ کعبہ کی مکعب نما صورت سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر چہ یہ عمارت صرف سرسری نظر میں مکعب نما ہے ورنہ حقیقت میں اس کا نقشہ ایک بے قاعدہ مستطیل کا ہے۔ وہ دیوار جس کا رخ شمال مشرقی سمت میں ہے اور جس میں دروازہ لگا ہوا ہے (یعنی بیت اللہ کے سامنے کا رخ) اور مقابل دیوار (کعبے کی پشت)

دونوں چالیس فٹ طویل ہیں جب کہ دوسری دو دیواریں پینتیس پینتیس فٹ، بلندی پچاس فٹ ہے۔ان چاروں دیواروں کی یکساں طوالت نہ ہونے کی وجہ سے کعبہ مربع کی بجائے مستطیل نما ہے۔کعبہ کی عمارت سیاہی مائل بھورے رنگ کے پتھروں کے روے لگا کر تعمیر کی گئی ہے۔یہ رنگ کعبے کے اردگرد واقع پہاڑوں کی رنگت سے مشابہ ہے۔ عمارت کی کرسی (شادرواں) سنگ مرمر کی ہے۔یہ دس انچ چوڑی یا اونچی اور کوئی فٹ بھر دیواروں سے باہر نکلی ہوئی ہے۔کعبے کے مرکز سے اگر چار خط چاروں کونوں (ارکان) سے گزرتے ہوئے لکیریں کھینچیں تو وہ کم وبیش قطب نما کی چار جہتوں کا پتا دیتی ہیں۔

اگر چاروں دیواروں کے مرکزوں سے عمودی خط کھینچے جائیں تو ان کی سمت شمال مشرق شمال مغرب، جنوب مغرب اور جنوب مشرق ہوگی۔

کعبہ کا شمالی کونہ الرکن العراق کہلاتا ہے۔معربی کونہ الرکن الشامی جنوبی کونہ الرکن الیمنی اور مشرقی (حجراسود کی وجہ سے) الرکن الاسود۔

غلاف کعبہ

کعبے کی چاروں دیواریں ایک سیاہ پردے سے ڈھکی رہتی ہیں جو زمین تک لٹکتا رہتا ہے اور جس کا زیریں کنارہ تانبے کے حلقوں سے بندھا رہتا ہے جو شادرواں میں جڑے ہوئے ہیں۔کعبہ کا یہ سیاہ پردہ یا غلاف پہنانے کا رواج قدیم ترین زمانہ سے چلا آرہا ہے اور اسلام نے اس قدیم رواج کو باقی رکھا ہے۔الازرقی کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے کعبے کو یمنی کپڑے کا غلاف پہنایا تھا۔

زمانہ جاہلیت

غلاف کعبہ پہنانے کے سلسلے میں پہلا نام تبع اسعد الحمیری کا لیا جاتا ہے۔زمانہ قبل از اسلام میں خالد بن جعفر بن کلاب نے کعبے کو ریشمی غلاف پہنایا تھا۔تبع شاہان یمن کا لقب ہے۔شاہ یمن تبع اسعد الحمیری مذہبا یہودی تھا۔بعض روایات سے اس کا موحد ہونا ثابت ہوتا ہے۔بعض مورخین نے اسے ستارہ پرست یا صابی بھی بتایا ہے۔تاہم اس کا مذہب جو بھی تھا محققین اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس نے کعبہ کو پہلا غلاف پہنایا تھا۔

ایجاد

انسانی تاریخ اس کی گواہ ہے کہ دنیا کے مختلف مذاہب میں قبروں یا عبادت گاہوں کو غلاف پہنانے کا رواج قدیمی چلا آرہا ہے۔اسکے علاوہ کعبہ نہ صرف دین ابراہیمی کی عبادت گاہ تھا بلکہ مختلف المذاہب کی عبادت گاہ بھی

رہا ہے۔ یہود، بت پرست، صابی، پارسی اور موحد سبھی اپنی جبینیں آستانہ کعبہ پر جھکاتے تھے۔ منتیں مانتے اور نذریں چڑھاتے تھے۔ اس لیے اس تاریخی حقیقت کا اندازہ لگایا نہیں جا سکتا کہ غلاف کعبہ کس کی ایجاد ہے۔ ہاں غلاف پہنانے کی وجہ محققین نے یہ بتائی ہے کہ بیت اللہ جو ایک انتہائی متبرک اور واجب التعظیم عبادت گاہ اس کو بیرونی فضا کے اثرات سے بچانے کے لیے اور ظاہری زیب و زینت دینے کے لیے غلاف یا کسوۃ پہنایا گیا ہوگا۔ اس بات کا بھی سراغ لگتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بت پرستان مکہ کعبے کو شاید کوئی ایسی جاندار شے تصور کرتے تھے جسے انسان کی طرح لباس پہنانا ضروری تھا۔

ابتدائی غلاف

مقریزی نے لکھا ہے۔ تبع اسعد الحمیری اور دیگر شاہان یمن کے غلاف البتہ موٹے کپڑے کے ہوتے تھے۔ قبل از اسلام اطراف و جوانب کے امرائے عرب کعبے کو جرو یمانی اور نمطا نامی کپڑے کا (جو ایک نفیس کپڑا ہوتا تھا) غلاف پہنایا کرتے تھے۔ ارزقی نے لکھا ہے کہ لوگوں کے قربانی کے جانوروں کی کھالیں اور ان پر اوڑھائی جانے والی چادریں وغیرہ بھی کعبے پر چڑھا دی جاتی تھیں۔ ابوالفرج اصفہانی نے لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش سالانہ چندے جمع کر کے سال میں ایک بار ضرور کعبے کو غلاف پہناتے تھے۔ یہ طریقہ حضرت قصی کے زمانے سے چلا آ رہا تھا یہاں تک کہ ابو ربیعہ جس نے تجارت کر کے بہت سی دولت مالی تھی ایک سال وہ اور ایک سال قریش پہنانے لگے تھے۔

یوم عاشورہ

ازرقی نے لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یوم عاشورہ کے دن کعبے کو غلاف پہنایا جاتا تھا یعنی جب حاجی مکہ سے روانہ ہو جاتے تاکہ حاجی نئے لباس کعبہ کو چھو کر اور چوم کر خراب نہ کر دیں۔ جب بنو ہاشم کعبہ کے متولی ہوئے تو آٹھ ذوالحجہ کو کعبہ پر دیبا حریر کی قمیص اور عاشورے کے دن ازار لٹکانے لگے۔ یاد رہے کہ غلاف کعبہ کا اوپری حصہ قمیص اور نیچے کا حصہ ازار کہلاتا ہے۔ ازرقی نے اس سلسلے میں ایک حدیث بھی بیان کی ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ عاشورہ کے دن اعمال بلند کیے جاتے ہیں۔ کعبے پر غلاف ڈالا جاتا ہے۔ اس دن کا روزہ فرض نہیں ہے مگر جو چاہے وہ روزہ رکھ سکتا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عرب کعبے کے پرانے غلافوں کو نہ اتارتے تھے بلکہ ان کے اوپر نئے غلاف پہنا دیے جاتے تھے۔ پرانے غلاف شاید موسمی اثرات سے دھجیاں بن کر بکھر جاتے تھے یا غریب غربا کے لباس کے کام آ جاتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب کے زمانے میں آتش زدگی

حضرت عبدالمطلب کے زمانے میں ایک عورت کعبہ کو عود کی دھونی دے رہی تھی کہ غلاف کعبہ نے آگ پکڑ لی اور آتش زدگی سے کعبے کی دیواروں اور چھت کو بھی شدید نقصان پہنچا۔ اس وجہ سے قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کی جس میں حجر

اسود کے نصب کرنے کے مسئلے پر قبائل میں اختلاف رونما ہونے کی وجہ سے قریب تھا کہ شمشیریں میان سے نکل آتیں کہ امین مکہ ﷺ نے اپنے حکیمانہ فیصلے سے قبائل کے اس اختلاف رائے کو دور کر دیا۔ مورخین کے مطابق اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک صرف پندرہ یا پچیس سال تھی۔

آغاز اسلام کے بعد

اگر محققین کے نزدیک غلاف کعبہ کی ایجاد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی یا تبع اسعد حمیری کی تھی جو ایک موحد انسان تھا تو پھر غلاف پہنانے کی اس رسم کو مشرکانہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اسلام سے پہلے بھی دین ابراہیمی کے قواعد کے مطابق کعبے کی تعظیم کی جاتی تھی جو توحیدی تعلیمات کے مطابق تھی مگر امتداد زمانہ سے مناسک حج میں کفر و شرک کی رسمیں شامل ہو گئی تھیں جو اسلام نے منسوخ کر دی۔

حضور سرور کونین ﷺ نے کفر کی ان تمام رسموں کو جو مخرب اخلاق تھی یا جن سے ایمان میں خلل آتا تھا مناسک حج کو پاک کر دیا۔ صرف ایسی رسموں کو باقی رکھا جو اگر چہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھیں مگر جائز و مباح سمجھی جاتی تھیں۔

کعبہ چونکہ روئے زمین پر پہلا عبادت کدہ ہے جو خدائے واحد کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا اس کی زیبائش و آرائش کو مباح قرار دیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے غلاف کعبہ کی رسم کو بھی جائز قرار دیا مگر کسی اور مسجد یہاں تک کہ مسجد نبوی شریف کو لیے بھی اس کو مناسب نہیں سمجھا۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ غلاف کعبے پہنانے سے نہ تو مقصد کعبے کی پرستش کرنا ہے اور نہ غلاف کی پرستش مقصود ہوتی ہے۔ جو مسلمان غلاف کعبہ کو متبرک سمجھ کر اس کی تعظیم کرتے ہیں وہ دراصل رب کعبہ کی تعظیم ہے۔

عہد رسالت میں

09ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو خانہ کعبہ بلا شرکت غیرے مسلمانوں کا عبادت کدہ بن گیا۔ آنحضرت ﷺ نے کعبے پر یمن کے دھاری دار باریک کپڑے کا جسے جرہ کہتے تھے غلاف ڈالا۔ کچھ محققین جن میں سر سید احمد خان بھی شامل ہیں اس بات سے اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غلاف ڈالا تھا؛ تاہم یہ حقیقت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی حسب دستور قدیم یوم عاشورہ کو ہی کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا تھا۔

عہد خلافت راشدہ

مورخین اسلام نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے بھی بیت المال سے لے کر جریمانی کا غلاف کعبہ کو پہنایا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پتہ چلتا ہے کہ مصر کے بنے ہوئے کپڑے کا غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ اس کپڑے کو قباطی کہتے

تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں کعبہ کو دو مرتبہ غلاف پہنایا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ موسم سرما میں اور دوسری موسم گرما میں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اوپر نیچے دو غلاف چڑھایا کرتے تھے۔

خلافت بنو امیہ

خلافت بنو امیہ میں دربار خلافت کی طرف سے غلاف کعبہ پہنانے کی روایت برقرار رہی اور حضرت امیر معاویہؓ پہلے مصری کپڑے کا غلاف مکہ بھجوایا کرتے تھے بعد ازاں جریمانی کا غلاف بھیجا جانے لگا اور سال میں دو مرتبہ غلاف پہنانے کی بھی رسم برقرار رہی۔ یوم عاشورہ کو دیبا کا غلاف اور 29 رمضان کو قباطی کا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا غلاف کعبہ

63ھ میں جب یزید نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سرکوبی کے لیے مکہ کا محاصرہ کرلیا تو اس کے سپہ سالار حصین بن نمیر نے کوہ ابوقبیس پر منجنیق نصب کر کے جلتے ہوئے گولے مکہ اور صحن کعبہ پر برسائے جس سے غلاف کعبہ جل گیا اور کعبے کی لکڑیوں کو بھی نقصان پہنچا۔ جب یزید کی وفات کے بعد حصین بن نمیر واپس چلا گیا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ کو از سر نو تعمیر کرایا تو اس پر دیبا و حریر کا غلاف چڑھایا۔

خلافت عباسیہ

بنوامیہ کے بعد جب خلافت بنوعباس کا زمانہ آیا تو خلفائے عباسیہ بھی غلاف کعبہ نہایت احترام کے ساتھ بھجواتے رہے۔ کہتے ہیں عباسی خلیفہ مہدی جب حج کے لیے مکہ آیا تو اس نے دیکھا کہ کعبہ پر غلافوں کی اتنی موٹی تہ چڑھ گئی ہے کہ کعبہ کی دیواروں کو گرنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ خلیفہ مہدی نے اس بنا پر حکم دیا کہ تمام پرانے غلافوں کو نکال دیا جائے۔ یہ پرانے غلاف اتارنے کے بعد کعبے کی دیواروں پر مشک وغیرہ چھڑکا گیا پھر تین غلاف ایک مصرف کپڑے، دوسرا حریر کا اور تیسرا حریر کا غلاف چڑھایا گیا۔ عباسی خلفا میں ہارون الرشید تک دو مرتبہ سالانہ کی روایت برقرار رہی۔

مامون الرشید کا غلاف کعبہ

خلیفہ مامون الرشید عباسی نے اپنے عہد میں تین مرتبہ غلاف چڑھانے شروع کیے۔ آٹھویں ذوالحجہ کو سرخ اطلس کا غلاف پہنایا جاتا، دوسرا یکم رجب کو جو مصر کے قباطی کپڑے کا ہوتا، 29 رمضان کو کعبے کو سفید ریشمی کپڑے کا غلاف پہنایا جاتا تھا۔ جب مامون الرشید کو یہ اطلاع ملی کہ سال میں تین مرتبہ غلاف چڑھانے کے باوجود بھی غلاف پھٹ جاتا ہے تو اس نے سرخ اطلس کا ایک غلاف اور بڑھا دیا۔

عباسی عہد کے احوال کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد میں امرا اور گورنر بھی خلیفہ سے اجازت لے کر

کعبے پر غلاف چڑھایا کرتے تھے۔ عہد مامون میں جب محمد بن ابراہیم طباطبا نے خروج کیا تو ان کی پشت پناہی کرنے کے لیے بنی شیبان کا ایک رئیس ابوالسرایا اس کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ابوالسرایا نے جب حسین بن حسن بن امام زین العابدین کو گورنر مکہ بنایا تو انھوں نے کعبے کے تمام پرانے غلاف اتار کر یکم محرم الحرام 200ھ کو اون اور ریشم کے ایک کپڑے کے زرد و سفید دو غلاف کعبے پر چڑھائے اور ان پر ابوالسرایا کا نام بھی لکھوایا۔

عہد عباسی میں ہی سلطان محمود غزنوی کو غلاف کعبہ سے دلچسپی تھی۔ اس نے 466ھ میں زرد اطلس کا غلاف غزہ سے بھجوایا تھا۔

ملت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے دیگر امام اور شاہان نے بھی اپنے اپنے عہد میں غلاف کعبہ بھجوائے۔

غلاف کعبہ اور بدوی

اگرچہ بدوی عرب بھی کعبہ کی بڑی تعظیم کرتے تھے مگر حجاج کرام سے ان کا برتاؤ محتاج بیان نہیں ہے۔ یہ بدوی عرب غلاف کعبہ کو کترنے یا ٹکڑے الگ کرنے سے اور لے کر اپنے ساتھ جانے کبھی پرہیز نہ کیا کرتے تھے۔ 266ھ میں مورخین کے مطابق خلیفہ معتمد علی اللہ عباس کے عہد میں بدویوں نے پورا غلاف کعبہ لوٹ لیا تھا۔ اسی طرح 317ھ میں جب ابوطاہر الجنابی نے مکہ پر حملہ کیا تو نہ صرف حجر اسود اکھیڑ کر اپنے ساتھ لے گیا تھا بلکہ اس نے خزانہ کعبہ اور غلاف کعبہ بھی لوٹ لیے تھے۔

غلاف کعبہ سلاطین عثمانی کے دور میں

329ھ/1520ء میں جب سرزمین حجاز قلمرو عثمانیہ میں شامل کی گئی تو غلاف کعبہ کی تیاری کا رواج قدیم زمانے کے مطابق مصر سے جاری رہا۔ چونکہ اس زمانے میں مملوک مصر سلطان اسماعیل ابن ملک الناصر قلادون کے وقف کردہ املاک کی آمدنی کم پڑنے لگی تھی اس لیے سلطان سلیمان اعظم نے مصر کے سات گاؤں کی آمدنی غلاف کعبہ کی تیاری کے لیے وقف کردی۔ اس وقف نامے کی تکمیل ماہ صفر 947ھ میں ہوئی۔

عثمانی عہد میں غلاف کعبہ کی تیاری میں بہت خوبی اور صفائی پیدا کی گئی۔ عہد عثمانیہ کے آخری دور سے متعلقہ غلاف کعبہ کے ہزاروں ٹکڑے ابھی تک بہت سے لوگوں کے پاس بطور تبرک موجود ہیں۔ عہد عثمانیہ کے غلاف کعبہ چند بڑے حصوں یا اجزا پر مشتمل ہوتا تھا جو بالترتیب کچھ یوں تھے۔

(1) اصل غلاف یا کسوۃ

(2) حزام (پٹی) ڈھائی فٹ چوڑی زرین کامدار پٹی 32 فٹ بلندی پر لگائی جاتی۔

(3) رنوکات

(4) برقع (باب کعبہ کا پردہ)

غلاف کعبہ جس کپڑے سے تیار کیا جاتا اس کا عرض 35 انچ ہوتا۔اس لیے کعبہ مشرفہ کی دیواروں کو ڈھانپنے کے لیے ساڑھے تیرہ گز پر مشتملکپڑے کے 62 تھان استعمال ہوتے تھے۔اس کپڑے کے عرض میں ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی دو قطاریں انتہائی خوش نما خط سے تحریر کی جاتی تھیں۔اس کے علاوہ مختلف قرآنی آیات بھی رقم کی جاتی تھیں۔کعبے کے مشرقی جانب حزام (پٹی) کے نیچے دیوار کے دونوں گوشوں میں کعبہ کے دروازے کے اوپر دوزریں کام کے چوکھٹے ٹکڑے نصب رہتے تھے۔یہ رنوکات کہلاتے تھے۔

الکسوۃ

غلاف کعبہ جو کسوۃ کہلاتا ہے اس پردے میں صرف دو شگاف ہوتے ہیں۔ایک میزاب (پرنالے) کے لیے اوراور دوسرا ''باب کعبہ'' یعنی کعبے کے دروازے کے لیے۔کسوۃ مدتوں سے مصر میں تیار ہوتا رہا۔پھر بیسویں صدی میں ہند اور پاکستان میں بھی تیار ہوااور حاجیوں کے ایک خاص قافلے کے ہمراہ مکہ بھیجا جاتا تھا۔فی زمانہ یہ غلاف کعبہ مکہ کے ایک مقامی ادارے دارالکسوۃ میں تیار ہوتا ہے۔پرانا غلاف 25 ذوالقعدہ کو اتار دیا جاتا ہے اور عارضی طور پر ایک سفید غلاف جو زمین سے تقریباً چھ فٹ اونچا رہتا ہے چڑھا دیا جاتا ہے۔اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ کعبے نے احرام باندھ لیا ہے۔مشہور عرب سیاح ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ 27 ذوالقعدہ کو کعبے کے غلاف کو اوپر کی جانب سے چاروں طرف سے سمیٹ دیا جاتا ہے۔اسے کعبہ کا احرام کہا جاتا ہے۔بقول ابن جبیر ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے۔الفاسی نے اپنی تصنیف ''شفا الغرام'' میں لکھا ہے کہ ان کے زمانے میں 25 ذوالقعدہ کو ہر سال کعبے کے غلاف کو اوپر کی جانب چاروں طرف سے سمیٹ دیا جاتا ہے۔اب بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔یہ عمل پہلے عصر کی نماز کے بعد انجام دیا جاتا تھا پھر دن کے وقت انجام پانے لگا۔حج کے اختتام پر نیا غلاف چڑھا دیا جاتا ہے۔دروازے کے یے ایک علیحدہ پردہ ہوتا ہے جیسا کہ پہلے ذکر آیا یہ پردہ البرقع کہلاتا ہے۔

کسوۃ سیاہ کمخواب کا ہوتا ہے جس میں کلمہ شہادت بُنا ہوتا ہے۔غلاف کی دو تہائی بلندی یا 32 فٹ پر ایک زردوزی کے کام کی پٹی ہوتی ہے جیسا کہ پہلے ذکر آیا حزام کہلاتی ہے۔اس پر قرآنی آیات خوشخط لکھی ہوتی ہیں۔غلاف کعبہ آج کل ہر سال بدلا جاتا ہے۔اوراس کی ذراسی کترن بھی تبرک سمجھی جاتی ہے۔ماضی میں بنوشیبہ کے لوگ غلاف کعبہ کے ٹکڑے بطور تبرک تقسیم کرتے تھے یا فروخت کرتے تھے مگر سعودی حکومت نے غلاف کے اجزا بیچنے کی ممانعت کردی ہے۔

محمل

غلاف کعبہ کا ذکر کیا جائے تو اس کے محمل کا ذکر بھی لازمی آئے گا۔محمل سے مراد وہ کجاوہ یا کھٹولا ہے جو اونٹ کی پشت پر باندھ دیا جاتا ہے اوراس کے اوپر غلاف یا پردہ ڈالنے سے یہ ایک باپردہ سواری بن جاتی ہے۔اس میں خصوصاً

خواتین سفر کرتی تھیں۔ مصری حاکم خدیو عباس علمی کے فرنامہ "حلقہ الحجازیہ" کے مولف محمد تبونی لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ تحائف خانہ کعبہ کے لیے مدینہ منورہ سے ایک محمل میں بھجوائے تھے۔ اس طرح وہ محمل کا تعلق عہد رسالت سے بتاتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی جو پندرھویں صدی عیسوی کی ایک علمی شخصیت تھے انھوں نے اپنی ایک تصنیف "کنز المدفون" میں لکھا ہے کہ مکہ روانہ کرنے کے لیے سب سے پہلے جس شخص نے محمل استعمال کیا وہ حجاج بن یوسف تھا۔ اسی طرح کچھ اور محققین نے اور مورخین نے حضرت عائشہؓ کے محمل کا ذکر کیا ہے۔ جس میں جنگ جمل کے دوران وہ سوار تھیں۔

ایک انگریز محقق برک ہارٹ نے لکھا ہے کہ محمل کی رسم بدویوں کے علم جنگ سے نکلی ہے جسے وہ مرکب یا عطف کہتے تھے۔ یہ علم جنگ بھی لکڑیوں سے بنا ایک ڈھانچہ ہوتا تھا۔ انگریز سیاح جنھوں نے عرب و عراق کی سیاحت کی وہ برک ہارٹ کے اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔

علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ سلاطین مصر میں پہلا سلطان، بیبرس تھا جس نے قافلہ حجاج کے ساتھ خانہ کعبہ کے لیے ایک محمل روانہ کیا تھا۔ بعض مورخین اسے ملک الصالح کی ملکہ شجرۃ الدر سے منسوب کرتے ہیں۔ بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ محمل سلاطین مصر ہی کی ایجاد ہے۔ چونکہ محمل مصری کے ساتھ غلاف کعبہ بھی آیا کرتا تھا اس لیے مجازاً محمل مصری سے مراد ہی غلاف کعبہ لیا جاتا تھا تاہم محققین کے مطابق سقوط بغداد تک تاریخ اسلام میں ایسے محمل کا کوئی سراغ نہیں ملتا البتہ تیرھویں صدی اور چودھویں صدی ہجری کے وقت تک غلاف کعبہ کی روانگی محمل کے ساتھ لازم وملزوم قرار پاتی تھی۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ اس محمل میں غلاف کعبہ نہ سمانے کی وجہ سے یہ صرف علامتی طور پر ساتھ ہوتا جبکہ غلاف کعبہ کے بڑے بڑے گٹھے صندوقوں میں بھر کر دوسرے اونٹوں پر اس کے ہمراہ ہوتے تھے۔ اس محمل کے ساتھ دو علم بھی رہا کرتے تھے جن پر محمل کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات رقم ہوتی تھی۔ اس محمل اور اس کے ساتھ جلوس بھجوانے پر اس سستے زمانے میں بھی محققین کے مطابق تقریباً سات لاکھ روپے خرچ آتے تھے۔

ایوبیہ سلاطین کے زمانے سے مصر میں محمل کے جلوس کا دستور بھی چلا آ رہا تھا اور سفر حجاز پر بھیجے جانے سے پہلے دو مرتبہ اس محمل کا جلوس نکالا جاتا تھا۔ پہلا جلوس شوال کے پہلے ہفتے میں اور دوسر جلوس شوال کے آخری ہفتے میں نکلا کرتا تھا۔ پہلا جلوس اصل میں غلاف کعبہ کا جلوس ہوتا تھا اور محمل اس کے ساتھ جلوس کی رونق بڑھانے کے لیے ہوتا تھا جبکہ دوسرا جلوس خالصتاً برائے محمل ہوتا تھا۔ بعض مصری سیاحوں نے اپنے سفرناموں میں بھی جلوس محمل کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اسکے علاوہ 1315ھ کے جلوس محمل کی تفصیلات اس زمانے کے بعض اخبارات ورسائل نے اپنی اشاعتوں میں شائع کی تھیں جو کچھ یوں تھیں۔

جلوس محمل

22 شوال 1315ھ کو بروز دوشنبہ محمل کی روانگی عمل میں آئی۔ روانگی سے چند روز قبل باقاعدہ سرکاری طور پر اس کا اعلان کیا گیا تھا۔ روانگی کے دن تمام سرکاری دفاتر و مدارس میں تعطیل تھی۔ معززین عہدہ دار اور علماء وسادات وغیرہ کے ساتھ جانے کے لیے ٹکٹ بھی سرکاری طور پر بھجوائے گئے تھے۔ اس دن صبح سویرے سے لوگ میدان محمد علی، قاہرہ میں جمع ہونے لگے۔ بہت سی شخصیات اپنی وردیوں پر تمغے سجا کر آئیں۔ صبح دس بجے سے پہلے ہی ترکی کے سفیر تقدس مآب اکبر اور ہز ہائی نس مختار احمد پاشا پہنچ چکے تھے۔ تقریباً دس بجے خدیو مصر عباس حلمی پاشا بھی اپنے وزرا کے ساتھ شاہی لباس میں ملبوس پہنچ گئے اس کا استقبال توپیں داغ کر اور گارڈ آف آنر پیش کر کے کیا گیا۔ پھر خدیو محمل بردار اونٹ کے پاس گئے اور اس کی مہار کو بوسہ دیا جس کی تقلید اس کے وزراء اور علماء نے کی اور یوں تبرکات کی روانگی عمل میں آئی۔ جس کے بعد ایک رسالہ فوجی بینڈ، ایک توپخانہ اور فوج کی چند پلٹنیں ان کے پیچھے روانہ ہوئیں۔ زمانہ قدیم میں یہ محمل قاہرہ سے چل کر براہ خشکی سویز پہنچتا تھا اور یہ راستہ زیادہ تر اونٹوں کے ذریعے طے ہوتا تھا۔ بعد کے زمانے میں ریل کی پٹری بچھ جانے کے بعد یہ سفر بذریعہ ریل طے ہونے لگا۔ 1318ھ میں جس سپیشل ریل کے ذریعہ یہ جلوس روانہ ہوا اس کے 37 ڈبے تھے۔

مکہ شریف آمد

مکہ شریف میں محمل و غلاف کعبہ عموماً ذیقعد کے آخر یا یکم ذوالحجہ تک پہنچ جاتا تھا۔ مکہ میں سلطان عبدالمجید کے تعمیر کردہ مسافر خانے کے قریب محمل کا استقبال کیا جاتا تھا پھر مکہ میں موجود سلطانی فوج نہایت ادب کے ساتھ اس کی سلامی اتار کر اسے اپنے ہمراہ شہر میں لے جاتی تھی۔ اس کی سلامی 21 توپیں داغ کر دی جاتی تھی۔ پھر مصری و ترک سوار اپنے جلو میں لے کر اسے بیت اللہ تک پہنچاتے تھے۔ بعد ازاں آٹھویں ذوالحجہ کو جب حجاج کرام مکے سے عرفات کی طرف روانہ ہوتے تو یہ محمل بھی انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ روانہ ہوتا اور 9 ذوالحجہ کو عرفات میں اور 10 سے 12 ذوالحجہ تک منیٰ میں اپنی مقرر کردہ جگہ پر اپنی ہمراہی فوج کے ساتھ ٹھہرتا تھا۔

مدینہ منورہ روانگی

حج کے بعد جلوس محمل مکہ میں ایک تقریب کے بعد مدینہ منورہ کو روانہ ہو جاتا تھا۔ بعض اوقات مکہ سے مدینہ منورہ جدہ سے ینبوع تک کا راستہ بحری سفر کے ذریعے طے کیا جاتا اور بعض براہ خشکی مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے یہ جلوس مزار مقدس سیدنا امیر حمزہؓ پر رات بھر قیام کرتا پھر دوسرے دن صبح مدینہ منورہ میں داخل ہوتا۔ باب السلام پر جو حرم نبوی کا جنوب مغربی دروازہ ہے اس کا استقبال شیخ الحرم اور والی مدینہ کرتے تھے۔ محمل والے اونٹ کی مہار والی مدینہ کے ہاتھ میں دی جاتی اور اونٹ کو باب السلام کے سامنے والے چبوترے پر بٹھا دیا جاتا۔ یہاں محمل کو اونٹ پر سے اتار لیا جاتا اور مزار مقدس حضرت

فاطمہ زہراؓ سے متصل رکھ دیا جاتا تھا۔ پھر سب لوگ روضہ مطہر کے خادموں کا سا لباس پہن لیتے اور سفید عمامے اور سفید عبائیں پہن کے روضہ مطہر کی سبز جالیوں کے سامنے حاضر ہونے کے لیے تیار ہو جاتے۔ مدینہ منورہ میں کچھ دن قیام کے بعد پھر ایک جلوس کے ساتھ محمل رخصت ہو جاتا تھا۔ قاہرہ واپس پہنچنے پر بھی قاہرہ میں بڑی خوشی منائی جاتی تھی۔

محمل کے خلاف نجدیوں کا فتویٰ

محرم 1218ھ میں حاکم نجد سعود بن عبدالعزیز نے مکہ معظمہ پر قبضہ کرلیا اور سلطان سلیم عثمانی فرمانروائے قسطنطنیہ کو لکھا کہ آپ دمشق اور قاہرہ کے گورنروں کو ہدایات بھجوادیں کہ وہ حاجیوں کے ہمراہ محمل نہ بھیجا کریں۔ 1219ھ کا سال یونہی گزر گیا اور محمل لانے والوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ 1220ھ میں حج کے موقع پر امیر سعود نے سختی کے ساتھ ڈھول تاشوں اور باجے کی روک تھام کی۔ محمل شاہی کے امیر نے باجے کو موقوف کر دینے کی بجائے بغیر حج کیے اپنا محمل لے کر واپسی کا سفر اختیار کیا مگر مصری محمل نجدیوں کے ہاتھ لگ گیا اور انھوں نے اس کے خلاف فتویٰ جاری کیا کہ "ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کی سزا آگ ہے۔" اس فتویٰ کے بعد انھوں نے مصری محمل کو نذر آتش کر دیا۔

آخری مصری محمل کی آمد

جب حجاز پر شاہ عبدالعزیز نے 1926ء میں دوبارہ قبضہ کیا۔ محمل کا آخری جلوس 1344ھ میں بعہد سلطان عبدالعزیز حسب دستور باجے اور ڈھول تاشوں کے ساتھ حرم میں داخل ہوا۔ 8 ذوالحج کو عرفات کی طرف جاتے ہوئے کسی پر جوش وہابی اخوان نے محمل کے جلوس کو کھیل تماشے والی بدعت سمجھتے ہوئے محمل بردار اونٹ کے پاؤں میں گولی ماردی جس کے جواب میں مصری فوج نے اپنی مشین گنوں سے 25 نجدیوں کو مار گرایا۔ اس حادثے پر سلطان عبدالعزیز نے بڑے ضبط وتحمل کا مظاہرہ کیا اور از راہ مہمان نوازی اس فساد کو مزید بڑھنے سے روک دیا۔ 1344ھ میں آخری مصری محمل تھا جو سرزمین حجاز پہنچا۔ اس کے بعد سلطان عبدالعزیز نے یہ شرط عائد کر دی کہ محمل کے ساتھ باجے گاجے اور ڈھول تاشے نہ ہوں۔ مصری حکومت نے سعودی حکومت کی یہ شرط قبول نہ کرتے ہوئے یکم ذوالحجہ 1345ھ کو اعلان کیا آئندہ غلاف کعبہ و محمل نہیں بھیجا جائے گا۔ چنانچہ اس سال کے بعد کبھی مصری محمل نہیں بھیجا گیا اور تاریخ حرم سے محمل کا باب ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا۔

محمل شامی

دوسرے کئی ممالک مثلاً عراق، یمن، حلب، سوڈان سے بھی محمل بھیجا جاتا تھا مگر مصری محمل کے بعد جو دوسرا اہم محمل تھا وہ شامی تھا۔ حدالفواید کے مطابق پہلا شامی محمل 919ھ میں مکہ معظمہ آیا تھا یا بعہد سلطان سلیم 923ھ میں پہلا شامی محمل بھیجا گیا تھا۔ محمل شامی کے ساتھ حرمین الشریفین کے سالانہ اخراجات اور خدام حرمین کی تنخواہوں کے لیے زر نقد

بھی بھیجا جاتا تھا جو ''حرہ'' کہلاتا تھا۔ شمعیں اور روغن زیتوں حرم پاک کے چراغوں کو روشن رکھنے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے حجرہ شریف کا غلاف اور کعبہ کا اندرونی غلاف بھی اس محمل کے ساتھ بھیجا جاتا تھا۔ یہ محل قسطنطنیہ سے روانہ ہو کر دمشق پہنچتا تھا یا بحری راستہ سے قسطنطنیہ سے براستہ سمندر بیروت پہنچتا تھا اور بیروت سے دمشق پہنچتا تھا۔ دمشق سے بیالیس منازل طے کر کے ایک ماہ میں یہ مکہ معظمہ پہنچتا تھا۔ حجاز ریلوے کی تعمیر کے بعد محمل دمشق سے مدینہ منورہ تک براستہ ریلوے آنے لگا۔ یہاں سے یہ خشکی کے راستے سے مکہ پہنچتا تھا۔ اس محمل کے ساتھ کم از کم چار پانچ ہزار اشخاص اور دس سے پندرہ ہزار اونٹ ہوتے تھے۔ چونکہ اس محمل کے ساتھ حرمین کے امرا اور عہدہ داروں کی تنخواہیں بھجوائی جاتی تھیں اس لیے اس کا انتظار بھی بڑی شدت سے کیا جاتا تھا۔ 1337ھ / 1916ء میں جب شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو محمل شاہی کا آنا قطعاً موقوف ہو گیا۔

باب کعبہ

شمال مشرقی دیوار میں زمین سے کوئی سات فٹ بلند کعبے کا دروازہ ہے، جس کے کچھ حصوں پر کچھ زمانہ پہلے تک چاندی کے پترے چڑھے ہوئے تھے اب یہ دروازہ مکمل طور پر سنہرا ہے۔ مشہور انگریز سیاح برک ہاٹ (Burak Hardt) اورعلی بے کے زمانے میں ہر رات اس دروازے کی دہلیز پر شمعوں کی قطاریں روشن کی جاتی تھیں مگر عہد جدید میں برقی روشنی کی وجہ سے شمعیں روشن کرنے کا رواج باقی نہیں رہا۔ جب یہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے تو ایک پہیہ دار زینہ (درج یا مدرج) دھکیل کر اس کے ساتھ لگا دیا جاتا ہے۔ یہ زینہ جب استعمال میں نہیں ہوتا تو چاہ زمزم اور باب بنوشیبہ کے درمیان کھڑا رہتا تھا۔

کعبہ کی چھت

کعبہ کی چھت تین چوبی ستونوں پر قائم ہے جس پر پہنچنے کے لیے ایک سیڑھی بھی ہے۔ یہاں بہت سی سنہری اور روپہلی قندیلیں لٹک رہی ہیں۔ اس کے سوا کوئی اور ساز وسامان نہیں ہے۔ کعبہ مشرفہ کی اندرونی دیواروں پر عمارت کی تجدید ومرمت کے متعلق کئی کتبے آویزاں ہیں۔ اندرونی فرش سنگ مرمر کی سلوں کا ہے۔

میزابِ رحمت

کعبہ کے باہر کی طرف ایک سنہری پرنالہ (میزاب) مغربی دیوار کے بالائی کنارے سے نیچے نکلا ہوا ہے جس کا لٹکا ہوا سرا میزاب کی ڈاڑھی کہلاتا ہے۔ یہ پرنالہ "میزابِ رحمت" کے نام سے موسوم ہے۔ بارش کا پانی پرنالے کے ذریعے نیچے پتھر کے فرش پر گرتا ہے جو اس جگہ پچی کاری سے مزین ہے جبکہ کعبہ کے چاروں طرف سنگ مرمر کا فرش لگا ہوا ہے۔

حطیم

شمال مغربی دروازے کے سامنے، مگر اس سے علیحدہ، سفید سنگ مرمر کی ایک نیم مدوّر دیوار (حطیم) واقع ہے۔ یہ تین فٹ اونچی اور تقریباً پانچ فٹ موٹی ہے۔ اس کے سرے کعبے کے شمالی اور مشرقی کونوں سے تقریباً 6 فٹ کے فاصلے پر ہیں۔ حطیم اور کعبہ کے درمیان جو نصف دائرے کی شکل کا قطعہ ہے اسے خاص تقدس حاصل ہے۔ دراصل یہ کعبے کا حصہ

ہے۔اس لیے طواف کرتے وقت اس کے اندر داخل نہیں ہوا جاتا بلکہ اس کے گرد ہو کر گزرتے ہیں اور قریب تر ہو کر گزرتے ہیں۔یہ قطعہ الحجر یا حجر اسمٰعیل علیہ السلام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت حاجرہؓ یہیں مدفون ہیں۔

حجر اسود

بیرون کعبہ مشرقی کونے فرش سے تقریباً پانچ فٹ بلندی پر، دروازے قریب ہی الحجر الاسود سیاہ پتھر نصب ہے۔ اب اس کے تین بڑے اور کئی چھوٹے ٹکڑے ہیں جو ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔ان کے گرد ایک پتھر کا ہالہ ہے اور اس ہالے پر ایک چاندی کا حلقہ چڑھا دیا گیا ہے۔حجر الاسود کی سطح زائرین کے چھونے اور چومنے سے گھس گھس کر صاف شفاف ہوگئی ہے۔مشہور ترک سیاح علی بے نے اس کا ایک خاکہ دیا ہے۔جو ظاہر کرتا ہے کہ سطح میں اونچ نیچ سی پیدا ہوگئی ہے۔البتونی کے اندازے کے مطابق اس کا قطر بارہ انچ ہے۔حجر اسود کی رنگت سرخی مائل سیاہ ہے جس میں سرخ اور زرد ریزے جھلکتے ہیں۔دیوار میں نصب کیے اور بعد اس متبرک پتھر کی ایک اپنی تاریخ ہے۔

یاقوت جنت

علما اور محققین کے مطابق حجر اسود کوئی عام پتھر نہیں بلکہ جنت کے پتھروں میں سے بھی ایک اعلیٰ قسم کا پتھر یعنی یاقوت ہے۔ابتدا میں روایات کے مطابق یہ نہایت روشن اور دودھ سے زیادہ سفیدؔ تھا۔اگر اللہ تعالیٰ اس کی روشنی کو ختم نہ فرماتا تو یہ مشرق و مغرب کے درمیان کا سارا علاقہ روشن کر دیتا۔اس سے نکلنے والی تیز روشنی کے سبب کوئی اسے نگاہ بھر کے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔چونکہ اسے دنیا میں انسانوں کے درمیان رہنا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی روشنی ختم فرمادی۔

حضرت انسؓ سے ایک مروی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حجر اسود جنت کے پتھروں میں سے ہے۔ایک اور حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رکن (حجر اسود) اور مقام (مقام ابراہیم) جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔اللہ نے ان کی روشنی ختم فرمادی۔اگر وہ ان کی روشنی ختم نہ فرماتا تو یہ دونوں پتھر مشرق و مغرب کے درمیان کو روشن کر دیتے۔

حجر اسود کے سفید و بے داغ ہونے کا ذکر بھی کئی احادیث میں آیا ہے۔ایک حدیث شریف میں جو حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ حجر اسود جنت سے اترا اس حال میں وہ وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا پھر بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔

حجر اسود کا نزول

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی جنت

سے اترے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں دیکھا اور پہچان کر سینے سے لگایا اور ان سے انس حاصل کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت کے مطابق حجر اسود آسمان سے اترنے کے بعد جبل ابی قبیس (صحن کعبہ سے متصل پہاڑ) پر روشن اور چمکتا ہوا چالیس سال تک رہا۔ روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ کرتے وقت جب اس مقام پر پہنچے جہاں آج حجر اسود نصب ہے تو انھوں نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ایک پتھر لانے کا حکم دیا تا کہ اس جگہ رکھ دیا جائے جہاں یہ لوگوں کے طواف کعبہ کی علامت بن سکے اور وہ اس جگہ سے طواف شروع کریں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر کی تلاش میں نکلے ہی تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ پتھر لے کر اترے۔ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام وادی سے پتھر لائے تو انھوں نے حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب دیکھا تو انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ ابا جان یہ پتھر کون لایا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ پتھر حضرت جبرائیل علیہ السلام لائے ہیں۔ احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر قیامت سے پہلے دنیا سے اٹھالیا جائے گا اور روز محشر اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اسے قوت گویائی مل چکی ہوگی اور یہ ان لوگوں کے حق میں گواہی دے گا جنھوں نے دنیا میں اسے بوسہ دیا تھا۔

گریہ زاری اور دعاؤں کی قبولیت کا مقام

حجر اسود کو چھونا اور چومنا گناہوں کا کفارہ اور معافی کا ذریعہ ہے۔ نیز یہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے دونوں ہونٹوں کو اس پر رکھ کر بہت دیر تک روتے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت عمر بن خطابؓ بھی رو رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''اے عمر! یہاں آنسو بہائے جاتے ہیں۔''

حضرت عمرؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے ایک بار حجر اسود سے مخاطب ہو کر کہا تھا: ''بے شک میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔''

حجر اسود کے شہاب ثاقب ہونے پر

بہت سے مغربی مستشرقین اور محققین نے لکھا ہے کہ حجر اسود ایک شہاب ثاقب ہے۔ ان مستشرقین میں رچرڈ برٹن وہ شخصیت ہے جس نے 1853ء میں ایک مسلمان حکیم عبداللہ خان کے نام سے مکہ و مدینہ کا سفر کیا تھا۔ وہ اپنے سفر نامہ میں رقم طراز ہے کہ ''میں جب حجر اسود کے پاس پہنچا تو کچھ لمحوں کے لیے اس کو دیکھتا بھالتا رہا۔ اس کو چومنے اور اس پر جبین رکھتے ہوئے میں نے اسے بغور دیکھا اور یہ رائے قائم کر کے واپس ہوا کہ یہ پتھر ایک شہاب ثاقب ہے۔ اس بات

پر حیرت ہے کہ اسے دیکھنے والے اکثر سیاح اس بات پر متفق ہیں کہ یہ لاوا ہے۔ رچرڈ برٹن نے اپنے سفر نامہ میں ایک اور مقام پر بھی حجر اسود کو شہاب ثاقب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مجھے یہ معمولی شہاب ثاقب معلوم ہوتا ہے۔ کئی اور مستشرقین نے حجر اسود کے زمین پر نازل ہونے کو شہاب ثاقب کا گرنا بتایا ہے اور اس کی تاریخ بیان کرنے میں زمانوی غلطیاں کی ہیں۔ کئی ایک مستشرقین اس کو ساتویں صدی عیسوی میں گرنے والا شہاب ثاقب بتاتے ہیں اور کئی ایک نے تو مبالغہ آرائی کی انتہا کرتے ہوئے اسے 1772ء میں گرنے والا ایک شہاب بتایا ہے۔

تعمیر کعبہ اور حجر اسود تاریخ کے آئینے میں

اوّلین تعمیر

اسلامی روایات میں حجر اسود کو حضرت آدمؑ کے ساتھ بہشت سے نکالا گیا پتھر قرار دیا گیا ہے بلکہ یہاں تک لکھا گیا ہے کہ جب حضرت آدم ممنوعہ شجر کے پھل کھانے کی وجہ سے عتاب الٰہی کا شکار ہوئے تو ان کا محافظ فرشتہ بھی اسی عتاب کے زیر اثر پتھر کا ہو گیا اور حضرت آدمؑ کے ساتھ ہی زمین پر بھیج دیا گیا تاہم محدثین کرام اور محققین ان روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ حضرت آدمؑ کے متعلق ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کعبہ مشرفہ کی اولین تعمیر حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد کے ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ توریت اور دیگر صحائف سماوی میں بہت سے پیغمبروں کے قربان گاہیں اور عبادت گاہیں تعمیر کرنے کا پتہ چلتا ہے۔ اسی وجہ سے ممکن ہے کہ حضرت آدمؑ اور ان کی ذریات نے یہ عبادت گاہ بھی تعمیر کی ہو تاہم اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ کعبہ کی اس اولین تعمیر میں حجر اسود نصب کیا گیا تھا یا نہیں؟ طوفان نوحؑ کے دوران روایات کے مطابق حجر اسود کوہ ابوقبیس میں محفوظ تھا اور پھر جب حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کی تعمیر کی تو حضرت جبرائیلؑ نے یہ پتھر آپ کو حکم خداوندی سے لا کر دیا۔ اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ طوفانِ نوحؑ سے پہلے حجر اسود اگر مکہ میں موجود تھا یا کعبہ میں نصب تھا تو شاید اسے کوہ ابوقبیس میں محفوظ کیا گیا ہوگا۔

تعمیر ابراہیمیؑ اور حجر اسود

اسلامی روایات میں حجر اسود کا ذکر ہمیں اس وقت ملتا ہے جب حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ تعمیر کعبہ میں مصروف تھے۔ تعمیر کے دوران میں حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو حکم دیا تھا کہ کوئی ایسا خوشنما پتھر لا دو جو اس گھر کا طواف کرنے والوں کے لیے سنگ میل کے طور پر نصب کر دیا جائے تاکہ وہ اس علامتی پتھر سے اپنے طواف کا آغاز کر سکیں۔

کعبہ کی ثانوی تعمیرات

حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر کے بعد کعبہ کی تعمیر نو کی ضرورت پیش آئی۔ جرہم اور عمالقہ نامی قبائل نے اپنے عہد تولیت

جاتا ہے کہ اگلی تین صدیوں تک اس عمرو کی اولاد اس کی پرستش کرتی رہی اور یوں عرب میں عموماً اور کعبہ میں خصوصاً بت پرستی مروج ہوگئی۔

تعمیر قریش

جب جبل فاران کی چوٹیوں سے نور کے سوتے پھوٹے اور دنیا میں آنحضرت ﷺ کا دور آیا تو اس زمانہ میں کعبہ مشرفہ کی تعمیر نو کی ایک بار پھر ضرورت پیش آئی۔ روایات میں ہے کہ اس زمانے میں ایک عوت غلاف کعبہ کو عود و عنبر کی دھونی دے رہی تھی کہ ایک چنگاری سے غلاف کعبہ میں آگ لگ گئی جس سے کعبہ کی عمارت کو شدید نقصان پہنچا اور دیواریں جل کر شق ہوگئیں۔ بیت اللہ کی عمارت کو مزید نقصان اس آتش زدگی کے واقعے کے بعد آنے والے ایک سیلاب نے پہنچایا جس کے بعد قریش نے جدہ سے ایک بحری جہاز کے ڈھانچے کی لکڑیاں منگوا کر تعمیر کعبہ شروع کردی۔ معاملہ جب حجر اسود کی تنصیب تک پہنچا تو ہر قبیلہ کی تمنا تھی کہ یہ مقدس پتھر نصب کرنے کی سعادت و شرف اس کو نصیب ہو۔ قریب تھا کہ اس معاملہ پر تلواریں نیام سے نکل آتیں کہ ابوامیہ مخزومی کی اس تجویز پر سب متفق ہوگئے کہ علی الصبح باب الصفا کے راسے جو شخص سب سے پہلے حرم پاک میں داخل ہوا اس کو منصف تسلیم کر کے اس سے اس بارے میں فیصلہ لیا جائے اور پھر اس پر عمل کیا جائے۔ اگلی صبح جو عظیم شخصیت باب الصفا سے مجد الحرام میں داخل ہوئی وہ الامین المکہ کی تھی۔ مکہ کے لوگ آپ ﷺ کے عظیم اخلاق کی وجہ سے آپ ﷺ پر اعتماد کرتے تھے۔ جب انھوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو سب یک زبان ہو کر پکار اٹھے الامین! الامین! آپ ﷺ نے جو منصفانہ فیصلہ دیا پھر اس کے مطابق اپنی چادر مبارک بچھائی اور اس پر حجر اسود رکھ کر سب قبیلوں کے نمائندوں کو اسے اٹھا کر مقام تنصیب تک پہنچانے میں حصہ دیا پھر چادر سے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر حجر اسوود اس کی جگہ پر نصب کردیا۔ یوں نہ صرف احسن طریق پر سنگ اسود نصب ہوگیا بلکہ قبائل کا باہمی نزاع بھی دور ہوگیا۔ سیرت مبارکہ کے اس واقعہ کو عرب شعراء نے اپنے قصیدوں میں بیان کیا ہے۔ انھیں عرب شعرا میں سے ایک ہبیرہ بن وہب مخزومی تھا جس نے اپنے عربی قصدیدہ میں اس واقعہ کو بڑے خوبصورت انداز میں رقم کیا ہے۔

فعالا رفعو حتیٰ ما علت بہ

اکفھم وافی بہ خیر مسند

ترجمہ: پس آپ نے فرمایا کہ اٹھاؤ تو ہم سب
نے اٹھایا پھر اس کو ہم میں سے بہترین و مستند
شخص نے اپنے دست مبارک میں لے لیا۔

یوں یہ عہد نبوی کی تعمیر قریش تکمیل پذیر ہوئی اور تمام معاملات بطریق احسن تکمیل کو پہنچے۔

عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر

عہد نبوی کی تعمیر قریش کے بعد 64ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں جب دعویٰ خلافت کیا تو ان کی سرکوبی کے لیے یزید بن معاویہؓ نے ایک فوج اپنے ایک سپہ سالار حصین بن نمیر کی سرکردگی میں مکہ بھجوائی۔ اس دوران حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے ساتھی صحن کعبہ میں خیمہ لگائے ہوئے تھے۔ یزید کی فوج نے کوہ ابوقبیس پر سے صحن کعبہ میں منجنیقوں سے آتشیں گولے برسائے ان سے غلاف کعبہ میں آگ لگ گئی اور کعبہ کی عمارت جل کر خاکستر ہوگئی۔ چونکہ تعمیر کعبہ کی تعمیر قریش میں لکڑی استعمال کی گئی تھی اس وجہ سے عمارت کو شدید نقصان پہنچا۔ آتشزدگی اور گولہ باری کا یہ واقعہ 3 ربیع الاول 64ھ کو پیش آیا تھا۔ اس کے بعد ابھی محاصرہ مکہ جاری تھا کہ دمشق سے یزید کے مرنے کی خبر آئی تو حصین بن نمیر نے محاصرہ اٹھالیا اور واپس شام چلا گیا۔ اس آتشزدگی کے دوران حجرالاسود کو بھی شدید نقصان پہنچا اور نہ صرف یہ سیاہ پڑ گیا بلکہ اس کے تین ٹکڑے بھی ہو گئے۔ اس وجہ سے کعبہ مشرفہ کی جو تعمیر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کرائی اس میں پہلی مرتبہ حجراسود کے گرد چاندی کا حلقہ جوڑ کر اسے اسی جگہ پر نصب کیا گیا۔ مورخین نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کے دوران تنصیب حجراسود کے متعلق جو واقعہ تحریر کیا ہے وہ کچھ یوں ہے کہ حضرت عبداللہ نے لوگوں کے اختلاف سے بچنے کے لیے حجراسود کو دوران نماز اپنے بیٹوں کو نصب کرنے کا حکم دیا تھا۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ لمبی قراءت کے ساتھ صحن کعبہ میں جماعت کررہے تھے تو ان کے صاحب زادوں نے نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے والد کے احکامات کی تعمیل کی اور اس کے بعد انکے حکم کے مطابق ہی اللہ اکبر کہا جس کو سننے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے سلام پھیر دیا۔ اس طرح خفیہ طور پر حجراسود کی تنصیب پر مکہ کے لوگ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض تو ہوئے مگر حضرت عبداللہ کے عہد کا تقاضا یہی تھا کہ حجراسود کو چپ چاپ نصب کردیا جائے اور انھوں نے لوگوں کی مخالفت سے بچنے کے لیے ایسا ہی کیا تھا۔

قبۃ الصخرہ کی جوابی تعمیر

چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دعویٰ خلافت کے بعد سے دنیائے اسلام میں دو خلیفہ بہ یک وقت برسراقتدار آگئے تھے۔ ایک بنوامیہ کا خلیفہ دمشق میں اور دوسرا خود حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مکہ میں۔ دمشق میں بنوامیہ کا پانچواں خلیفہ عبدالملک بن مروان مسند نشین ہوا تو حج کے لیے بنوامیہ کے زیرانتداب علاقوں کے لوگوں کے لیے حالات انتہائی مخدوش ہوگئے تھے۔ اس لیے عبدالملک نے چاہا کہ مسلمانوں کا ایک سالانہ اجتماع حج کے طریق پر شام میں ہوا کرے۔ اس اجتماع کے لیے انھوں نے قبلہ اول بیت القدس میں اس مقام پر ایک عمارت تعمیر کروائی جہاں سے آنحضرت ﷺ معراج کی رات کو آسمانوں کی سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اس عمارت میں سنگ یعقوبؑ بھی نصب کیا گیا تا کہ لوگ اس عمارت کا طواف کرتے ہوئے اس پتھر کو بوسہ دیں۔ یہ عمارت قبۃ الصخرہ کہلاتی ہے مگر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بنوامیہ سے دشمنی کی وجہ

سے عبدالملک کے خلاف تحریر میں آیا اور حقیقت میں اس نے قبۃ الصخرہ معراج شریف کی یادگار کے طور پر تعمیر کی تھی۔

خصوصیات تعمیر

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کعبہ میں تمام تر پتھر مکہ کا اور چونا یمن کا استعمال کیا گیا تھا۔ عمارت کی بلندی اس تعمیر میں ستائیس گز یا 81 فٹ کر دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ کی تعمیل کرتے ہوئے حجر یا حطیم کو کعبہ کی عمارت میں شامل کر دیا تھا اور فرش کے برابر دو دروازے بھی رکھے گئے تھے۔ مشرقی دروازہ داخلہ کے لیے اور مغربی دروازہ باہر نکلنے کے لیے۔ طواف کے وقت چاروں کو بوسہ دیا جاتا تھا۔

تعمیر حجاج بن یوسف

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی کی گئی تعمیری تبدیلیاں ان کے عہد ہی کی طرح فقط تھوڑا عرصہ ہی قائم رہ سکیں۔ 74ھ / 693ء میں حجاج بن یوسف نے خلیفہ عبدالملک کے حکم پر تسخیر مکہ کے بعد نہ صرف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کر دیا بلکہ خلیفہ عبدالملک سے اتفاق رائے کرتے ہوئے کعبہ کی ایک بار پھر تعمیر نو کی اور حطیم کو پھر کعبے سے الگ کر دیا اور مغربی دروازہ بھی بند کر دیا۔ بعدازاں جب خلیفہ عبدالملک کو حضرت عائشہؓ سے حدیث شریف علم ہوا تو اس نے اظہار ندامت کیا اور کہا کہ بہتر ہوتا میں کعبے کو ابن زبیرؓ کی بنا کردہ حالت پر چھوڑ دیتا۔ (دائرہ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی مقالہ کعبہ) اس طرح عبدالملک یا حجاج بن یوسف کی تعمیر کے بعد کعبہ مشرفہ نے پھر وہی شکل اختیار کی جو عہد نبوی میں تھی اور یہی شکل آج تک چلی آ رہی ہے۔

سیلابوں کی زد میں

زمانہ جاہلیت سے لے کر عصر حاضر تک کعبہ مشرفہ کی عمارت برابر سیلابوں کی زد میں رہی ہے۔ 1611ء میں ایک سیلاب کی وجہ سے اس کے گرنے کا خطرہ پیدا ہوا تو اس خطرے کی روک تھام کے لیے اس کے گرد تانبے کا ایک حلقہ ڈال دیا گیا، مگر ایک نئے سیلاب نے اس حفاظتی تدبیر کو بھی بیکار کر دیا اس لیے 1930ء میں پوری طرح مرمت کر کے عمارت کو درست کیا گیا مگر اس دفعہ حتی الوسع پرانے پتھر ہی استعمال میں لائے گئے۔

قرامطہ کا حملہ

317ھ / 929ء میں قرامطہ کے حملے کے باوجود کعبہ محفوظ رہا البتہ حملہ آور ابو طاہر سلیمان الجنابی 8 ذوالحجہ کو اپنے سواروں سمیت حرم میں داخل ہوا اور اس نے حاجیوں کا قتل عام کیا۔ اہل شہر اور مضافات کے تقریباً 30 ہزار آدمی اس شورش میں مارے گئے۔ قتل کیے جانے والے حجاج کرام کی تعداد سات سو سے زائد تھی۔ چاہ زمزم مکمل طور پر لاشوں سے

پٹ گیا۔ بہت سے لوگ تسبیح وتہلیل کرتے ہوئے صحن کعبہ میں ہلاک کردیے گئے۔ اس کے بعد ابوطاہر نے کعبہ کا دروازہ اکھاڑا اور ایک شخص کو کعبہ کا پرنالہ یعنی میزاب رحمت اکھاڑنے کے لیے بھی چھت پر چڑھایا مگر کسی نے اس شخص کو ایسا تیر مارا کہ وہ نیچے گر کر مر گیا۔ ابوطاہر نے کعبہ کا خزانہ اور حاجیوں کا مال لوٹنے کے بعد مقام ابراہیم اور حجر اسود کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا۔ مقام ابراہیم تو خدام کعبہ نے کہیں چھپا دیا مگر حجر اسود 14 ذوالحجہ بروز اتوار بعد نماز عصر ابوطاہر کے حکم پر کعبہ کے رکن سے اکھاڑ لیا گیا اور اس کی جگہ خالی رہ گئی۔ اگلے بہت سے سالوں تک طواف کرے والے حجر اسود کی خالی جگہ پر اپنا ہاتھ رکھکر بوسہ دیتے رہے تاوقتیکہ تقریباً 22 سال بعد حجر اسود واپس آیا۔ مورخین کے مطابق ابوطاہر جنابی لوٹ کا مال اور حجر اسود بحرین میں واقع ایک شہر ہجر لے گیا تھا جہاں قرامطہ نے اپنے لیے ایک کعبہ تعمیر کیا تھا جو دارالجبرہ کہلاتا تھا۔ خلیفہ المطیع بن مقتدر نے مورخین کے مطابق تیس ہزار دینار ادا کر کے قرامطہ سے حجر اسود واپس لے لیا اور 18 ذوالحجہ 339ھ کو یہ دوبارہ اپنی جگہ پر نصب کیا گیا۔

حجر اسود کا چھپایا جانا

کہتے ہیں کہ حجر اسود کی دوبارہ کعبہ میں تنصیب سنبر حسن قرامطی کے ہاتھوں عین یوم النحر کو عمل میں آئی تھی مگر کعبہ کے دربانوں کو اس کے دوبارہ چوری ہو جانے کا خطرہ تھا اس لیے 340ھ میں انھوں نے اسی خوف کی وجہ سے سنبر قرامطی کے نصب کردہ حجر اسود کو اکھاڑ کر کعبے میں رکھ دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ حجر اسود کے گرد چاندی کا ایک مضبوط حلقہ بنا دیا جائے تاکہ کوئی شخص اسے دوبارہ نہ اکھاڑ سکے۔ ابن زبیرؓ نے بھی تعمیرِ کعبہ کے وقت اسی طرح کیا تھا۔ چنانچہ دوبارہ حجر اسود کے گرد چاندی کا حلقہ نصب کیا گیا۔ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ قرامطہ کے حجر اسود واپس کر دینے کے بعد کسی نے آج تک دوباہ پھر حجر اسود کو اس کی جگہ سے نہیں اکھاڑا۔ الفاسی کہتا ہے کہ ایک مصری فقیہ نے اسے بتایا تھا کہ 781ھ میں امیر سودون پاشا نے حجر اسود کو اکھڑوا کر اس کی نئی زیب وزینت کی تھی۔

حجر اسود میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

حجر اسود میں اللہ تعالیٰ کی چند آیات بینات پائی جاتی ہیں جو یہ ہیں۔

(1) زمین پر آنے کے بعد حجر اسود عظیم حوادث، مثلاً طوفان نوح علیہ السلام وغیرہ سے دوچار ہو جانے کے باوجود جوں کا توں محفوظ رہا۔

(2) محدث ابن جماعہ کے مطابق حجر اسود کی بھی خصوصیت ہے کہ حجر اسود کو اس کے مقام سے کئی مرتبہ اکھاڑا گیا مگر وہ پھر اپنی جگہ پر واپس آ گیا۔ مثلاً قبیلہ جرہم، بنوایاد اور قرامطہ نے حجر اسود کو اکھاڑا مگر اسے پھر دوبارہ اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔

(3) جب قرامطہ حجر اسود کو اکھاڑ کر لے گئے تو اس کو باری باری چالیس اونٹوں پر لادا گیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ جب قرامطہ نے اسے واپس کیا ن تو یہ ایک نحیف اونٹ پر لادا گیا اور وہ پہلے سے فربہ ہو گیا۔ اس کا محدث الذہبی نے بھی ذکر کیا ہے۔

(4) اسی طرح جب اسے بلاد ہجر کی طرف لے جایا گیا تو یکے بعد دیگرے اس کو لادنے سے 500 اونٹ ہلاک ہو گئے تھے۔

(5) حجر اسود پانی پر تیرتا ہے ڈوبتا نہیں۔

تعمیرات عہد عثمانیہ

اسلام میں کعبہ شریف کو جو مقام اور مرتبہ حاصل ہے اس میں مسلمانوں کے تمام فرقے اور گروہ متفق ہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مکہ مکرمہ اسلامی شان وشوکت اور سطوت کا مظہر ہے اور کعبہ اس کے جاہ وجلال اور فضل وکرم کا مرکز ہے۔ چہار وانگ عالم میں یہی وہ جگہ ہے جہاں بیس لاکھ سے زائد مسلمان حج کے لیے جمع ہوتے ہیں اور جو سب خدا کو یک دل، یک زبان ہو کر پکارتے ہیں، اگر چہ یہ تمام زائرین نسل اور زبان کے لحاظ سے مختلف ہوتے۔ اسی وجہ سے ہر دور میں کعبہ مشرفہ کا تقدس بحال رہا ہے۔ خلافت اسلامیہ 16 ویں صدی میں جب قسطنطنیہ کے عثمانی سلاطین کو پہنچی تو انھیں حرمین شریفین کے خدام کی حیثیت بھی حاصل ہو گئی۔ عہد عثمانیہ میں حرم پاک میں جو تعمیرات ہوئیں وہ آج تک قائم ہیں۔ ان تعمیرات یعنی ترکوں کے عہد کی تعمیرات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ 1074ھ/1663ء سے چلی آتی ہیں۔ چاہ زمزم پر گنبد کا ذکر بھی اسی زمانے میں آیا ہے۔ پہلے پہل 948ھ میں بیت زمزم کے سامنے آب زر سے سلطان سلیمان آل عثمان کا نام کندہ ہوا تھا۔ 1020ھ میں سلطان احمد خان کے حکم پر زمزم کے کنویں میں لوہے کی جالی لگائی گئی تھی۔

تعمیر سلطان مراد

سلطان مراد رابع ابن سلطان احمد جو سلطنت عثمانیہ کا سترہواں سلطان تھا اور 1623ء 1640ء تک مسند نشین خلافت رہا اس کے عہد میں 1039ھ/1630ء میں بروز بدھ صبح آٹھ بجے 19 شعبان المعظم کو مکہ اور اس کے اطراف و جوانب میں ایک شدید طوفان باد باراں آیا اور موسلا دھار بارش ہوئی۔ پہاڑوں پر سے اس بارش کا پانی سیلاب کی شکل اختیار کر کے مسجد حرام میں صحن کعبہ تک پہنچ گیا اور خانہ کعبہ کے دروازے پر لگے ہوئے قفل سے بھی 6 فٹ بلند ہو گیا۔ سیلابی پانی کی سطح اس قدر بلند ہو جانے کی وجہ سے اگلے دن بوقت نماز عصر کعبہ مشرفہ کے رکن شامی کی دیواریں دونوں طرف سے گر گئیں۔ اس کے ساتھ ہی مشرقی دیوار کا کچھ حصہ بھی رکن شامی سے متصل تھا گر گیا۔ صرف دروازے کی چوکھٹ کے برابر حصہ باقی بچا۔ کعبہ کی غربی دیوار بھی دونوں طرف سے چھٹے حصے کے برابر گر گئی۔ کعبہ شریفہ کی چھت کو بھی نقصان

پہنچا اور چھت کا کچھ حصہ بھی منہدم ہو گیا جو رکن شامی سے ملحق تھا۔

سلطان مراد کو جب کعبہ مشرفہ کو پہنچنے والے نقصانات کا پتہ چلا تو اس نے تعمیر کعبہ کا حکم دیا اور قریش اور حجاج بن یوسف کا طرز تعمیر اختیار کیا۔۔سلطان مراد کے عہد کی یہی تعمیر دور جدید تک باقی چلی آتی ہے۔

مورخین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تعمیر قریش کا درمیانی عرصہ ایک ہزار چھ سو پینتالیس سال بتایا ہے۔اسے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں سیرت حلبی سے نقل کیا ہے۔

تعمیر قریش اور تعمیر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے درمیان بیاسی سالہ کا وقفہ ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حجاج بن یوسف کی تعمیر کے درمیان صرف دس سال کا عرصہ ہے۔اسی طرح حجاج بن یوسف اور سلطان مراد رابع کے عہد کی تعمیر کے دوران مورخین نے 966 سال کا وقفہ بتایا۔ظاہر ایک ہزار سال کا یہ وقفہ کعبہ شریف کی دیواروں کی تعمیر کو کمزور کر دینے کے لیے کافی تھا۔اس پر سیلاب کے پانی کا کئی فٹ بلند ہو جانا اس قدیم تعمیر کو نقصان پہنچانے کا باعث بنا تھا۔

ابواب المسجد الحرام

فی زمانہ مسجد الحرام میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے لیے بھی 95 دروازے ہیں تاہم ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو مستقل طور پر بند ہیں اور کچھ دروازے ایسے بھی ہیں جو صرف حج و عمرہ میں کھولے جاتے ہیں تا کہ حجاج کرام اور زائرین عمرہ کو مسجد حرام میں آنے جانے کے لیے مزید سہولتیں پیدا ہو جائیں۔المسجد الحرام کے ہر دروازے پر اس دروازے کا شمار عربی ہندسوں میں درج کیا گیا ہے تا کہ حجاج کرام صرف نمبر یاد رکھ کر مطلوبہ دروازے تک پہنچ سکیں۔مسجد حرام میں توسیعات کے بعد سے ہمیشہ سے دروازوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔2020ء میں ہونے والی توسیع کے بعد مسجد الحرام کے دروازوں کی تعداد میں مزید 18 دروازوں کا اضافہ ہوگا اور یوں ابواب المسجد الحرام کی تعداد 113 ہو جائے گی۔مسجد الحرام کے کئی دروازے بہت مشہور اور بہت بڑے بھی ہیں ان کے نام درج ذیل ان کے تعارف کے ساتھ دیے گئے۔

(1) باب عبدالعزیز

یہ حرم شریف مکہ کا دروازہ نمبر ایک ہے۔اس نام سے تین دروازے اس دروازے کے دونوں جانب دو بلند مینارے ایستادہ ہیں۔اس دروازے کو حرم شریف کا وسطی دروازہ یا مین گیٹ بھی کہا جاتا ہے۔اس دروازے کی بائیں سمت میں دو کم محیط والے مینارے واقع ہیں۔ایک دروازہ ام ہانی دروازہ کہلاتا تھا مگر اب باہر سے بند کر دیا گیا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں عہد نبوی ﷺ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ حضرت ام ہانیؓ کا گھر موجود تھا۔اسی مقام سے آنحضرت ﷺ کو سفر معراج پر لے جایا گیا تھا۔اسی مقام سے آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر جانب القدس اور پھر عرش المعلی کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

(2)باب عمرہ

صلح حدیبیہ کے اگلے سال جب آنحضرت ﷺ عمرۃ القضاۃ کی ادائیگی کے لیے مکہ تشریف لائے تھے تو آپ مسجد الحرام میں اسی دروازے سے داخل ہوئے تھے۔اسی وجہ سے یہ دروازہ باب العمرہ کہلاتا ہے۔

(3)باب صفا

حرم شریف کا جو دروازہ کوہ صفا کے قریب واقع ہے وہ اسی پہاڑی کی نسبت سے باب صفا کہلاتا ہے۔یاد رہے کہ سعی کی ابتدا اسی پہاڑی سے کی جاتی ہے۔معذور اور کمزور افراد کے لیے اس دروازے کے باہر وھیل چیئرز کی سہولت موجود ہے۔یاد رہے کہ مسجد الحرام کے اس دروازے کے باہر دو کی بجائے صرف ایک مینار ایستادہ ہے جس کی وجہ سے اس دروازے کو با آسانی پہچان لیا جاتا ہے جبکہ حرم شریف کے باقی چار بڑے دروازوں کے پہلوؤں میں دو دو مینار ایستادہ ہیں جبکہ حرم شریف کے تین دروازوں پر نمبر 1 درج ہے۔

(4)باب الفتح

مسجد الحرام کے جس دروازے سے حضور ﷺ فتح مکہ کے دن داخل ہوئے تھے وہ اسی یوم فتح کی نسبت سے باب فتح کہلاتا ہے۔یاد رہے کہ پہلے اس دروازے کا نام باب السلام تھا۔اس دروازے سے مسجد الحرام میں پہلی مرتبہ داخل ہونا افضل ہے۔

(5)باب فہد

حرم شریف کے بڑے دروازوں میں سب سے بعد میں تعمیر ہونے والا دروازہ باب الفہد ہے۔اس دروازے کے دونوں جانب بھی دو مینارے اور تین گنبد واقع ہیں۔حرم شریف کے دروازوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن میں سے داخل ہوا جائے تو سب سے پہلے کعبہ شریف پر نظر پڑتی ہے مگر باب فہد سے یہ نظارہ براہ راست نہیں ہوتا تاہم کچھ آگے چلیں تو کعبہ مشرفہ نظر آنے لگتا ہے۔

(6)باب ہلال

یہ دروازہ خواتین کے لیے مخصوص ہے۔

(7)باب اجیاد

اس دروازے سے اوپر کی منزل پر جانے کے لیے ایسکیلیٹر (Escalator) نصب ہے۔

(8) نمبر آٹھ کے تحت کسی دروازے کی پہچان کسی نام سے نہیں ہے۔

(9) باب حنین

یہ دروازہ بھی خواتین کے لیے مخصوص ہے۔

(10) باب اسمٰعیل

اس دروازے کا نام بانی اور معمار کعبہ حضرت اسمٰعیل کے نام پر ہے۔

(11) یہ نمبر باب صفا کو دیا گیا ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

(12) باب لائبریری

یہ دروازہ کعبہ کے جنوب مغرب میں واقع اور لائبریری دروازہ کہلاتا ہے۔

(13) یہ دروازہ کوہ ابوقبیس کی جانب کھلتا ہے اور اس دروازے کے پاس گمشدہ بچوں اور گم شدہ اشیا کے معلومات حاصل کرنے کا دفتر واقع ہے۔ یہ تمام دروازے مغربی دروازے کہلاتے ہیں۔

جنوبی دروازوں کے نام اور نمبر:

(14) اس دروازے پر الارکان اسکیلیٹر (Escalator) نصب ہے۔

(17) باب بنی ہاشم

بنی ہاشم کی نسبت سے یہ دروازہ باب بنی ہاشم کہلاتا ہے۔

(19) باب حضرت علیؓ

یہ دروازہ خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے نام سے منسوب ہے۔

(20) باب عباسؓ

یہ دروازہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے نام پر ہے۔

(21) باب النبی ﷺ

جیسا کے نام سے ظاہر ہے۔ یہ دروازہ نبی اکرم ﷺ سے منسوب ہے۔ اس دروازے کے قریب ایک گھر میں آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی تھی۔ یہ گھر اس دروازے سے نظر آتا ہے۔ آج کل یہ دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔

(23) اس دروازے کے باہر باب النبی فلائی اوور واقع ہے جبکہ 22 نمبر دروازہ دکھائی نہیں دیتا۔

(24) باب السلام

(25) اس دروازے کے ساتھ سلام فلائی اوور واقع ہے

(26) باب بنی شیبہ

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ بنی شیبہ کا دروازہ ہے۔

(27) باب الحزن

تاریخ اسلام میں وہ سال عام الحزن کہلاتا ہے جس سال حضرت ابوطالب اور سیدہ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی وفات ہوئی تھی۔ اسی نسبت سے یہ دروازہ باب الحزن کہلاتا ہے۔

(28) اس دروازہ کو بھی فلائی اوور کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔

(29) باب المعلیٰ

اس دروازے کے باہر مکہ کا مشہور قبرستان جنت المعلی واقع ہے۔ یاد رہے کہ اس قبرستان میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ مدفون ہیں۔

(31) باب المروہ

یہ دروازہ باب المروہ کہلاتا ہے اور المروہ کی پہاڑی کی جانب واقع ہے۔

(32) سے (35) تک کے ابواب پر نمبر درج نہیں ہیں اور نا ہی ان کا کوئی نام ہے۔

حرم شریف کے مشرقی دروازوں کے نام اور نمبر:

(36) دروازہ نمبر 136 ایسکیلیٹر کی جانب کھلتا ہے۔

(37) سے (40) نمبر کے دروازوں کے نام اور نمبر بھی درج نہیں ہیں۔

(41) اس دروازہ کے ساتھ "کارہ" ایسکیلیٹر واقع ہے۔

نمبر 42 کا بھی یہی نام ہے۔

(43) اس دروازے کو بھی باب الکارہ کا نام دیا گیا ہے۔

(44) اس نمبر کے ساتھ کوئی دروازہ منسوب نہیں ہے۔

(45) یہ نمبر باب الفتح کو دیا گیا ہے جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔

(46) باب عمر بن الخطابؓ

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ یہ دروازہ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے نام سے منسوب ہے۔ نمبر 47 بھی انھیں کے نام سے منسوب ہے۔

(48) اس نمبر کا کوئی دروازہ نہیں ہے۔

(49) باب الندوہ

یہ دروازہ باب الندوہ کی جانب کھلتا تھا۔

(50) اس نمبر سے کوئی دروازہ منسوب نہیں ہے۔

(51) باب الشامی

(52) اس دروازہ کے ساتھ الشامی ایسکیلیٹر واقع ہے۔ 53 اور 54 کے نمبر سے بھی کوئی دروازہ نہیں ہے۔

(55) باب القدس

یہ دروازہ باب القدس کے نام سے منسوب ہے۔

حرم شریف کے شمالی دروزوں کے نام اور نمبر

(56) باب المدینہ جبکہ 57 نمبر کا کوئی دروازہ بھی نہیں ہے۔

(58) باب الحدیبیہ

یہ دروازہ صلح حدیبیہ کی یاد دلاتا ہے۔

59 سے 61 تک کے دروازے بھی نامعلوم ہیں۔

(62) یہ نمبر باب العمرہ کو دیا گیا ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

(63) اور 64 سے بھی کوئی دروازہ منسوب نہیں ہے۔

(65) اشبیکا ایسکیلیٹر واقع ہے۔ 66 اور 67 دروازوں کا بھی کوئی نام نہیں ے۔

(68) اس دروازے کا اگرچہ کوئی نام نہیں ہے مگر یہ دروازہ بھی خواتین کے لیے مخصوص ہے۔

(69) اس نمبر کے دروازہ کو کوئی نام نہیں دیا گیا۔

(70) اس دروازہ کو بھی کوئی نام نہیں دیا گیا تاہم یہ بھی خواتی کے لیے مخصوص ہے۔

(71) سے 74 تک نمبر کے دروازوں کے نام بھی نہیں دیے گئے۔

(75) اس نمبر سے منسوب کوئی دروازہ دکھائی نہیں دیتا۔

حرم شریف کے مغربی دروازے اوران کے نام وغیرہ۔

مغربی سمت میں 8 دروازے شاہ فہد کے نام سے منسوب ہیں جو 76 نمبر سے 83 تک واقع ہیں۔ 84 نمبر کا دروازہ بھی بے نام ہے۔ 84 سے 88 نمبر تک کے نمبر کے دروازوں کا کوئی نام نہیں تاہم 87 نمبر کا دروازہ بھی خواتین کے لیے مخصوص ہے۔ آگے 89 سے 94 نمبر تک کے دروازوں کے نام بھی نہیں ہیں۔ 93 نمبر دروازہ خواتین کے لیے مخصوص ہے۔

(95) یہ دروازہ شاہ عبدالعزیز کے نام سے منسوب ہے۔ زینہ کے لیے مخصوص ہے

مسجد الحرام کے متبرک مقامات

مقام ابراہیم

''اس خانہ کعبہ میں کھلی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک مقام ابراہیم ہے۔''

(القرآن آل عمران 97)

مقام ابراہیم یا خانہ کعبہ میں رکھی گئی کھلی نشانی وہ مقدس پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ مل کر کعبہ مشرفہ کی تعمیر کی تھی۔ یہ مقدس پتھر معجزاتی طور پر اسی طرح بلند ہوتا تھا جس طرح کعبہ مشرفہ کی دیواریں حضرت ابراہیمؑ دوران تعمیر بلند کرتے جاتے تھے۔۔ معجزاتی طور پر ہی اس پتھر کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے نرم کر دیا تھا کہ اس پتھر پر آج بھی حضرت ابراہیمؑ کے پاؤں کے نشان ثبت دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ پتھر خانہ کعبہ کے احاطہ میں بیت اللہ کے دروازے کے عین سامنے شیشے کے ایک جار میں محفوظ کر دیا گیا ہے جو مطاف کے فرش سے چار پانچ فٹ بلند ہے۔

اس پتھر کی فضیلت اس آیت قرآنی سے بھی واضح ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں اس آیت (125) میں فرمایا ''اور مقام ابراہیم کو مستقل نماز کی جگہ بنا لیا کرو۔'' (القرآن) یعنی اس پتھر کو مصلی نماز کی تقدیس حاصل ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا: ''حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔'' (مشکوٰۃ شریف)

مسجد الحرام کے متبرک مقامات میں سے ایک مقام، مقام ابراہیم ہے جہاں دعائیں قبولیت کا درجہ حاصل کرتی ہیں۔ مفسرین جن میں امام طبری سرفہرست ہیں اس آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مقام ابراہیم بیت اللہ کی دیوار کے ساتھ ہی متصل قائم تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد

خلافت میں اس کو وہاں سے ہٹا کر موجودہ جگہ پر رکھ دیا۔ اس سلسلہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ مقام ابراہیم عہد نبوی ﷺ اور عہد خلافت صدیقی میں بیت اللہ سے بالکل متصل تھا بعد ازاں اپنے عہدِ خلافت میں حضرت عمرؓ نے اسے وہاں سے ہٹا کر پیچھے نصب کر دیا۔ یاد رہے کہ اس متبرک پتھر کے اس کے اصل مقام سے ہٹانے پر صحابہ کرامؓ نے حضرت عمرؓ پر تنقید نہیں کی لہٰذا اس کام کو اجماعی شکل حاصل ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ پتھر کعبہ کے گرد طواف کرنے والوں اور نمازیوں کے لیے ایک رکاوٹ تھا، اس لیے حضرت عمرؓ نے اسے وہاں سے ہٹا کر ایسے مقام پر رکھ دیا جہاں اس سے کسی کو کوئی تنگی نہ رہے۔ اس لیے یہ عمل جائز سمجھا گیا۔ یاد رہے کہ حضرت عمرؓ نے ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ نماز مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے اس مشورے کو عزت بخشی اور ان کی منشا کے مطابق آسمان سے یہ آیت نازل فرمائی۔ (فتح الباری)

مقام ابراہیم باب بنی شیبہ کی محراب جو کعبہ کی شمال مشرقی دیوار کے مقابل واقع تھی اور جہاں سے مطاف میں داخل ہوتے ہیں اور کعبے کے درمیان ایک چھوٹی سی قبہ دار عمارت میں رکھا گیا تھا۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم اب تک دکھائی دیتے ہیں۔ المہدی بن منصور عباسی (م 169ھ) نے اس پتھر کی حفاظت کے لیے ایک سنہری حلقہ اس کے گرد چڑھا دیا تھا۔ بعد کی توسیعات میں مطاف کو کھلا کرنے کے لیے یہ قبہ گرا دیا گیا اور اس پتھر کو شیشے کے ایک جار میں رکھ دیا گیا۔ مقام ابراہیم سے ذرا آگے شمال کی طرف سفید سنگ مرمر کا منبر رکھا گیا جو مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کے مقام ہونے کا ثبوت ہے۔

مصلّٰی جبرائیل علیہ السلام

خانہ کعبہ کے دروازے سے متصل دائیں جانب ایک مبارک مقام ''مصلی جبرائیل علیہ السلام'' واقع ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں نمازوں کی فرضیت کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھنے کا طریقہ نماز پڑھ کر سکھایا تھا اور نمازوں کے اوقات کا علم دیا تھا۔

واقعہ معراج کے بعد اللہ کے حکم پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دو دن تک مسلسل پانچوں نمازوں کے اوقات میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہر نماز کی رکعات اور ان کے اوقات کے متعلق عملی نمونہ پیش کیا۔ دو دن تک مسلسل دس نمازوں کی امامت جناب رسول اللہ ﷺ نے اس انداز میں کی کہ سابقون الاولون میں سے کئی صحابہؓ نے آپ کی اقتدا کی۔

اولین نماز ظہر کی پڑھائی گئی جبکہ پانچویں نماز اگلے دن صبح کی نماز فجر کی صورت میں ادا کی گئی۔ یہ اولین نمازیں نمازوں کے اوقات کے شروع ہونے کے اولین لمحات میں پڑھی گئیں جس سے ہر نماز کے وقت کے شروع ہونے کا پتہ

چلا۔ پھر دوسرے دن ظہر کی نماز سے تیسرے دن کی صبح نماز فجر تک کی اگلی پانچوں نمازیں اس طرح پڑھائی گئیں کہ وہ ہر نماز کے اوقات کا اختتامی وقت تھا۔ اس طرح نمازوں میں رکعات کی ترتیب ے ساتھ ساتھ نمازوں کے ابتدائی اور اختتامی اوقات کا تعین بھی ہوگیا۔

1958ء کی توسیع مسجد الحرام تک مصلیٰ جبرائیل کی نشاندہی کعبہ کی دیوار کے ساتھ مطاف کے فرش میں ایک مصلی کے برابر ایک چھوٹا سا گڑھا چھوڑ کر کی گئی تھی۔ چونکہ طواف کرنے والوں کو اس گڑھے سے تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لیے بعد ازاں اس جگہ کو ہموار کر دیا گیا اور اس متبرک مقام کی نشاندہی اب سفید سنگ مرمر میں بھورے رنگ کا پتھر لگا کر کر دی گئی ہے۔

حطیم

جیسا کے پہلے بھی ذکر آیا کہ میزاب رحمت کی یوار کے سامنے جو دائرہ نما دیوار ہے اس کی اندرونی جگہ کو حطیم کہتے ہیں۔ یہ اندرونی جگہ خانہ کعبہ کے اندرونی بام ودر کا ایک حصہ ہے۔ اس جگہ کو حجر اسمٰعیل علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہؓ کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ مکہ کی اس لق و دق وادی میں چھوڑ گئے تو اس پوری وادی میں کوئی سایہ دار مقام نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا کہ یہاں سایہ دار جگہ کے لیے چھپر ڈال لو۔ جب انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کی تو اس سایہ دار جگہ کو حجر اسمٰعیل علیہ السلام کہا جانے لگا۔

تعمیر قریش کے دوران حطیم کو محض اس لیے غیر مسقف چھوڑ دیا گیا کہ حلال کمائی کے فنڈ ز کم پڑ گئے تھے۔ احادیث میں آیا ہے کہ حطیم میں نماز ادا کرنا اندرون کعبہ میں نماز ادا کرنے کے برابر ہے اور حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حطیم (حجر) میں داخل ہونا اس کے برابر ہے کہ بیت اللہ میں داخل ہوا جائے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میری خواہش تھی کہ میں اندرون کعبہ نماز پڑھوں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے پکڑ کر حطیم (حجر) میں چھوڑ دیا اور فرمایا کہ بیت اللہ میں نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو یہیں نماز پڑھ لو یہ بھی تو بیت اللہ کا ہی حصہ ہے لیکن تیری قوم نے (یعنی قریش نے) تعمیر کے وقت عمارت چھوٹی کر دی تھی۔ (سنن نسائی) اسی حدیث کی بنا پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی تعمیر کعبہ میں حطیم کو کعبہ کی عمارت میں شامل کر لیا تھا مگر بعد ازاں حجاج نے رسول اللہ ﷺ کے عہد کی تعمیر کی تقلید میں اسے خالی چھوڑ دیا۔ اسی وجہ سے طواف کے دوران حطیم کے حصہ کو بھی خانہ کعبہ کا حصہ سمجھ کر اس کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ حطیم کی دیوار فرش سے 35 انچ بلند اور پانچ فٹ چوڑی ہے۔ یہ سفید سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے۔

میزاب رحمت

میزاب عربی زبان میں پرنالہ کو کہتے ہیں۔ میزاب رحمت سے مراد خانہ کعبہ کی چھت پر نصب وہ پرنالہ ہے جس

سے بارش کے وقت خانہ کعبہ کی چھت کا پانی نیچے حطیم میں آ گرتا ہے۔ یہ پرنالہ خالص سونے کا بنا ہوا ہے۔ احادیث شریف میں آیا ہے کہ اس کے نیچے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ دعائیں کیا کرتے تھے۔ اس لیے یہ مقام ایک متبرک مقام ہے اور اس پرنالے سے بہنے والا پانی بھی متبرک و مقدس ہوتا ہے۔ انھیں رحمتوں کی بنا پر اسے میزاب رحمت کہتے ہیں۔ تعمیر قریش میں بھی اس مقام پر پرنالہ رکھا گیا تھا۔ عثمانی ترکوں کے عہد میں جب کعبہ کی تعمیر جدید ہوئی تو میزاب رحمت کی بھی تزئین کی گئی۔ سلطان عبدالمجید نے 1273ھ میں میزاب رحمت کو نہ صرف خالص سونے کو ڈھلوا کر بنوایا بلکہ اس پر نقش بھی بنائے گئے اور اسے منقوش بنا دیا گیا۔

امام ابن جوزیؒ نے حضرت عطاؒ کی ایک روایت یہ درج کی ہے کہ جو شخص میزاب رحمت کی نیچے کھڑا ہو کر دعا کرے گا اس کی دعا بالضرور قبول ہو گی اور وہ اپنے گناہوں سے یوں پاکیزہ ہو جائے گا جیسے ماں کے پیٹ سے ابھی جنا گیا ہو۔ میزاب رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی افضل ترین عمل ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''نیک لوگوں کی نماز والی جگہ پر نماز پڑھو اور نیک لوگوں کا مشروب پیو۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ نیک لوگوں کی نماز سے کیا مراد ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ کعبہ کے پرنالے کے نیچے پڑھی جانے والی نماز۔

رکن یمانی

بیت اللہ کی عمارت کے چار کونے حجر اسود، رکن عراقی، رکن شامی اور رکن یمانی کہلاتے ہیں۔ رکن عراقی اور رکن شامی کا رخ بالترتیب شام اور عراق کی سمت ہے جبکہ رکن یمانی کا رخ ملک یمن کی سمت ہے اس لیے اسے رکن یمانی کہا جاتا ہے۔ یہ اس دیوار کے کارنر پر واقع ہے جس کے دوسرے کونے پر حجر اسود نصب ہے۔ یہ تمام رکن بالکل انھیں بنیادوں پر تعمیر کیے گئے ہیں جو تعمیر ابراہیمی کی بنیاد تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ طواف کرتے ہوئے جب رکن یمانی پر پہنچتے تھے تو استلام کرتے تھے۔

استلام

استلام حجر اسود کو ہاتھ سے چھونے یا بوسہ دینے کو کہتے ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ آپ ﷺ اس جگہ استلام کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی ہجوم کی وجہ سے اس جگہ کو نہ چھو سکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ رسول اللہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان طواف کرتے ہوئے مشہور دعا ''ربنا آتنا فی الدنیا ......'' پڑھا کرتے تھے۔ اس لیے یہ دعا پڑھنا بھی مسنون ہے۔

مطاف

کعبہ کے گرد وہ جگہ جس جگہ طواف کیا جاتا ہے وہ مطاف کہلاتی ہے۔ مطاف میں طواف صرف بوقت فرض نماز کچھ دیر کے لیے رکتا ہے ورنہ شب و روز جاری و ساری رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے

مطاف کا فرش پختہ کرایا تھا۔ مطاف اور اس کے گرد نواح کی صورت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی البتہ مطاف میں داخل ہونے والا دروازہ باب السلام بدستور قائم ہے۔ 1956ء کی توسیع میں مطاف میں نیا فرش لگایا گیا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے تک مطاف کے ساتھ ساتھ اکتیس یا بتیس نازک و پتلے ستون نصب تھے اور ہر دو ستونوں کے درمیان سات قندیلیں آویزاں تھیں جو شام ہوتے ہی روشن کردی جاتی تھیں مگر اب روشنی کے لیے مطاف میں بجلی کے جدید نظام موجود ہیں۔

مقام ملتزم

خانہ کعبہ کے دروازہ اور حجر اسود کے درمیان مبارک جگہ کو ملتزم کہتے ہیں۔ یہ جگہ تقریباً ساڑھے چھ فٹ یا دو میٹر کشادہ ہے۔ یہ جگہ بھی مسجد الحرام کے ان متبرک مقامات میں شامل ہے جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ احادیث شریف میں آیا ہے کہ صحابہ کرامؓ یہاں کعبہ کی دیوار کو چمٹ کر دعائیں کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوزبیرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے اس مقام یعنی ملتزم پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بیت اللہ کی دیوار سے چمٹ کر دعائیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ "حجر اسود اور بیت اللہ کے دروازے کے درمیان والی جگہ کو ملتزم کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس جگہ کھڑے ہو کر اللہ سے کچھ مانگے یا کسی چیز سے بچاؤ کی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا کرتے ہیں۔ دیوار کعبہ کے ساتھ اس طرح چمٹنا کہ رخسار، چھاتی اور ہاتھ دیوار کعبہ کے ساتھ مس ہو رہے ہوں، سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ ایسے میں رقت طاری ہونے پر اللہ کے حضور میں دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی دعا قبول کرتے ہیں۔

اگر آپ کو اللہ تعالیٰ یہ موقع عطا کرے کہ مقام ملتزم پر آپ حاضر ہوں تو بالضرور خوب رو رو کر دعائیں کیجیے اور جو کچھ بھی آپ کے دل میں ہو اللہ تعالیٰ سے مانگیے، چاہے آپ کی زبان عربی ہو، اردو، فارسی ہو یا انگریزی دنیا کی کسی زبان میں بھی اللہ تعالیٰ سے مانگے گا وہ ضرور اسے عطا ہوگا۔ دعا کرتے ہوئے اگر بندہ یہ خیال کرے کہ وہ رب العالمین کے حضور میں عاجزانہ کھڑا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے حال کو خوب جانتا ہے ایسے میں اگر انتہائی عاجزی کے ساتھ کوئی دعا مانگی جائے وہ بالضرور بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل کرے گی اور مانگنے والے کی ہر دعا قبول ہوگی۔

آب زمزم اور چاہ زمزم

کائنات کا مرکزی مقام ارض مکہ کو تسلیم کیا جاتا ہے جبکہ بیت اللہ اس مرکزی مقام کائنات ارضی کے دل کی حیثیت رکھتا ہے۔ چاہ زمزم بیت اللہ سے 65 فٹ کے فاصلے پر مشرقی سمت میں واقع ہے۔ یہ دنیا کا واحد کنواں ہے جو پچھلے چار یا پانچ ہزار سال سے پانی دے رہا ہے اور کبھی خشک نہیں ہوا۔ جہاں یہ رب کائنات کی عطا ہے وہیں یہ حضرت

اسمٰعیل علیہ السلام کا ایسا معجزہ ہے جو تا قیامت جاری وساری رہے گا۔اس معجزاتی کنویں کا پانی کا ذائقہ تمام دنیا کے پانیوں سے منفرد ہے اور اپنی تاثیر میں بھی پوری کائنات کے پانیوں سے الگ ہے۔اگر آب زمزم زیادہ مقدار میں بھی پی لیا جائے تو انسانی جسم پر اسکے کوئی منفی اثرات مرتب نہیں ہوتے بلکہ فائدہ ہی پہنچتا ہے۔یوں یہ پانی دنیا کے تمام منرل واٹر (Minral Water) سے زیادہ مفید اور بے مثال ہے۔

چاہ زمزم جیسا کہ پہلے ذکر آیا مقام ابراہیم علیہ السلام اور حجر اسود سے 65 فٹ کے فاصلے پر واقع ہے۔اس کنویں کا قطر تقریباً نو فٹ ہے۔سطح زمین سے اس کا پانی صرف 95 فٹ نیچے ہے۔بیسویں صدی میں 1953ء تک اس کنویں سے پانی ڈول کے ذریعے نکالا جاتا تھا پھر اس کنویں پر پانی نکالنے کے لیے جدید مشینری اور موٹریں نصب کردی گئیں اور آب رسانی کا نیا نظام متعارف کرایا گیا۔آج کل چاہ زمزم سے جدید مشینری کے ذریعے آٹھ ہزار لیٹر پانی فی سیکنڈ نکالا جارہا ہے۔اتنی مقدار میں پانی نکالنے سے کنویں میں پانی کی سطح جب نیچے چلی جاتی ہے تو صرف گیارہ منٹ بعد پانی اس معجزاتی کنویں میں واپس اپنی معمول کی سطح پر آجاتا ہے۔

کچھ عرصے پہلے تک چاہ زمزم پر ایک بیضوی چھت بھی تھی اور یہ جگہ طواف کرنے والوں کو چھوڑ کر چلنا پڑتی تھی۔تقریباً پچیس سے تیس سال پہلے سعودی عرب کی حکومت نے آب زمزم کے حصول کے لیے مطاف کے نیچے تہہ خانے تعمیر کردیے جن کے اوپر اب طواف جاری وساری رہتا ہے۔۔حجاج کرام اور زائرین نیچے تہہ خانے میں جاکر نا صرف آب زمزم نوش کرتے تھے بلکہ اس سے وضو بھی کیا جاتا تھا لیکن پھر 2003ء میں یہ تبدیلی کی گئی کہ چاہ زمزم تک عام آدمی کی رسائی نہ رہے۔آج کل اوپر مطاف پر ایک گول دائرہ بنا کر چاہ زمزم کی نشاندہی کردی گئی اگرچہ وہ اب سطح زمین کی بجائے زیر زمین موجود ہے۔

آب زمزم کی تاریخ

آب زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیوں کے رگڑنے سے معجزاتی طور پر جاری و دریافت ہوا تھا۔یہ اس دور ابتلا کی بات ہے جب اللہ کے حکم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سیدہ ہاجرہؓ کو ایک بے آب وگیاہ میدان میں چھوڑ دیا تھا۔پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کے چند دانے ان کے پاس بطور زادراہ تھے۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس ویرانے میں چھوڑ کے جانے لگے تو حضرت ہاجرہؓ نے انھیں پکارا اور پوچھا کہ آپ ہمیں یہ کہاں چھوڑ کر جارہے ہیں۔پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی یہ پکار ان سنی کردی تو انھوں نے سوال کیا کہ کیا آپ ہمیں اللہ کے حکم پر یہاں چھوڑ کر جارہے ہیں اس کا جواب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاں میں دیا تو حضرت ہاجرہؓ جو ایک صابرہ خاتون تھیں اسے مشیت ایزدی جان کر خاموش ہوگئیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہاں سے چلے جانے کے بعد جب ان کا

بچہ پیاس سے بلبلایا تو وہ پانی کی تلاش میں دوڑ پڑیں۔ پانی کی تلاش میں انھوں نے دو پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائے۔ یہ پہاڑیاں اب صفا و مروہ کہلاتی ہیں۔ ساتویں چکر کے آخر میں وہ کوہ مروہ پر چڑھیں تو انھیں ایک آواز سنائی دی۔ وہ ہمہ تن گوش ہو کر یہ آواز سننے کی کوشش کرنے لگیں کہ شاید امید بر آئے اور بچہ کو اس ویرانے میں پانی مل جائے پھر جب انھوں نے مڑ کر اپنے بچے کی طرف دیکھا تو انھیں ایک فرشتہ (حضرت جبرائیل علیہ السلام) اپنے بچے کے پاس کھڑا نظر آیا۔ ادھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے روتے ہوئے ایڑیاں رگڑنے سے ان کے پاؤں کے نیچے پانی کا چشمہ پھوٹ رہا تھا۔ حضرت ہاجرہؓ نے اس آبِ رواں کو روکنے کی کوشش کی اور پانی کو مخاطب کر کے کہا۔ ''زم زم'' اے پانی تو ٹھہر جا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے یہ الفاظ اس قدر پسند آئے کہ اس پانی کا نام تا قیامت آبِ زم زم ٹھہرا۔ پانی کا چشمہ جاری ہونے سے اس بے آب گیاہ وادی میں زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ پانی کی تلاش میں آنے والے پرندے یہاں آ پہنچے اور پھر قریب سے گزرتے ہوئے انسانی قافلے بھی یہاں ٹھہرنے لگے۔ یمن کے ایک قبیلے بنو جرہم کے قافلے کا ادھر سے گزر ہوا تو انھوں نے حضرت ہاجرہؓ سے نہ صرف پانی طلب کیا بلکہ یہاں قیام کرنے کی اجازت بھی طلب کی۔ حضرت ہاجرہؓ نے انھیں اس شرط پر یہاں قیام کرنے کی اجازت دی کہ وہ کبھی اس پانی پر اپنا حق ملکیت نہیں جتائیں گے۔ یوں مکہ کی وادی میں پہلی انسانی بستی وجود میں آ گئی۔ اگلے تین سو یا پانسو سال تک بنو جرہم اس بستی کے حکمران رہے۔ اور انھوں نے دین ابراہیمی کو قبول کیا مگر آہستہ آہستہ وہ دین ابراہیمی سے روگردانی کرنے لگے جس کے بعد انھیں شکست خوردگی کے عالم میں وادی مکہ سے نکلنا پڑا۔ جاتے ہوئے انھوں نے حضرت اسماعیلؑ کے شکار کے تیر اور دیگر کئی نوادرات ڈال کر چاہ زم زم کو بند کر دیا۔ پھر صدیاں گزر گئیں اور آبِ زمزم کے کنویں کے آثار تک مٹ گئے۔ لوگوں نے بیت اللہ میں بت رکھ کر بت پرستی شروع کر دی مگر بیت اللہ کا حج جاری و ساری رہا۔ پھر چھٹی عیسوی میں جو آنحضرت ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا زمانہ تھا حضرت عبدالمطلب کو ایک خواب میں چاہ زم زم کا محلِ وقوع دکھایا گیا اور حکم دیا گیا کہ طیبہ کو کھود کر نکالو۔ مسلسل کئی بار خوابوں میں انھیں یہ حکم ملا کہ چاہ زم زم کو کھود کر نکالو۔ ساتھ ہی انھیں بتایا گیا کہ یہ ایسا کنواں ہے جس کا پانی قیامت تک خشک نہ ہوگا اور یہ حضرت اسماعیلؑ کا ورثہ ہے تو انھوں نے ہمت کر کے اس کنویں کی تلاش شروع کر دی۔ حضرت عبدالمطلب کو اللہ کی طرف سے رہنمائی حاصل ہوئی کہ جب تم یہاں پہنچو گے تو ایک کوا اس جگہ زمین کرید رہا ہوگا۔ بس اسی مقام پر کھدائی کرنے سے جہاں اساف اور نائلہ کے بت رکھے تھے قریش کے اعتراض کے باوجود بالآخر زم زم کا کنواں انھیں مل گیا۔ اس کنویں سے جو خزانہ برآمد ہوا اس کی وجہ سے قریش سے ان کا جھگڑا ہو گیا۔ قریش نے کنویں کی کھدائی میں تو ان کی کوئی مدد نہیں کی تھی مگر وہ خزانہ پر اپنا حق مقدم سمجھتے تھے۔ بات حد سے بڑھی تو فیصلہ کے لیے قبیلہ بنو سعد حزیل کو بلانے کا فیصلہ ہوا۔ یہ قبیلہ شام میں مقیم تھا۔ مورخین کے مطابق یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے چالیس سال پیشتر پیش آیا تھا۔ اس وقت سے آج تک چاہ زم زم کا پانی مسلسل نکالا جا رہا ہے۔

آب زم زم کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ

299ھ/909ء میں آب زم زم کی تاریخ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو پہلے کبھی رونما نہیں ہوا تھا۔ وہ یہ تھا کہ آب زم زم کی سطح کنویں میں اچانک بلند ہوگئی اور آب زم زم چھلک کر بہنے لگا اور اس نے مطاف میں سیلاب رواں کی شکل اختیار کرلی جس سے متعدد حاجی پانی میں ڈوب گئے جس کے بعد چاہ زم زم کے گرد دیوار کو بلند کرنا پڑا اس کے بعد پھر کبھی ایسا نہ ہوا۔

آب زم زم کی فضیلت

بہت سی احادیث صحیحہ سے آب زم زم کی فضیلت ثابت ہے۔ سیرت مبارکہ میں یہ ذکر بھی موجود ہے آنحضرت کے ''شق صدر'' کے موقع پر حضرت جبرائیلؑ نے آپ کے سینے اور دل مبارک کو آب زم زم سے دھویا تھا جس سے پتہ چلا کہ آب زم زم نا صرف روئے زمین بلکہ آسمان کے تمام پانیوں سے افضل ہے کہ اس متبرک پانی سے قلب نبوی ﷺ کو دھویا گیا۔ خود آنحضرت ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ ''روئے زمین پر بہترین پانی آب زم زم ہے یہ خوراک بھی ہے اور بیماری سے شفا بھی۔ (الطبرانی)'' آب زم زم کو کھڑے ہو کی پینا اور دعا کرنا مسنون ہے۔

کوہ صفا اور مروہ

ان الصفا والمرة من شعائر الله (سورہ البقرہ:158 القرآن)

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ (کی پہاڑیاں) میری نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ کی ان دونوں پہاڑیوں کو بارے میں جو آج کل حرم شریف کی عمارت کے اندر واقع ہیں واضح طور پر فرمایا ہے کہ یہ پہاڑیاں میری نشانیاں ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں ان پہاڑیوں کا مقام اتنا بلند ہے کہ انھیں قرآنی الفاظ میں شعائر اللہ کہا گیا ہے۔ حرم شریف میں تعمیراتی کام کے بعد یہ دونوں پہاڑیاں اس سطح زمین سے کچھ ہی بلند رہ گئی ہیں۔

سعی

حجاج کرام اور زائرین عمرہ طواف کعبہ کے بعد سعی کا آغاز انھی پہاڑیوں کے درمیان چکر لگا کر کرتے ہیں۔ بخاری شریف کے باب نمبر 19 میں جو ''الانبیا'' کے نام سے موسوم ہے نبی کریم ﷺ کا فرمان عالیشان ہے کہ سعی اس واقعہ کی یادگار ہے کہ جب حضرت ہاجرہؓ نے ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان اپنے پیاسے بیٹے (حضرت اسماعیلؑ) کے لیے پانی کے چشمے کی تلاش میں سات مرتبہ ادھر سے ادھر چکر لگائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں چکروں کو مناسک حج وعمرہ میں لازم قرار دے دیا۔ سات چکروں کے بعد حجاج اور زائرین مروہ پر جا کر سعی کا اختتام کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ صفا اور مروہ

کا درمیانی فاصلہ 1476فٹ یا450 میٹر ہے اور سعی جس پٹی پر کی جاتی ہے وہ 65فٹ چوڑی ہے۔ صفا کی پہاڑی خانہ کعبہ سے 100 میٹر دوری پر واقع ہے جبکہ مروہ350 میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

تاریخ اسلام میں وہ واقعہ بہت اہم ہے جب دین حق کی تبلیغ اپنے کنبے میں کرنے کا حکم اس آیت میں نازل ہوا ''وانذر عشیرتك الاقربین (الشعرا214) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت رسول اللہ ﷺ کوہ صفا پر موجود تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے خاندان قریش کے افراد کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ گھڑسواروں کا ایک دستہ اس پہاڑ کے پیچھے سے تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا آپ میری اس بات کا یقین کریں گے؟ سب نے مل کر بیک آواز جواب دیا کہ ''آپ بے شک صادق و امین ہیں۔ ہم آپ کی ہر بات کا یقین کریں گے۔'' پھر جب آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو خاندان بنو ہاشم میں سے ابولہب جو آپ ﷺ کے چچا تھے آگ بگولہ ہو کر بولے کہ ''کیا تم نے ہم کو اس کے لیے جمع کیا تھا اور یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ خدا تمھیں (نعوذ باللہ) تباہ و برباد کرے۔ ابولہب کی بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورہ لہب کی یہ آیت نازل فرمائی ''تبت یدا ابی لھب وتب'' ترجمہ: ابی لہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے'' (لہب پارہ30) اور پھر آسمان نے اس کا یہ انجام ہوتے ہوئے بھی دیکھا۔ ایک روایت کے مطابق لکڑیوں کے گٹھے کی رسی سے اس کا گلا گھٹ گیا تھا۔ ابولہب جو رشتے میں آنحضرت ﷺ کا چچا تھا حضرت عبدالمطلب اور لبنیٰ بنت ہاجر الخزاعیہ کا بیٹا تھا اس طرح وہ آنحضرت ﷺ کے والد جناب حضرت عبداللہ کا سوتیلا بھائی تھا۔ اس کا اصل نام عبدالعزیٰ اور کنیت ابو عتبہ تھی جبکہ ابولہب (شعلے کا باپ) اس کا لقب تھا۔ یہ لقب اس کے والد نے اس کی خوبصورتی کی بنا پر دیا تھا، لیکن حضرت ربیعہ بن عبادؓ کے مطابق ابولہب بھینگا تھا۔ آپ ﷺ سے ابولہب کے تعلقات آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے خوشگوار تھے چنانچہ اس کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے علی الترتیب آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا نکاح یا منگنی ہونا بتایا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ حضرت رقیہؓ سے عتبہ کا نکاح ہونا ثابت ہے۔ عتبہ نے اپنے والد اور والدہ ام جمیل کے کہنے پر حضور کی صاحبزادی کو طلاق دے دی تھی۔ عتبہ کو آپ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق بعدازاں شیر نے مار ڈالا تھا۔ حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد خاندان بنو ہاشم کی سیادت ابولہب کے حصہ میں آئی۔ ابتدا میں اس نے خاندان و کنبہ کی عزت وتحفظ کی خاطر شاید رسول اللہ ﷺ کی حمایت کا وعدہ کیا لیکن وہ حمایت سے اس وقت دست بردار ہو گیا جب ابوجہل اور عقبہ بن معیط نے اسے یقین دلایا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالمطلب جیسے متولی سرداران قریش کے بارے میں فرمایا کہ جہنم اس کا مقدر ہے۔ ابولہب کی حمایت سے دست کشی کے باعث ہی آنحضرت ﷺ نے طائف جا کر تبلیغ فرمائی تھی۔

اندرون کعبہ اور تبرکات

خانہ کعبہ ایک گرینائٹ پتھر سے تعمیر کی گئی چوگوشہ عمارت ہے۔ یہ عمارت زمین سے تقریباً 13.1 میٹر یا 43 فٹ بلندی تک چلی گئی ہے۔اس کے اطراف کی دیواروں کی پیائش کچھ یوں ہے۔11.3 میٹر یا 36.2 فٹ X12.86 یا 42.2 فٹ۔ اندرون کعبہ سنگ مرمر کا فرش لگا ہوا ہے۔ اس کی اندرونی دیواروں کی پیائش 13 میٹر یا 43 فٹ X 9 میٹر یا 30 فٹ۔ان دیواروں کو سنگ مرم کی ٹائلوں سے مزین کیا گیا ہے جبکہ فرش کے اطراف میں سیاہ پتھر کا حاشیہ ہے۔کعبہ کا اندرونی فرش مطاف سے 2.2 میٹر 7.2 فٹ بلند ہے۔اندرون کعبہ داخلی دوازے کی دیوار پر چھ کتبے آویزاں ہیں جن میں سے ایک خط کوفی میں ہے۔اندرون کعبہ دیواروں کے اوپر ایک سبز رنگ کے کپڑے کی پٹی جس پر قرآنی آیات ہیں آویزاں کی گئی ہے۔اندرون کعبہ مرمریں دیواں پر کعبہ کی متولی وہی خوشبوئیں لگاتے ہیں جو حجر اسود پر بیرون کعبہ لگائی جاتی ہیں۔اندرون کعبہ چھت کو سہارا دینے کے لیے تین گول ستون ہیں۔ان ستونوں کے درمیان ایک میز رکھی گئی ہے جس پر خوشبویات رکھی جاتی ہیں۔کعبہ کی چھت اندرونی جانب سے گہرے رنگ کی ہے جس پر فانوس اور لالٹین نما اشیاء روشنی کے لیے لٹکائی گئی ہیں۔یاد رہے کہ کعبہ کی عمارت میں کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں ہے اور نہ ہی بجلی کی روشنی کی سہولت موجود ہے۔کعبہ کے واحد سنہری دروازہ کو باب التوبہ (The Door of Repentance) کا نام دیا گیا ہے۔دائیں دیوار کے ساتھ ایک زینہ ہے جو کعبہ کی چھت تک چلا گیا ہے۔کعبہ کی چھت ساگوان کی لکڑی سے بنائی گئی ہے جس پر اندرون اور بیرون سٹین لیس سٹیل کی تہہ چڑھائی گئی ہے۔You Tube پر حال ہی میں اندرون کعبہ کی ایک وڈیو جاری کی گئی ہے جو واحد ویڈیو ہے جس میں اندرون کعبہ کے تمام تبرکات پہلی بار دکھائی گئے ہیں۔

معمورہ عرش معلیٰ آسمانوں پر شبیہ کعبہ

صحیح بخاری و صحیح مسلم شریف میں معراج نبوی ﷺ کے متعلق جو احادیث شریفہ موجود ہیں ان احادیث سے آسمان پر اللہ تعالیٰ کے تخت کے سامنے بیت المعمور کے واقع ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ سیر آسمان کے دوران عرش معلیٰ پر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کو بیت المعمور کی سیر بھی کرائی گئی۔ بیت المعمور آسمانوں پر خانہ کعبہ کی شبیہ ہے یا دوسرے لفظوں میں خانہ کعبہ کی شکل کی مسجد ہے جہاں ستر ہزار فرشتے روزانہ طواف کرتے اور نماز ادا کرتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح زمینی کعبہ کے گرد انسان شب و روز طواف میں مصروف رہتے ہیں۔ چونکہ بیت المعمور عرش معلیٰ پر واقع ہے اس لیے وہاں یہ عبادت ستر ہزار فرشتے روزانہ کرتے ہیں۔ جب فرشتوں کا ایک گروہ یہ عبادت کر کے چلا جاتا ہے پھر قیامت تک اس گروہ کو دوبارہ بیت المعمور میں عبادت کرنے کی باری نہیں ملتی جبکہ زمین پر بیت اللہ میں حاضری کی سعادت انسانوں کو ان کی مختصر سی زندگی میں کئی کئی بار ملتی ہے۔ یہ بات انسانوں کے لیے اشرف المخلوقات ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی فرشتوں کو بیت المعمور میں تا قیامت بار دیگر حاضر ہونے کی اجازت نہیں ملتی جبکہ حضرت انسان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ کئی بار بھی بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے لیے حاضر ہوسکتا ہے۔

محققین نے لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کے بالکل اوپر عرش معلیٰ پر بیت المعمور واقع ہے اور یہ خانہ کعبہ کے ہی مانند یا اس کی ایک آسمانی شبیہ ہے۔

سیلاب گریہ سے مرے دریا اگر چڑھا
ہوگا خرابہ وہ جو ہے معمورہ عرش کا

(ظفر)

کلید کعبہ

کلید کعبہ گزشتہ چودہ سو سال سے بنی شیبہ کے بزرگوں کی تحویل میں چلی آ رہی ہے۔ آج کل یہ شیخ عبدالقادر الشیبی کے پاس ہے۔ کلید کعبہ ایک 70 سنٹی میٹر طویل چابی ہے جس کے اوپر سونے اور پلاٹینم کے پانی سے نقش کا کام کیا گیا ہے۔ اسے ایک سبز کپڑے میں حفاظت سے رکھا جاتا ہے۔ کلید بردار کعبہ کو باقاعدہ طور پر سرکاری پروٹوکول دیا جاتا ہے اور سعودی حکومت ان کی حفاظت کے لیے پولیس کے چاق وچوبند نوجوان متعین کرتی ہے۔

کعبہ کے دروازہ کا موجودہ تالا اور چابی تقریباً تیس سال کے بعد نومبر 2013 میں تبدیل کیے گئے تھے۔ موجودہ چابی پر 18 قیراط سونے کا ملمع چڑھایا گیا ہے۔ اس چابی کے ایک طرف "شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز" رقم ہے جبکہ اسکی دوسری طرف سورہ آل عمران کی آیت اور سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۹۷ کندہ کی گئی ہیں۔

ہجرت نبوی سے کچھ سال پہلے رسول اللہ ﷺ اپنے چند صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مسجد الحرام میں تشریف لائے اور آپ نے چاہا کہ کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ آپ کے لیے کعبہ کا دروازہ کھول دے مگر اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے اس کو مخاطب کر کے کہا آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، خانہ کعبہ کا دروازہ کھول دو۔ عثمان بن طلحہ نے جواب دیا کہ اگر میں آپ کی رسالت پر ایمان لے آتا تو ضرور کھول دیتا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے بڑے تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا: "اے عثمان! ایک دن آئے گا جب تم دیکھو گے کہ بیت اللہ کی چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا اسے دوں گا۔" عثمان نے کہا اگر ایسا کوئی دن آیا تو وہ یقیناً قریش کے لیے ایک برا دن ہوگا اور قریش ذلیل وخوار ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے اس کی اس اس بات کے جواب میں فرمایا "نہیں بلکہ وہ دن قریش کے لیے بڑے عزت و افتخار کا دن ہوگا اور اس دن قریش کا وقار بلند ہوگا" آپ ﷺ کی یہ پیشگوئی فتح مکہ کے دن حرف بحرف سچی ثابت ہوئی۔ آپ ﷺ جب صحابہ کرامؓ کے ساتھ فاتحانہ شہر امین میں داخل ہوئے تو بیت اللہ میں داخل ہونے کے لیے حضرت علیؓ نے کلید کعبہ، عثمان بن طلحہ سے چھین کر کعبہ کا دروازہ آپ ﷺ کے لیے کھول دیا۔ آپ ﷺ نے

کعبہ میں داخل ہو کر سب سے پہلے دو رکعات نماز ادا فرمائی۔ ابھی آپ نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! یہ چابی مجھے عنایت فرمائیں کیونکہ پہلے ہی بنو ہاشم حاجیوں کو پانی پلانے کا فریضہ ادا کرتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ کلید برداری کا عہدہ بھی ہمیں حاصل ہو جائے۔ مگر آپ ﷺ کے چابی حضرت عباسؓ کے حوالے کرنے سے پہلے حضرت جبرائیلؑ سورہ النساء کی وہ آیات لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ اللہ تعالیٰ آپ کو تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے مالکوں کے حوالے کر دیں اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو۔ (النساء 58)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو عثمان بن طلحہ کو بیت اللہ کے دروازے کی چابی واپس کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت علیؓ نے اسے یہ چابی واپس دی تو اس نے کہا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو آپ نے یہ چابی مجھ سے واپس لے لی تھی، اب کیا ہوا کہ آپ اسے واپس کر رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے انھیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری امانت تمھیں لوٹانے کا حکم دیا ہے۔ حضرت علیؓ سے یہ سننے کے بعد عثمان بن طلحہ شیبی نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ سورۃ النسا کی آیت نمبر 58 واحد قرآنی آیت ہے جو خانہ کعبہ کے اندر نازل ہوئی۔ اس دن یعنی فتح مکہ کے دن سے یہ چابی بنو شیبہ کے بزرگوں کے پاس چلی آرہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے حکم کے احترام میں کسی مسلمان حکمران نے یہ چابی بنو شیبہ کے لوگوں سے واپس نہیں لی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ جبرائیلؑ حکم خداوندی لائے تھے کہ یہ چابی روز قیامت تک بنو شیبہ کے پاس رہے گی۔ 1400 سال سے یہ چابی بنو شیبہ کے افراد کی تحویل میں چلی آرہی ہے۔ آج سعودی عرب کا بادشاہ اور اس شاہی خاندان بھی اندرون کعبہ جانے کے لیے بنو شیبہ کے افراد سے اجازت اور چابی لیتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی امانت داری کا پاس کرتے ہیں۔

مسجد الحرام لائبریری

سعودی عرب کی حکومت نے عازمین حج اور زائرین مسجد الحرام کی علمی اور ادبی تسکین کے لیے مسجد الحرام کی دوسری منزل پر ایک لائبریری قائم کی ہے جس کا افتتاح یکم جون 2013ء کو گورنر مکہ المکرمہ جناب خالد فیصل نے کیا تھا۔ اس موقع پر ایک پروقار تقریب منعقد ہوئی تھی جس میں سعودی عرب کے دیگر حکام نے بھی شرکت کی تھی۔

اس جدید لائبریری کو کئی سیکشنوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں ڈیجیٹل لائبریری بھی شامل ہے۔ اس لائبریری میں آڈیو بکس اور نایاب مخطوطات تک کا علمی سرمایہ محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ اس لائبریری میں 30 ہزار کتب اور 200 سی ڈیز (CD) بھی استفادہ کے لیے رکھی گئی ہیں۔

اس لائبریری کا رقبہ 540 مربع میٹر ہے اور یہ مسجد الحرام کی دوسری منزل پر قائم کی گئی ہے۔ اس لائبریری کے دروازے صبح 8 بجے سے رات 10 بجے تک قارئین کے لیے کھلے رہتے ہیں تاہم اس لائبریری سے خواتین استفادہ نہیں کرسکتیں کیونکہ یہ صرف مرد حضرات کے لیے مخصوص ہے۔

مکہ میوزیم برائے تاریخ کا قیام

سعودی عرب کے کمیشن برائے فروغ سیاحت اور حصول نادر اشیا نے قطر الظاہر کے شاہی مہمان خانے کو مکہ کی تاریخ وثقافت سے متعلق ایک میوزیم میں تبدیل کرنے کا اعلان کیا اور اس میوزیم میں اس خطہ کی نادر اشیا اور کتب رکھ دی گئی ہیں۔ اس بات کا اعلان SCTA کے صدر پرنس سلطان بن سلیمان نے کیا۔ پرنس سلطان بن سلیمان نے جدہ کے ایک معزز شہری حاجی مقصود خوجہ کی طرف سے مکہ میوزیم کے لیے عطا کے گئے نایاب مخطوطات کو انتہائی قیمتی ادبی سرمایہ قرار دیتے ہوئے کیا۔ ان نایاب مخطوطات کے علاوہ SCTA کو سعودی عرب کے اندر اور باہر سے تقریباً 1400 قدیم اشیا اس میوزیم کے لیے وصول ہوئی ہیں جو انتہائی نایاب ہیں۔

حاجی مقصود احمد خوجہ کے عطا کردہ مخطوطات میں صحیح بخاری شریف کا 1166ء سے تعلق رکھنے والا ایک نسخہ شامل ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کے قدیم نسخے اور مکتب حنفی سے تعلق رکھنے والی قدیم کتب بھی شامل ہیں۔

اس میوزیم میں ایک نمائشی ہال، ایک وی آئی پی ہال، لیکچر ہال، لائبریری موجود ہے۔ نمائشی ہال میں مملکت سعودی عرب سے تعلق رکھنے والی نادر تصاویر، تاریخی عمارات کی تصاویر نمائش کے لیے رکھی گئی ہیں۔ اس کے عربی فن تعمیر سے متعلق تصاویر بھی موجود ہیں۔

مکہ کی ثقافت کو اجاگر کرنے کے لیے مکہ کے پرانے طرز کے بازار، عکاظ میلہ اور دیگر منڈیوں کی تصاویر کے علاوہ مکہ پر اصحاب الفیل کے حملے کو تصاویر کے ذریعے دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ عربی زبان کی خطاطی کے نایاب نمونوں کے ساتھ ساتھ مکہ کے علاقے میں پائی جانے والی جنگلی حیات اور ارضیات کے نمونوں کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس علاقے کی بدوی معاشرت کی بھی بڑی خوبصورت عکاسی اس میوزیم میں موجود ہے۔

جبل مکہ

مکہ شہر ایک پیالہ نما وادی میں آباد ہے اور اس کے درمیان بیت اللہ کی عمارت ضوفشانی کر رہی ہے۔ جغرافیہ دانوں کے مطابق مکہ شہر کے گرد تقریباً دو ہزار کے قریب پہاڑ واقع ہیں جن میں سے سب سے اہم پہاڑوں میں سے کوہ

ابوقبیس سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہ پہاڑ خانہ کعبہ کی مشرقی سمت میں واقع ہے اور خود خانہ کعبہ کی تعمیر اسی پہاڑ کے پتھروں سے ہوئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو پہاڑ زمین پر سب سے پہلے تخلیق کیا تھا وہ کوہ ابوقبیس ہی تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ طوفان نوحؑ کے دوران اللہ تعالیٰ نے حجر اسود کو اسی پہاڑ میں محفوظ کر دیا تھا۔ طوفان نوحؑ کے بعد یہی پہاڑ سب سے پہلے سطح زمین پر نمودار ہوا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب خانہ کعبہ کی تعمیر کی تو اسی پہاڑ کے پتھروں کو کام میں لائے تھے۔ بحکم اللہ اس پہاڑ پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے قیامت تک آنے والی روحوں کو حج بیت اللہ کرنے اور طواف کعبہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطا ہوئی تو آپ ﷺ نے اعلان نبوت اور دین اسلام کی دعوت بھی اسی پہاڑ پر کھڑے ہو کر دی تھی۔ یہی پہاڑ تھا جس پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے اپنی انگلی کے ادنی اشارے سے بحکم اللہ چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ دکھایا تھا۔

ابوقبیس کی چوٹی پر پہلے ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی جس کا نام مسجد بلال تھا لیکن وہ مسجد اب وجود نہیں رکھتی۔ موجودہ دور میں کوہ ابوقبیس میں حکومت سعودیہ نے حجاج کے منیٰ جانے کے لیے کئی سرنگیں تعمیر کر دی ہیں۔ یوں جبل ابوقبیس سے گزر کر حجاج منیٰ پہنچ جاتے ہیں۔ جبل ابوقبیس، صفا کی پہاڑی کے نزدیک عین بیت اللہ شریف کے بالمقابل واقع ہے۔ اس پہاڑ کو مکہ کے دیگر پہاڑوں سے افضل قرار دیا جاتا ہے۔ مکے کے نواح میں واقع دیگر پہاڑیوں کے نام اور بلندی یہ ہے۔ جبل اجیاد 1332 فٹ بلند، جبل قصیقان 1401 فٹ بلند، جبل حرا 2080 فٹ بلند۔ اسی پہاڑ پر آنحضرت ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ جبل ثور ۱۴۹۵ فٹ بلند سفر ہجرت کا آغاز اسی پہاڑ سے ہوا تھا۔ خود جبل ابوقبیس 1220 فٹ بلند ہے۔

مکہ۔زمین کا مرکزی مقام

مسلم جغرافیہ دان دنیا کے وہ پہلے نقشہ نگار تھے جنھوں نے دنیا کا پہلا نقشہ تیار کیا تھا۔ مسلم نقشہ نگاروں نے جنوب کو یا قطب جنوبی کو کرہ ارض کا بالائی حصہ دکھایا تھا۔ دنیا کے اس پہلے نقشہ میں کعبہ کو زمین کا مرکزی مقام دکھایا گیا تھا۔ جب یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا دور آیا تو یورپی نقشہ نگاروں اور جغرافیہ دانوں نے جو نقشہ عالم تیار کیا اس میں انھوں نے شمال کو دنیا کا بالائی حصہ دکھایا مگر الحمدللہ اس نقشہ میں بھی کعبہ کو زمین کا مرکزی مقام ہی دکھایا گیا تھا۔

مگر کچھ لوگ اس کے برعکس یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ زمین ایک کرہ ہے اس لیے اس کا مرکز اسکی سطح کی بجائے اس کے Core میں واقع ہوسکتا ہے۔ مگر حقیقت یہی کہ کہ جب ہم دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالتے ہیں تو کعبہ کی عمارت کے چاروں کونوں کو قطب نما کی Cardinal Direction کی سمت میں اشارہ کناں پاتے ہیں۔

کعبے کے رکن یا گوشہ ایک رکن یمانی اور دوسرا مشرقی کونہ ہے جہاں حجر اسود نصب ہے۔ یہ دونوں گوشے ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کیے گئے ہیں۔ جبکہ رکن عراقی اور دوسرا رکن قریش کے حطیم کو کعبہ کی عمارت کے باہر رکھنے کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ اس کے علاوہ حال ہی میں 21 اپریل 2008ء کو قطر کے دارالحکومت دوہا میں اسی سلسلہ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں مصر کی جامعہ الازھر کے ایک مندوب شیخ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے یہ نظریہ پیش کیا کہ دنیا کا صحیح معیاری وقت مکہ کا مقامی وقت ہے نہ برطانیہ کے گرین وچ نامی مقام کا مقامی وقت۔ اس کانفرنس میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ طول البلد اور عرض البلد سے یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ مکہ شہر میں کعبہ ہی دنیا کے مرکزی مقام پر واقع ہے۔ مکہ کا شہر زمین کے مرکز میں پڑتا ہے اور اسی خطہ پر واقع ہے جو زمین کے قطب شمالی اور قطب جنوبی کو باہم ملاتا ہے۔ اس کانفرنس کے شرکاء نے کانفرنس کے اختتام پر اس بات پر زور دیا کہ دنیا میں GMT کے بجائے مکہ کے مقامی وقت کو ہی یونیورسل ٹائم قرار دیا جائے۔

مکہ میٹرو سروس

اگست 2012ء میں سعودی عرب کی حکومت نے اعلان کیا تھا کہ 16.5 بلین امریکی ڈالر کے خرچ سے چار میٹرو ریلوے لائن بچھائی جائے گی جن کی طوالت 182 کلومیٹر یا 113 میل ہوگی۔گورنمنٹ کے مالیاتی مشیروں نے بتایا کہ اس منصوبے یعنی مکہ میٹرو سروس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں دس سال کا عرصہ لگے گا۔اس ٹرین پروجیکٹ کا افتتاح 13 نومبر 2010ء کو کیا گیا تھا اور یہ طے پایا تھا یہ سروس صرف حج کے مخصوص ایام میں صرف سات روز کے لیے چلائی جائے گی۔مکہ میٹرو لائن کے تین مین اسٹیشن ہیں۔مکہ۔منیٰ،عرفات اور مزدلفہ۔اس ریلوے منصوبے میں سٹینڈرڈ میٹر گیج لائن بچھائی گئی اور اس لائن پر دوڑنے والی ٹرین پر ایک وقت میں تین ہزار حجاج آرام سے سفر کر سکتے ہیں۔میٹرو سروس کے چلنے سے فوری طور پر تقریباً 1,75,000 حجاج کرام کو فائدہ پہنچا ہے اور اس منصوبے پر عملدرآمد کے بعد 53000 بسیں شاہراہوں پر جگہ گھیرنے سے نجات مل جائے گی۔اور میٹرو لائن کا منصوبہ 2019ء میں مکمل ہوگا اور اس منصوبے میں مکہ المکرمہ کے 22 مقامات پر میٹرو اسٹیشن تعمیر کیے جائیں گے۔

سعودی عرب کی حکومت کو تقریباً 30 لاکھ حجاج کرام کی سالانہ آمد کے بعد پبلک ٹرانسپورٹ کے گھمبیر مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور حجاج کرام کے لیے منیٰ،عرفات او مزدلفہ تک شاہراہوں پر پیدل چلنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ان گھمبیر مسائل کو حل کرنے کے لیے سعودی حکومت نے تقریباً سو سال کے بعد ملک میں ٹرینیں چلانے کا فیصلہ کیا ہے۔یاد رہے کہ 1916ء میں حجاز میں انقلاب سے پہلے مدینہ منورہ سے دمشق اور قسطنطنیہ تک سفر کیا جاتا تھا اور یہ ریلوے حجاز ریلوے کہلاتی تھی۔

الحرمین ہائی سپیڈ (الحرمین ریلوے پروجیکٹ)

الحرمین ہائی سپیڈ ریلوے پروجیکٹ کو "ویسٹرن ریلوے" یا مکہ مدینہ ہائی سپیڈ ریلوے" کے نام سے بھی دیا جاتا ہے۔ یہ ایک 453 کلومیٹر یا 281.5 طویل مین ریلوے لائن ہے جس کی ایک برانچ کنگ عبدالعزیز انٹرنیشنل ایرپورٹ جدہ تک چلی جائے گی جس سے دونوں مقدس شہر مکہ اور مدینہ شاہ عبدالعزیز انٹرنیشنل ایرپورٹ ریلوے کے نظام کے ذریعے جڑ جائیں گے۔ اس ریلوے لائنز پر بجلی کی قوت سے چلنے والی ٹرینیں 300 کلومیٹر یا 190 میل فی گھنٹہ سے دوڑیں گی۔ اس منصوبے کے تحت ریلوے لائنز بچھانے کا کام مارچ 2009ء میں شروع ہوگیا تھا۔ الحرمین ہائی سپیڈ ریلوے کے ذریعے تقریباً تیس لاکھ مسافر سالانہ سفر کر سکیں گے اور اس منصوبے کے ذریعے حجاج کرام اور زائرین عمرہ کو پرہجوم شاہراہوں پر سفر کرنے سے نجات ملے گی۔ اس ریلوے منصوبے کے تحت ایک مسافر صرف دس ریال کی ٹکٹ لے کر جدہ سے مکہ پہنچ سکے گا جبکہ مکہ اور مدینہ منور کے درمیان سفر کا کرایہ صرف 60 ریال رہ جائے گا۔ جدہ سے مکہ کے لیے ایک گھنٹہ میں سات ٹرینیں چلائی جائیں گی جبکہ مکہ مکرمہ سے ہر آدھ گھنٹے کے بعد ایک ٹرین مدینہ منورہ کے لیے چلائی جائے گی۔ مکہ سے مدینہ منورہ کا سفر تین گھنٹے اور چالیس منٹ میں طے ہوگا۔ یاد ہے کہ ریل کے ذریعے سفر کے دوران مکہ سے مدینہ منورہ کا فاصلہ تقریباً 445 کلومیٹر ہے۔ مکہ مدینہ روٹ پر کل پانچ اسٹیشن تعمیر کیے جائیں گے اور مجموعی طور پر اس روٹ پر 35 گاڑیاں چلائی جائیں گی جن میں سے ہر گاڑی میں دس سے بارہ بوگیاں لگی ہوں گی۔ اس ریلوے پروجیکٹ پر تقریباً 37.5 بلین سعودی ریال لاگت آئے گی۔ اس ریلوے کا افتتاح 2017ء میں متوقع ہے۔

عکاظ۔ثقافت مکہ کی عظمت کا نشان

طائف اور نخلة کے درمیان ایک نخلستان کا نام عکاظ ہے۔عربی لغات کے ماہرین عکاظ کو عکظ یعکظ سے مشتق قرار دیتے ہیں جس کے معنی ''روکنا'' کے ہیں۔اس کے دوسرے معنی ''جمع ہونا''، یا اجتماع کے ہیں۔اس لفظ کی یہ دونوں تاویلات اس پر مبنی ہے کہ عکاظ کی شہرت دراصل اس مقام پر سالانہ منعقد ہونے سالانہ میلے کی وجہ سے تھی جو یکم ذوالقعدہ سے 20 تاریخ تک منایا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ''مفاخرہ'' کی باضابطہ تقریب منعقد ہوتی تھی۔یعنی اس موقع پر قبائل ، بلکہ ایک ہی قبیلے کے مختلف گروہ اور افراد جمع ہوتے اور ہر فرد اپنی ذاتی شہرت اور اپنے قبیلے کی عظمت کے اظہار کے لیے شعر پڑھا کرتا تھا۔

یہی اجتماعات جہاں شعرا اپنے نظمیں پڑھتے اور بڑے بڑے میلے لگتے اور ان میلوں میں اشیائے تجارت کا مبادلہ ہوتا تھا۔یہ میلے جن میں عکاظ سب سے زیادہ مشہور تھا عرب میں زمانہ جاہلیت کی قومی زندگی کی معراج تسلیم کیے جاتے تھے اور عرب ثقافت کی عظمت کے نشان تھے۔مقدس مہینوں کے ایام صلح میں قبائل کے لیے حجاز کے سیاسی مسائل پر بحث وتبصرے کا موقع نکل آتا تھا۔تمیم اس میں شرکت نہیں کرتے تھے۔اسلام نے اس پشتینی اور شخصی نزاعات کی مذمت کی جس کے وجہ سے ان مواسم پر زوال آ گیا۔

عکاظ کے میلے کا آغاز پیدائش نبوی ﷺ سے پہلے مورخین کے نزدیک 530ء کے لگ بھگ ہوا تھا۔بچپن میں آنخضرت ﷺ نے اپنے چچا عباسؓ کے ساتھ کبھی کبھی اس میلے میں شرکت کی تھی۔صحابہ کرام میں سے حضرت عمرؓ بھی قبل از اسلام اس میلے میں شرکت کرتے تھے اور کشتیاں لڑتے تھے مگر بعد از اسلام ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ عکاظ کے میلے کی طرف جارہے تھے لیکن شرکت کیے بغیر ہی راستے سے واپس لوٹ آئے تھے۔واپسی کے سفر میں مقام نخلہ پر کچھ جن قرآن مجید کی تلاوت سن کر مبہوت ہو گئے تھے۔ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حضرت حکیم بن حزامؓ کے عکاظ کے میلے ہی سے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو خرید کر اپنی پھوپھی کی خدمت میں پیش کیا تھا اور انھوں نے حضرت زید کو آنحضور ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر دیا تھا۔

سحر وافطار کے وقت توپ کا داغا جانا

مکہ شہر کی قدیم روایات میں سحر وافطار کے وقت ماہ رمضان میں توپ کا داغا جانا شامل ہے۔ مکہ کے لوگ روزہ افطار کرنے سے پہلے اپنے گھروں کی کھڑکیاں اور دروازے کھلے رکھتے تھے تا کہ توپ کے داغے جانے کی آواز سن کر روزہ افطار کر سکیں۔ مملکت سعودیہ کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ شام کو روزہ افطار قدیم زمانے میں توپ داغنے جانے کی آوارز سن کر کیا جاتا رہا ہے۔

فی زمانہ توپ کو سحری سے پہلے اور سحری کے اختتام پر بھی داغا جاتا ہے کہ مکہ کے شہری سحری کے کھانے کی ابتدا اور انتہا کر سکیں۔ اس کے علاوہ افطار بھی روایت کے مطابق توپ کے گولے کے داغے جانے کی آواز سن کر کیا جاتا ہے۔ اسی طریق پر چلتے ہوئے مکہ میں عیدالفطر کے چاند کے دکھائی دینے کا اعلان بھی توپ کا گولہ داغ کر کیا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ کی یہ توپ سال بھر جنت المعلیٰ قبرستان کے قریب واقع ایک اسلحہ خانہ میں محفوظ رہتی ہے۔ رمضان شریف کی آمد سے ایک دن قبل اس توپ کو مسجد الحرام سے چار کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر نصب کر دیا جاتا ہے۔ توپ کے گولے داغنے کے لیے ایک توپچی اور ایک محافظ اس توپ کی نگرانی کے لیے ان ایام میں توپ کی حفاظت اور دیکھ بھال کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ عیدالفطر کے چاند کی رویت کا اعلان ہوتے ہی اس توپ سے سات گولے داغے جاتے ہیں۔ پھر اس توپ کو ایک مرتبہ پھر اسلحہ خانے میں محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ اس توپ کے گولے خصوصی طور پر بلند ارتعاش پیدا کرنے کے لیے تیار کیے جاتے ہیں اور ان کا وزن فی گولہ ڈیڑھ کلوگرام ہوتا ہے۔ توپ کے داغے جانے کے وقت مکہ کے افق پر دھواں بھی دور دور تک دکھائی دیتا ہے۔ ماہ رمضان میں اس توپ سے کل 150 گولے داغے جاتے ہیں جن میں افطار کے وقت کا ایک گولہ اور سحری کے وقت کے دو گولے شامل ہیں۔

مکہ مکرمہ کے اہم اور تاریخی مقامات

صفا و مروہ

ان پہاڑیوں کا ذکر حرم شریف کے متبرک مقامات کے عنوان کے تحت آ گیا ہے لہذا دیکھیے حرم شریف کے متبرک مقامات۔

منیٰ

مکہ کے مشرقی پہاڑوں میں واقع ایک مقام جو خانہ کعبہ سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حجاج کرام میدان عرفات کی طرف جاتے ہوئے 8 ذوالحجہ کو ایک رات کے لیے لازمی قیام کرتے ہیں۔۔ وادی منیٰ ایک تنگ پہاڑی وادی میں واقع ہے جو مغرب سے مشرق کی طرف جاتی ہے۔ بقول برک ہارٹ اس کا طول 1500 قدم ہے اور یہ چاروں طرف سے سنگ خارا کی خشک پہاڑیوں سے گھری ہوئی ہے۔ اسکے شمال کی جانب ایک پہاڑی بلند ہوتی چلی گئی ہے جسے جبل شبیر کہتے ہیں۔ مکہ سے مسافر ایک پہاڑی راستے سے اس وادی میں آتے ہیں۔ یہ مقام عقبیٰ کہلاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اور اہل مدینہ کے درمیان پہلی گفت و شنید اور بیعت اسی مقام پر ہوئی تھی۔ یہ بیعت تاریخ اسلام میں بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے۔ منیٰ میں ہر سال حج کے ایام میں ایک عارضی شہر خیام آباد ہو جاتا ہے جس کی آبادی آج کل تیس لاکھ تک جا پہنچتی ہے جو دنیا کے کسی بڑے شہر کی آبادی کے برابر ہے۔ ایام حج میں تا حد نظر خیمے ہی خیمے دکھائی دیتے ہیں۔ اس میدان میں فرزندان توحید ایک ہی لباس، احرام میں ملبوس نظر آتے ہیں۔ وادی منیٰ میں حجاج کرام پانچ نمازیں 8 ذوالحجہ کے وقت نماز ظہر سے لے کر 9 ذوالحجہ کی نمار فجر تک ادا کرتے ہیں پھر بعد از نماز فجر وہ میدان عرفات میں وقوف کرنے کے لیے نکل جاتے ہیں۔

وادی منیٰ کا رقبہ تقریباً بیس کلومیٹر ہے۔ 10 ذوالحجہ کو حجاج واپس منیٰ کے شہر خیام میں واپس آجاتے ہیں اور 10 سے 13 ذوالحجہ تک شیطان کو کنکریاں مارتے اور قربانی کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں 100 اونٹ قربان کیے تھے جن میں سے 63 آپ نے خود ذبح فرمائے تھے اور بقایا 37 اونٹ حضرت علیؓ نے ذبح کیے تھے۔ یاد رہے قربانی حضرت اسماعیلؑ کا ابراہیمی واقعہ بھی اسی وادی میں پیش آیا تھا اور اسی وادی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کے فدیے کے طور پر حضرت ابراہیمؑ کو مینڈھا عطا فرمایا تھا اور قربانی کی رسم ابراہیمی کی ابتدا ہوئی تھی۔

منیٰ کی حد مکہ کے قریب واقع ایک گھاٹی سے شروع ہوتی ہے جہاں آخری جمرے عقبہ کا ستون کھڑا ہے۔ جب ہم وادی منیٰ کی آخری مشرقی حد پر پہنچتے ہیں تو راستے کے دائیں طرف ہمیں ایک چوکور مسجد نظر آتی ہے۔ یہ مسجد خیف ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اسی مسجد میں نماز پڑھائی تھی۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ منیٰ کی بعض رسومات کا پتہ ایام عہد جاہلیت سے چلتا ہے۔ قدیم عرب شعرا بھی مجمل طور پر ان رسومات کا ذکر اپنے کلام میں کرتے ہیں۔ وہ رسوم اسلامی معاشرے سے کسی حد تک مشابہ تھیں مثلاً یہاں تین دن قیام کیا جاتا تھا اور پتھر پھینکنے کی رسم یعنی رجم بھی بہت قدیم ہے۔ حج کی تکمیل اسلامی شعار کے مطابق بھی منیٰ کے سہ روزہ قیام یا ایام تشریق سے ہوتی ہے۔

عرفات

مکہ المکرمہ سے جنوب مشرق میں تقریباً 21 کلومیٹر کے فاصلے پر میدان عرفات واقع ہے جو 9 ذوالحجہ کو حجاج کرام کی وقوف گاہ اور جائے دعا ہے۔ اس میدان میں جبل عرفات واقع ہے جو ایک قیمتی پتھر گرینائٹ کا پہاڑ ہے اور سطح سمندر سے 230 فٹ بلند ہے۔ اسے جبل رحمت بھی کہا جاتا ہے۔ اسی پہاڑی پر سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی زندگی کا آخری خطبہ حج ارشاد فرمایا تھا۔ آپ کے سامعین ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہ کرام تھے۔ روئے زمین پر ایسا منظر پھر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

روایت ہے کہ میدان عرفات میں حضرت آدمؑ کی ملاقات حضرت حوا سے ہوئی تھی۔ یہ ان دونوں والدین انسانیت کی آسمانی جنت سے نکالے جانے کے بعد زمین پر پہلی ملاقات تھی۔ عرفہ کے معنی عربی زبان میں پہچاننے کے شاید آدم وحوا کے ایک دوسرے کو پہچان لینے کی وجہ سے پڑے تھے۔ حضرت آدم وحوا کے اسی ملاپ کے بعد بنی نوع انسان کا آغاز ہوا تھا۔ اسی میدان میں ہر سال 9 ذوالحجہ کو حجاج کرام اکٹھے ہو کر اللھم لبیک کی صدا بلند کرتے ہیں اور دربار خداوندی میں اپنی حاضری کا اقرار کرتے ہیں اور سارا دن اسی میدان میں وقوف کر کے غروب آفتاب تک اللہ تعالیٰ کے حضور میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ مغفرت طلب کرتے ہیں۔ حجاج کرام کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی

ہوجائے۔اللہ تعالیٰ بھی اس دن اپنی رحمتیں بے شمار نازل کرتا ہے۔یاد رہے کہ 9 ذوالحجہ کو عرفات میں حاضر ہونا ہی مناسک کی شرط اولین ہے۔اگر اس میدان میں کوئی شخص اس موقع پر حاضر نہ ہوتو وہ ہرگز حاجی کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا۔9 ذوالحجہ کی شب اسی میدان میں قیام کرنے کے بعد صبح نماز فجر کے بعد حجاج کرام واپس منیٰ کا رخ کرتے ہیں۔

جبل رحمت کی مشرقی سمت میں پتھر کی کشادہ سیڑھیاں ہیں جو اتابک زنگی کے وزیر جمال الدین الجاوید نے تعمیر کرائی تھیں۔یہ سیڑھیاں جبل الرحمۃ کی چوٹی تک چلی گئی ہیں۔چوٹی پر ایک منارہ بھی بنا ہوا ہے۔ساٹھویں سیڑھی پر ایک چبوترا بنا ہوا جس پر ایک منبر بھی رکھا ہوا ہے۔اسی منبر پر کھڑے ہوکر خطیب آنحضرت ﷺ کی تقلید میں یوم عرفہ (نویں ذوالحجہ) کو بعد از ظہر خطبہ پڑھتا ہے۔

عرفات کا میدان شرقاً غرباً عرض میں چار میل کے قریب ہے اور طول میں تقریباً سات آٹھ میل ہے۔یاد رہے کہ حرم مکہ یعنی حدود حرم کے باہر واقع ہے۔مکہ سے آنے والے عازمین حج درہ مازین سے نکل کران ستونوں کے پاس سے گزرتے ہیں جو حدود حرم کی حد بندی کرتے ہیں۔ان ستونوں کے مشرق میں عرنہ نامی نشیب کے ایک کونے میں ایک مسجد واقع ہے جو مسجد نمرہ، مسجد ابراہیم اور مسجد عرفہ کے ناموں سے یاد کی جاتی ہے۔موقف یا مقام اجتماع اس مسجد سے جانب مشرق اور جبل رحمت سے مغرب کی جانب دور تک چلا گیا ہے۔اسلام کی ابتدائی سالوں میں یہاں کئی کنویں کھودے گئے تھے اور متعدد باغوں اور رہائشی مکانوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ملکہ زبیدہ کے حکم پر طائف سے مکہ کو سیراب کرنے کے لیے جو نہر زبیدہ نکالی گئی تھی وہ جبل عرفات کے دامن میں بہتی تھی۔وقوف عرفات حج بڑا ضروری رکن ہے بلکہ ایک روایت کے مطابق تو حج عرفات میں ٹھہرنے کا نام ہی ہے۔

مزدلفہ

9 ذوالحجہ کو جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو شہر حجاج جو پورے دن میدان عرفات میں آباد تھا مغرب کے وقت مزدلفہ کی جانب رواں ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مناسک حج کی ادائیگی کے دوران عرفات سے روانگی کے بعد مزدلفہ میں ٹھہر کر اللہ کو یاد کرنے کی ہدایت قرآن میں اس طرح دی ہے۔:''پھر جب عرفات سے چلو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس ٹھہر کر اللہ کو یاد کرو اور اسی طرح یاد کرو جس کی ہدایت اس نے تمھیں دی ہے ورنہ اس سے پہلے تو تم بھٹکے ہوئے تھے۔(البقرہ 198)

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَـرَامِ وَ اذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ

وادی مزدلفہ وادی محسر اور میدان عرفات کے درمیان واقع ہے۔یہ وادی طولاً 4.5 کلو میٹر ہے اور

12.25 مربع کلومیٹر وسیع ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر وقوف عرفات کے بعد اس وادی میں پہنچنے کے بعد نماز مغرب اور نماز عشا کو اکٹھی ملا کر پڑھا تھا۔ حجاج کرام آج بھی عرفات سے واپس کے وقت نویں اور دسویں ذوالحجہ کی درمیانی رات یہاں پہنچ کر مغرب اور عشا کی نمازیں اکٹھی پڑھتے ہیں اور پھر تمام رات بھی اسی مقام پر بسر کرتے ہیں۔ اگلی صبح نماز فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے روانہ ہو جاتے ہیں۔ اس مقام کو مزدلفہ کہنے کی کئی وجوہات محققین نے لکھی ہیں ان:

(1) میں سے ایک یہ ہے یہاں مغرب، عشا اور فجر کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں اور قرب خداوندی حاصل کیا جاتا ہے کہ مزدلفہ کے معنی اقتراب و اجتماع کے ہیں کیونکہ یہ مادہ زلف سے بنا ہے۔ صحیح بخاری شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ المزدلفہ اور ''جمع'' ہم معنی ہیں۔ المزدلفہ میں قیام، عبادت اور ذکر الٰہی مناسک حج میں سے ہیں۔ مزدلفہ میں ایک مقدس مقام جبل قزح ہے، اسے مشعر الحرام بھی کہتے ہیں۔ یوم النحر کی صبح یہاں دعا کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ یہاں دعا کے لیے وقوف مستحب امر ہے۔ مسلم اور غیر مسلم سیاحوں نے مزدلفہ میں ایک اونچے قبے کا ذکر کیا ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں یہاں شمعیں روشن کی جاتی تھیں۔

وادی محسر

جب حجاج کرام مزدلفہ سے منی کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو انھیں ایک کھلے اور وسیع میدان سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے جو مزدلفہ اور منی کے درمیان واقع ہے۔ یہ میدان یا داوی وادی محسر ہے۔ یہ وہی مشہور مقام ہے جہاں کعبہ مشرفہ پر حملہ کرنے کی نیت سے آنے والے یمن کے حبشی حکمران ابرہہ کا لشکر اللہ تعالیٰ نے ابابیل کے پنجوں سے کنکریاں گرا کر تباہ کر دیا تھا۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن کریم میں سورہ الفیل میں آیا ہے۔ مورخین کے مطابق ابرہہ نے نعوذ باللہ کعبہ مشرفہ کو تباہ و برباد کرنے کے لیے یہ حملہ ولادت نبوی سے صرف چند ماہ پہلے کیا تھا۔ تاریخ عرب میں اس سال کو ابرہہ کے حملہ آور ہاتھویں کی نسبت سے ''عام الفیل'' کہا جاتا ہے۔ ابرہہ جب یمن سے اپنے لشکر کے ساتھ چل کر مکہ کے باہر وادی محسر میں پہنچا جو منی اور مزدلفہ کے درمیان واقع ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابابیل جیسے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول بحیرہ قلزم کی طرف اپنی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں اٹھائے ہوئے ابرہہ کے لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ ان پرندوں نے وہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر پھینک دیں جس سے لشکر کی حالت کھائے ہوئے بھوسے سے ابتر ہو گئی اور یوں ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ اس لیے اس جگہ حاجیوں کو ٹھہرنے سے منع کیا گیا۔۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ شیاطین کا ٹھکانا ہے یہاں سے تیزی سے گزرنا بہتر ہے۔

یہ واقعہ 570ء میں پیش آیا تھا۔ مورخین کے مطابق ولادت نبی اس اقعہ کے 52 یا 53 دن بعد ہوئی تھی۔ اس

پر ہیبت واقعہ کے بعد پورے جزیرہ نمائے عرب میں کعبہ کا احترام بے حد بڑھ گیا کہ یہ خدا کا وہ گھر ہے جس کی حفاظت خود خدا نے کی تھی۔

جمرات

یہ عربی لفظ جمرۃ کی جمع ہے۔ جمرۃ کے لغوی معنی کنکری کے ہیں۔ یہ نام وادی منیٰ کے ان تین مقامات کو دیا گیا ہے جہاں حجاج کرام مناسک حج کی ادائیگی کے دوران عرفات سے واپس ہوتے ہوئے ٹھہرتے ہیں اور وہاں شرعی حکم کے مطابق کنکریاں پھینکنے میں شریک ہوتے ہیں۔ ان مقامات کا نام جمرہ یا تو اس وجہ سے پڑ گیا کہ وہاں کنکریاں پھینکی جاتی ہیں یا خود کنکریوں کے ڈھیر کی وجہ سے یہ نام رکھ دیا گیا جو ان مقامات پر حجاج کرام کے کنکریاں پھینکنے کی وجہ سے جمع ہو جاتا ہے۔ عرفات سے چل کر حجاج پہلے الجمر ۃ اولیٰ پر پہنچتے ہیں پھر وہاں سے 150 میٹر آگے آ کر الجمر ۃ وسطی پر پہنچ کر کنکریاں پھینکتے ہیں۔۔ یہ دونوں جمرات منیٰ کے بڑے بازار کے عین بیچ میں واقع ہیں۔ پھر پتھر کی چنائی کا ایک چوگوشہ ستون اور اس کے گرد ایک چھوٹا سا حوض بنا ہوا ہے جس میں کنکریاں گرتی ہیں۔ پھر جہاں سڑک منیٰ سے نکل کر پہاڑوں پر چڑھتی ہوئی مکہ کی طرف بڑھتی ہے حجاج جمرۃ العقبہ پر پہنچتے ہیں۔ اس کو حدیث شریف میں ''الکبریٰ'' کہا گیا ہے۔ اس میں ایک دیوار اور ایک حوض ہے جو زمین میں کھلا ہوا ہے۔ یاد رہے پہلے دو جمرات کے ستون اور تیسرے جمرے کی دیوار کو لوگ ابلیس یا شیطان کہتے ہیں۔ ان تینوں جمروں کو بعض اوقات ''المحصب'' بھی کہا جاتا ہے۔ رمی الجمار کو اسلام کے مذہب فقہ واجب قرار دیتے ہیں۔۔ رمی کے متعلق مذہب میں جو ہدایات دی گئی ہیں ان کی خلاف ورزی کرنے والے پر کفارہ کی صورت میں ایک زائد جانور کی قربانی تک واجب ہو سکتی ہے۔ 10 ذوالحجہ کر عید کی قربانی سے پہلے حاجی کو سات سات کنکریاں مارنا ہیں۔ 11 کو عموماً زوال اور غروب شمس کے دوران وہ ہر جمرہ پر باری باری جاتا ہے اور ہر جمرہ پر سات کنکریاں پھینکتا ہے۔ جمرات پر رش زیادہ ہونے کی وجہ سے اکثر حادثات رونما ہوتے رہے ہیں۔ اس لیے سعودی عرب کے حکام حجاج کو ان حادثات سے بچانے کے لیے جمرات تک پہنچنے کے لیے ذرائع کو بہتر بنانے کی کوششیں کرتے رہے ہیں اور اس کے لیے کئی منزلہ پل یا راستے تعمیر کیے گئے ہیں۔

جمرات پر کنکریاں مارنا دراصل شیطان کو کنکریاں مارنا ہے جو ایک رسم ابرہیمی ہے۔ جمار ثلاثہ وہ تین مقام بتائے جاتے ہیں جہاں حضرت ابراہیم کو شیطان کا سامنا ہوا تھا جو حضرت اسماعیلؑ کی قربانی سے انھیں باز رکھنا چاہتا تھا۔ انھوں نے دل میں اٹھنے والے ہر وسوسے کو دفع کیا اور شیطان کو پتھر مار کر دور بھگایا تھا اور یوں شیطان کے بہکاوے میں نہیں آئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ کو پیش آنے والے اس واقعہ کی یاد کو برقرار رکھنے کے لیے مناسک حج میں کنکریاں پھینکنا لازم قرار پایا ہے۔

مولد رسول ﷺ

جبل ابوقبیس کے دامن میں مکہ المکرمہ کا ایک محلہ ''قشاشیہ'' واقع تھا جس کی ایک گلی کا نام ''سوق اللیل'' تھا۔ اسی گلی میں تاریخی مکان واقع تھا جس میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے 12 ربیع الاول عام الفیل کو بمطابق 22 اپریل 571ء کو بروز سوموار آنکھ کھولی تھی۔ یاد رہے کہ مورخین کے مطابق خاندان نبوی کے جداعلی حضرت اسماعیل بھی مکہ کے اس محلے میں رہتے تھے۔ نبی اکرم کے عالی مرتبت دادا حضرت عبدالمطلب کا مکان بھی اسی محلہ میں تھا جبکہ والد گرامی قدر حضرت عبداللہ کا ذاتی مکان بھی اسی محلہ میں تھا۔ اسی مکان میں نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ آج کل اس مکان پر ایک کتب خانہ قائم ہے۔ اس جگہ تک آسانی سے پہنچنے کا طریقہ یہ ہے کہ مروہ کی پہاڑی کے قریب واقع مسجد الحرام کے کسی دروازے سے نکل کر اگر دائیں ہاتھ پر واقع پہاڑی کے نیچے کے مکانات کے ساتھ چلتے ہوئے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر آپ کو بآسانی مولد رسول نظر ﷺ آ جائے گا۔ اب اس جگہ واقع دو منزلہ عمارت کی پیشانی پر'' مکتبہ مکہ المکرمہ'' لکھا ہوا ہے۔

دار الندہ

عہد نبوی ﷺ اور اس سے پہلے کی مکہ معظمہ میں ایک قسم کی شہری جلسہ گاہ یا دار المشاورت۔ دار الندوہ کی عمارت کعبہ شریف کے شمال میں اس چوک کے دوسری جانب تھی جس میں طواف ہوا کرتا تھا۔ یہ مکہ کے معززین اور شرفا کے جمع ہونے کی جگہ تھی۔ ایک روایت کے مطابق دار الندوہ کو قریش کے جد امجد حضرت قصی نے آنحضرت ﷺ کی ولادت سے تقریباً 150 سال پہلے تعمیر کرایا تھا۔ ان کے بعد یہ عمارت عبدالدار کی اور پھر عبد مناف اور اس کے بیٹے ہاشم اور ہاشم کی اولاد کی وراثت میں آئی۔ کہتے ہیں کہ ظہور اسلام سے پہلے مکہ کی شہری ریاست کے تمام اہم کام اسی عمارت میں انجام پاتے تھے۔ مثلاً شادی بیاہ، جنگی مجالس، امور عامہ پر مشاورت، شادی کے قابل لڑکیوں کی پوشاک کا انتظام، لڑکوں کا ختنہ، جنگ کے لیے علم کی تفویض یہیں سرانجام پاتے تھے۔ محققین کے مطابق مکہ کے اسی مقام یا اس کے سامنے والے چوک سے ہی مکہ کے تمام تجارتی قافلے بیرونی سفر پر روانہ ہوتے تھے اور واپسی پر بھی یہیں آ کر ٹھہرتے تھے۔ کئی مغربی محققین کے مطابق عہد قدیم میں دار الندوہ محض دنیاداروں کی غیر مذہبی رسوم کی ادائیگی کی جگہ نہیں تھی بلکہ یہ مکہ کی ایک مقدس عمارت تھی جو مذہبی نوعیت کی تمام معاشرتی رسوم وضع کرنے کا کام دیتی تھی مگر یہ محض قیاس معلوم دیتا ہے کیونکہ دار الندوہ ظہور اسلام کے بعد بھی باقی رہا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اسے خرید لیا اور بعد ازاں یہ حج کے دوران خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس کی اقامت گاہ کا کام دیتی تھی۔۔ تیسری صدی ہجری میں اس عمارت کو عباسی خلیفہ المعتضد نے حرم میں شامل کر دیا

تھا۔یاد ہے تاریخ اسلام میں دارالندوہ مخالفین نبوی کی مشاورت گاہ تھی اور کفار قریش نے ہجرت سے کچھ پہلے اسی جلسہ گاہ میں وہ سازش تیار کی تھی جس کا مقصد نبی کریم ﷺ کو قتل کرنا تھا۔دشمن اسلام ابوجہل نے اس اجلاس میں یہ قرارداد پیش کی تھی کہ نعوذ باللہ اگر محمد ﷺ کو ہر قبیلے کے نوجوان مل کر قتل کریں تو بنی ہاشم مواخذہ نہ کر سکیں گے۔

دار ارقمؓ

آج کل جہاں حجاج کرام اور زائرین عمرہ طواف کعبہ کے بعد سعی کرتے ہیں یعنی صفا کی پہاڑی کے دامن میں دارارقم واقع تھا۔دارارقم مکہ کا وہ مقام تھا جہاں آنحضرت ﷺ نے اسلام کے آغاز میں خفیہ انداز میں تبلیغ کا فریضہ سر انجام دیا تھا۔حضرت ابوعبداللہ، ارقمؓ بن ابی ارقمؓ کا گھر تھا۔نبی کریم ﷺ کو حضرت ارقمؓ پر مکمل اعتماد اور کامل بھروسا تھا۔اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ان کا گھر مرکز تبلیغ کے طور پر منتخب فرمایا تھا۔یاد رہے کہ حضرت ارقمؓ کا شمار سابقون الاولون میں ہوتا ہے۔جب آنحضرت ﷺ نے دارارقم میں تبلیغ کا کام شروع کیا تھا تو اس وقت تک مکہ کے صرف تیس افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔دارارقم چونکہ ایک ایسی جگہ واقع تھا جہاں عام لوگوں کا گزر نہیں ہوتا تھا اسی وجہ سے یہ دارالتبلیغ کے طور پر منتخب کیا گیا تھا۔۔اس کے انتخاب کی ایک دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت ارقم قبیلہ بنومخزوم سے تعلق رکھتے تھے اور ان دنوں بنوہاشم اور بنومخزوم کے درمیان تعلقات کشیدہ ہونے کی وجہ سے ان کا آپس میں آنا جانا نہیں تھا۔دوسرے کم عمری کی وجہ سے حضرت ارقمؓ کے پاس مکہ کی شہری ریاست کا کوئی عہدہ نہیں تھا۔حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ دارارقم ہی میں پیش آیا۔مکہ کے لوگوں میں عمر بن ہشام (ابوجہل) اور عمر بن خطاب بہت بہادر اور جری تسلیم کیے جاتے تھے۔آنحضرت ﷺ چاہتے تھے کہ ان دو عمروں میں سے کوئی ایک اسلام کی تائید ونصرت کا کام انجام دے۔اسی وجہ سے آپ نے دعا فرمائی تھی جو حضرت عمرؓ بن خطاب کے حق میں قبول ہوئی اور حضرت عمرؓ حضور کے قتل کے ارادے سے نکل کر دارارقم پہنچنے کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔دارارقم کو اسلام کی اولین یونیورسٹی کا مقام حاصل تھا۔اسی مقام پر حضرت صہیب رومی، حضرت مصعب بن عمر اور حضرت عمار بن یاسر جیسے صحابہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا گھر

مسجد الحرام کی شمالی سمت میں مکہ کا ایک قدیم اور مشہور بازار سوق اللیل واقع ہے۔ اگر ہم باب المروہ سے باہر نکلیں تو یہ بازار بائیں طرف پڑتا ہے۔ اس قدیم بازار سے ذرا آگے مکہ کا صرافہ بازار ہے جہاں سونے کے زیورات کی بہت سی دوکانیں ہیں۔ صرافہ بازار سے اگر دائیں طرف مڑا جائے تو عین سامنے مکہ کا ایک تاریخی مقام واقع ہے۔ یہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا گھر ہے جو کہ اب تو وہاں موجود نہیں ہے مگر وہ جگہ ضرور موجود ہے جہاں یہ تاریخی گھر موجود تھا حضرت خدیجہؓ کی وفات اور ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ گھر حضرت عقیلؓ کی ملکیت میں آیا تھا۔ ام امومنین سیدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ اولین زوجہ محترمہ ہیں جن کی زندگی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہیں کی۔ یہ سیدہ کا احترام تھا یا ان کی محبت کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے 28 سال ان کے ساتھ بسر کیے اور کسی خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ یہ 28 سال حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے اسی مکان میں بسر ہوئے تھے جو سوق اللیل کے قریب واقع تھا۔ یہی وہ گھر تھا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ اولادیں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا محترم حضرت ابو طالب کے گھر سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اس گھر میں منتقل ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں مکہ سے ہجرت تک قیام پذیر رہے۔ اس گھر میں پیدا ہونے والی حضور کی صاحب زادیوں کے نام یہ ہیں:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ ان صاحبزادیوں کے علاوہ آپ کے صاحب زادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اسی گھر میں پیدا ہوئے۔ دونوں صاحب زادے کم سنی ہی میں وفات پا گئے تھے مگر تمام صاحب زادیاں اللہ کے فضل سے زندہ و سلامت رہیں اور انھوں نے اپنے والد گرامی قدر کا زمانہ

نبوت پایا اور اسلام قبول کیا۔ تمام صاحب زادیوں نے حضرت سیدہ فاطمہ ؓ کے سوا آنحضرت ﷺ کی زندگی میں وفات پائی۔ سیدہ فاطمہ ؓ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں اور انھوں نے چھ ماہ بعد وفات پائی۔

سیدہ خدیجہؓ کے اس گھر میں جو اہل خانہ رہتے تھے ان میں ایک حضرت ام ایمنؓ تھیں جو حضور ﷺ کو اپنے والد گرامی قدر حضرت عبداللہ سے ورثہ میں ملی تھیں۔ حضور ﷺ کبھی کبھی انہیں ''والدہ'' کہہ کر پکارتے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت زید بن حارثہؓ جنھیں حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حضرت حکیم بن حزامؓ نے عکاظ کے میلے سے خرید کر اپنی پھوپھی کو پیش کیا تھا جبکہ سیدہؓ نے انھیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت زید بن حارثہؓ حضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے یا متبنی تھے۔ ان کے علاوہ اس گھر میں حضرت سیدنا علیؓ رہتے تھے جنھیں حضور ﷺ نے اپنے چچا کے معاشی بوجھ کم کرنے کے لیے اپنی پرورش میں لے لیا تھا۔ یاد رہے جب غار حرا میں حضور ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ غار حرا سے سیدھے اسی گھر میں تشریف لائے تھے اور آپ نے سیدہ سے چادر اوڑھانے کی فرمائش کی تھی اور سیدہؓ نے آپ کو ایک چادر اوڑھا دی تھی۔ جب آپ ﷺ کو کچھ سکون قلب محسوس ہوا تو آپ نے سیدہؓ کو غار حرا میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کیا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے خطرہ محسوس ہوا ہے۔ سیدہ خدیجہؓ نے جن الفاظ میں آپ ﷺ کی تشفی دی وہ کتب سیرت میں موجود ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ خدا آپ کو ہرگز شرمندہ نہیں کرے گا کہ آپ غریبوں کے ملجا و ماویٰ ہیں اور مسافروں کا خیال رکھتے ہیں، یتیموں سے شفقت سے پیش آتے ہیں۔ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ اس کے بعد سیدہ آپ کی نبوت پر ایمان لے آئیں اور انھوں نے خواتین میں سب سے پہلے اسلام قبول فرمایا۔

شعب ابی طالب میں مقاطع کے ایام نے سیدہ خدیجہ ؓ کی صحت کو شدید نقصان پہنچایا اور اس مقاطع کے ختم ہونے کے کچھ ہی دن بعد حضرت خدیجہ ؓ نے سرکار دوعالم ﷺ کو داغ مفارقت دے دیا۔ اسی سال حضرت ابوطالب نے بھی وفات پائی جس کے بعد حضور ﷺ کو ہجرت کرنا پڑی۔ ہجرت کی رات حضرت علی ؓ اسی گھر میں حضور ﷺ کے بستر مبارک پر سوئے تھے۔ پھر ہجرت کی رات ہی حضور ﷺ اس گھر کو خدا حافظ کہہ کر نکلے اور مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ جب گھر سے نکلے تو آپ سورہ یسین کی آیت نمبر 9 وَ جَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِھِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ○ تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے مٹی اٹھا کر کفار کے چہروں پر پھینکی اور وہ آپ کو گھر سے نکلتا نہ دیکھ سکے۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا گھر

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جڑواں بہن تھیں۔ان کی ولادت 10 قبل از نبوت میں ہوئی تھی۔وہ طلوع اسلام کے وقت تقریباً دس سال کی تھیں۔اگر چہ ان کی والدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کر چکی تھیں مگر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے اسلام کے اظہار کو اعلان کی نوبت 8ھ/630ء سے پہلے نہ آ سکی۔حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا نکاح ھبیرہ بن ابی وھب المخزومی سے ہوا تھا۔اس وقت جناب ابوطالب حیات تھے۔الکلبی سے روایت ہے (بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوطالب کے پاس حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام نکاح بھجوایا تھا لیکن حضرت ابوطالب نے ان کا نکاح ھبیرہ بن ابی وھب سے کر دیا۔فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اے ام ہانی رضی اللہ عنہا! جسے تو نے امان دی اسے ہم نے امان دی۔حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا مدینہ منورہ جانا مورخین کے نزدیک ثابت نہیں۔

کچھ سیرت نگاروں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر آرام فرما رہے تھے۔ کچھ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں آرام فرما تھے۔عہد نبوی میں ام ہانیؓ کا یہ مکان عین اس جگہ موجود تھا جہاں آج حرم پاک کا باب نمبر 95 واقع ہے۔ابواب و مسجد حرام کے تحت یہ ذکر آ چکا ہے کہ پہلے اس باب کا نام باب ام ہانی تھا مگر آج کل اسے صرف گیٹ نمبر 95 کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔باب عبدالعزیز کے اندرونی طرف ایک چبوترے پر دو سرخ رنگ کے ستون جو دوسرے ستونوں سے نسبتاً کم موٹائی رکھتے ہیں اس مقام کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں شب معراج کو حضرت جبرائیل نے براق کو باندھا تھا۔یہی وجہ ہے کہ جہاں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا گھر تھا حرم شریف کی توسیعات کے دوران یہ گھر حرم شریف میں شامل کر دیا گیا اور آج گیٹ نمبر 95 اس کی جگہ پر موجود ہے۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے 46 احادیث مروی ہیں جن میں سے چند ایک صحیحین میں شامل ہیں۔یہ بھی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تلاوت کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی آواز حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں بھی سنائی دیتی تھی۔

کاشانہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مکہ المکرمہ میں جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر واقع تھا وہ جگہ آج کل مکہ ٹاور ہوٹل میں شامل کر دی گئی ہے۔اس کثیر منزلہ ہوٹل میں اس نسبت سے چوتھے فلور پر ایک مسجد تعمیر کی گئی ہے جو مسجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہلاتی ہے جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر واقع تھا وہ مکہ کا مشہور محلہ مسفلہ ہے۔اگر مسجد حرام کے باب عبدالعزیز سے باہر نکلا جائے تو سامنے ایک ڈھلوان دار سڑک واقع ہے۔اسی سڑک پر مکہ ٹاور بلاک ہوٹل واقع ہے۔یہ جگہ حرم شریف سے صرف پانچ منٹ کی مسافت پر واقع ہے۔

جب قریش مکہ نے دارالندوہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش تیار کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سازش کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی حضرت جبرائیل کے ذریعہ کر دی جس ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدینہ کے ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا۔ہجرت کا حکم ملتے ہی اسی دن دوپہر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاشانہ ابوبکر صدیقؓ تشریف لے گئے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو آنحضرت کی رفاقت میں ہجرت کرنے کی آرزو رکھتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے وقت آمد سے جان گئے کہ ہجرت کا حکم آ پہنچا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لانے کے فوراً بعد دریافت فرمایا کہ کیا اس وقت گھر میں کوئی اجنبی بھی موجود ہے؟ آپ کو جب بتایا کہ سوائے حضرت ابوبکر صدیق اور آپ کی دختران اور بیوی کے کوئی اور اس گھر میں موجود نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ گھر کے تمام دروازے بند کر دیے جائیں۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو نوید ہجرت سنائی پھر حضرت ابوبکر صدیق کے گھر میں ہی ہجرت کے متعلق تمام منصوبہ بندی اور تیاریاں کی گئیں۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہجرت کے سفر میں سواری کی ضرورت کے لیے پہلے ہی دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ان میں سے ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی۔یوں سفر ہجرت کا آغاز کاشانہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوا۔ہجرت کی رات جب حضور اپنے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے کفار مکہ کی نظروں سے بچ کے نکلے تو سیدھے ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے اور جب اگلی صبح ابوجہل اور دیگر کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے تو پہلے سیدھے حضرت ابوبکر کے گھر ہی پہنچے اور ابوجہل نے حضرت ابوبکر کی صاحبزادی اسماءؓ کو طمانچہ مار کر پوچھا کہ تمھارے والد کہاں ہیں۔

ابوجہل کا گھر

عہد نبوی میں مکہ میں ایک ایسی شخصیت بھی رہتی تھی جو اسلام کے دشمنوں میں ایک خاص مقام رکھتی تھی۔ یہ تھی فرعونِ امت ابوجہل کی شخصیت جس کا پورا نام ابوحکم عمرو بن ہشام تھا۔ یہ قریش کے خاندان بنومخزوم سے تعلق رکھتا تھا۔ یاد رہے بنومخزوم قریش کا ایک ممتاز خاندان تھا۔ حضرت قصی بن کلاب سے پہلے قریش کے تمام اعزازات اسی خاندان کو حاصل تھے۔ حضرت قصی نے غالب آ کر تمام اعزازات چھین لیے اور بنومخزوم کے پاس صرف قبہ (خیمہ وخرگاہ کا انتظام) اوراعنہ (یعنی سواریوں کی سپہ سالاری) کا اعزاز باقی رہ گیا تھا۔

ابوجہل 570ء یا اس سے کچھ بعد پیدا ہوا۔ وہ اور آنحضرت ﷺ دونوں نوعمری میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک دعوت میں شریک ہوئے تھے اور انکی والدہ اسلام لے آئیں اور 13ھ/635ء کے بعد تک زندہ رہیں۔ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہجرت سے چند سال قبل ابوجہل الولید بن المغیرہ کی جگہ بنومخزوم اوران کے حلیف قبائل کا سربراہ بن گیا تھا۔ الولید کے مقابلے میں وہ رسول اللہ ﷺ سے کسی قیمت پر بھی مفاہمت کے لیے تیار نہیں تھا۔ ابوجہل ہی بنوہاشم کے مقاطع کا ذمہ دار تھا۔ مقاطع کا خاتمہ اس کی حکمت عملی کی شکست تھی۔ ہجرت سے ذرا پہلے ابوجہل ہی نے دارالندوہ میں حضور ﷺ کو قتل کرانے کی سازش تیار کی تھی اور قصاص کو ناممکن بنانے کے لیے آپ کو قتل کرنے کے لیے ہر قبیلے کا شخص شامل کرنے کی تجویز بھی اسی دشمن اسلام کی تھی۔ اسی نے مکے کے مظلوم مسلمانوں پر دور ابتلا میں کثیر التعداد مظالم کیے۔ ابوجہل کی اسلام دشمنی غزوہ اسلام کا سبب بنی۔ ابوسفیان اوراس کا قافلہ مسلمانوں کے ہاتھوں بچ نکلنے کے باوجود یہ ابوجہل ہی تھا جس نے ہر قیمت پر کفار مکہ کو مسلمانوں سے جنگ لڑنے کی ترغیب دی تھی۔ غزوہ بدر ہی میں وہ دو مسلمان نوعمر بچوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ ابوجہل کے مکان کو مکہ میں وہاں بتایا جاتا ہے جہاں آج کل المساہوٹل واقع ہے۔ یہ شارع المنصور بجوار مسجد بن حسن پر موجود ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مکان

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب یعنی حضور ﷺ کے چچا کے گھر اس جگہ واقع تھا جہاں آج کل سعی کی جاتی ہے۔ یعنی صفا مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان۔ یاد رہے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اپنے بھتیجے یعنی آنحضرت سے عمر میں صرف تین سال بڑے تھے۔ وہ مکہ کے ایک متمول تاجر تھے۔ اسلام کے ابتدائی سالوں میں انھوں نے بھی حضرت ابوطالب کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کی حفاظت کی تھی اور یہ حضرت عباس ہی تھے جنھوں نے بیعت عقبہ کے دوران اہل مدینہ سے کہا تھا کہ کیا تم اپنی اولاد سے زیادہ نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کر سکو گے؟ تاہم حضرت عباس معرکہ بدر میں مجبوراً شرکت کے بعد 624ء میں اسلام لائے تھے۔ حضرت عباس کی اولاد سے بعدازاں خلفائے بنوعباس کا سلسلہ چلا تھا۔ دوسری طرف قریش کے سرداروں میں ایک محترم مقام رکھنے کے باوجود حضور ﷺ کے چچا ابوطالب ایک غریب انسان تھے اور اپنے خاندان کی کفالت بھی اچھی طرح نہیں کر سکتے تھے مگر انھوں نے اپنی اولاد سے زیادہ بہتر حضور کی پرورش کی۔ پھر جب حضور ﷺ حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد ان کے ہاں منتقل ہو گئے ادھر حضرت ابوطالب کی غربت مزید بڑھی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور حضرت عباسؓ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے بھائی کا بار کفالت کم کرنے کے لیے ان کے ایک صاحب زادے کو اپنی کفالت میں لے لیں۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے حضرت عقیلؓ ابن ابی طالب کو اپنی کفات میں لے لیا۔ حضرت عباسؓ نے فتح مکہ کے موقع پر ۸ھ میں اپنے اسلام کا کھلم کھلا اعلان کیا تھا۔

حضرت عباسؓ، حضرت عبدالمطلب کے بعد سے حاجیوں کو پانی پلانے (سقایہ) اور کھانے کھلانے (رفادہ) کے منصب پر فائز تھے۔ جب غزوہ بدر کے موقع پر حضور ﷺ نے حضرت عباسؓ کو فدیہ ادا کر کے رہا ہو جانے کا حکم دیا تھا تو انھوں نے مالی معذوری ظاہر کی تھی مگر جب حضور ﷺ نے انھیں بتایا کہ وہ فدیہ اس مال سے ادا کر دیں جو وہ غزوہ بدر کے لیے مشرکین مکہ کے ہمراہ آتے ہوئے اپنی بیوی کے ساتھ مل کر اپنے مکان میں دفن کر کے آئے تو حضرت عباسؓ کو اپنے بھتیجے کی نبوت کا پہلے سے کہیں زیادہ یقین ہو گیا اور آپ نے اپنے مکہ والے گھر سے مال منگوا کر اپنا فدیہ ادا کیا تھا۔

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا گھر

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور کے وہ چچا تھے جن کا ننھیال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ننھیال ایک تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے صاحب زادے حضرت عبداللہ کی شادی کے ساتھ سیدہ آمنہ کی چچازاد بہن سے شادی کی تھی۔ انھیں کے بطن سے حضرت حمزہؓ کی ولادت ہوئی تھی۔ حضرت حمزہؓ حضور کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت حمزہ بھی وہاں کے مشہور محلے مسفلہ میں رہتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر کے قریب ہی ان کا گھر واقع تھا۔ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم نے مدینہ منورہ کے معاملات حضرت حمزہؓ کے سپرد فرمائے ہیں یعنی سیدنا حمزہؓ بعد از شہادت بھی گورنر مدینہ ہیں کہ سرکار دوعالم نے جو فرما دیا وہ حق ہے۔

مکہ میں حضرت حمزہ کے گھر کو بعدازاں مسجد میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور اس مسجد کا نام مسجد حمزہؓ رکھا گیا تھا۔ مسجد حمزہؓ مسجد الحرام کے قریب ہی واقع تھی تاہم اس مسجد میں اذان اور باجماعت نماز کا خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا۔ یہ مسجد آج بھی مکہ کے محلہ مسفلہ کی ایک تنگ گلی میں ایک پاکستانی ہوٹل ''مطعم'' کے قریب واقع ہے اور اس پر مسجد حمزہؓ کے نام کا بورڈ لگایا گیا ہے۔

جنگ احد کے موقع پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ کوئی کافر آپ کی تلوار سے زندہ بچ کر نہ نکل سکا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے اپنے ایک غلام وحشی کو اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے لالچ دے کر میدان احد میں حضرت حمزہ کے قتل کے لیے متعین کیا تھا۔ اس نے تاک کر حضرت حمزہ کو حبشیوں کا ہتھیار حربہ مارا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ ہندہ نے آپ کے شہید ہونے پر اکتفا نہ کیا بلکہ نا صرف آپ کی نعش کا مثلہ کیا بلکہ اس ظالم نے آپ کا کلیجہ تک نکال کر چبا ڈالا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان احد میں نا صرف اپنے عم محترم کی شہادت کا صدمہ پہنچا بلکہ اس سے بھی زیادہ آپ کی نعش کے ساتھ کیے جانے والے مظالم کا صدمہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کو بعد از شہادت سید الشہداء کا خطاب دیا اور وہ شہداء اسلام اور احد کے سردار ٹھہرے۔

شعب ابی طالب

شعب ابی طالب مکہ المکرمہ کے نزدیک وہ پہاڑی گھاٹی ہے جہاں کفار مکہ نے خاندان بنو ہاشم اور خاندان بنو عبدالمطلب کے مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کے افراد کا معاشرتی مقاطع کر کے تین سال کے لیے محصور کر دیا تھا۔ تاریخ اسلام کے یہ تین سال بنو ہاشم اور خود آنخضرت ﷺ کے لیے انتہائی پریشان کن سال اور پر صعوبت تھے۔ انھیں سالوں کے بارے میں ایک مرتبہ آنخضرت ﷺ نے اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ کو فرمایا تھا کہ ''اگر وہ مصائب دنوں پر پڑتے تو وہ رات کی طرح تاریک ہو جاتے۔'' شعب ابی طالب میں کتنی صعوتیں، تکالیف اور اذیتیں برداشت کرنا پڑیں اس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ بنو ہاشم کو ان تین سالوں میں سوکھے چمڑے اور درختوں کی چھال کھا کر گزارا کرنا پڑا مگر آفریں اتنے مصائب برداشت کرنے کے باوجود انھوں نے حضور کا ساتھ نہیں چھوڑا اور امتحان کے ان سالوں میں ہر کسوٹی پر پورے اترے۔

اعلانیہ تبلیغ کے بعد جب اسلام پھیلنے لگا تو قریش مکہ کو یہ بیحد گراں گزرا تو امھوں نے مظلوم مسلمانوں پر مصیبت کے پہاڑ توڑ دیے جس کی وجہ سے آنخضرت ﷺ کو مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کی اجازت دینا پڑی۔۔ حبشہ میں جب مسلمانوں کو آرام دہ زندگی گزارتے دیکھا تو قریش مکہ نے شاہ حبشہ کے دربار میں ایک سفارت بھیجی تا کہ شاہ حبشہ سلمانوں کو واپس مکہ بھیج دے مگر جب اس نے یہ قریش کی سفارت مسترد کر دی تو انھوں نے مکہ میں حضرت ابو طالب کو مجبور کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو ان کے حوالے کر دیں۔ حضرت ابو طالب نے قریش مکہ کی یہ بات ماننے سے سختی سے انکار کر دیا اور خاندان بنو ہاشم کے افراد کو کعبہ میں بلایا اور ان سے یہ حلف لیا کہ وہ ہر قیمت پر آنخضرت ﷺ کی حمایت کریں گے اور آپ کی حفاظت سے کبھی دست کش نہیں ہوں گے۔ بنو ہاشم میں صرف ابولہب ایسا فرد تھا جس نے یہ حلف نہ اٹھایا اور کہا کہ وہ قریش مکہ کے ساتھ ہے۔ دوسری طرف بنو ہاشم کے اس فیصلے کے خلاف قریش نے بھی دارالندوہ میں اپنا اجلاس طلب کیا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ بن ہاشم کے اس فیصلے کے خلاف وہ آنخضرت کی مخالفت سے ہرگز دست کش نہیں ہوں گے۔ ان کا معاشرتی مقاطع کیا جائے۔ اس مقاطع کی ایک دستاویز لکھ کر انھوں نے بیت اللہ میں لٹکا دیا اور 616ء میں بنو ہاشم کو مکہ سے نکال کر شعب ابی طالب میں محصور کر دیا جہاں انھوں نے اگلے تین سال انتہائی عسرت اور کسمپرسی کی حالت میں گزارے اور انھیں کسی طور بھی اشیائے خورد و نوش تک مہیا نہ ہو سکیں۔

معجزہ شق قمر کا مقام

قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کے معجزہ شق القمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ

ترجمہ: قیامت قریب آ گئی اور چاند شق ہو گیا۔ (القمر آیت نمبر ۱)

کچھ مشرکین مکہ نبوت کے آٹھویں سال 618ء میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کاشانہ نبوت پر حاضر ہوئے اور انھوں نے کہا کہ اگر آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھائیے تا کہ ہم آپ کی نبوت پر ایمان لے آئیں۔ ان مشرکین مکہ میں ولید بن مغیرہ، ابو جہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبد یغوث اور نضر بن حارث وغیرہ شامل تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر میں تمھارے لیے چاند کو دو ٹکڑے کر دوں تو کیا تم میری نبوت پر ایمان لے آؤ گے۔ انھوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔

اس رات مکہ کے آسمان پر چودھویں شب کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ پیغمبر اعظم و آخر نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کیا اے پروردگار تو چاند کے دو ٹکڑے کر دے" پھر آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی سے مشرکین مکہ کے سامنے چاند کی طرف اشارہ کیا اور چاند دو لخت ہو گیا۔ اس کا ایک ٹکڑا جبل ابو قبیس کی ایک طرف اور دوسرا جبل صفا کی طرف ہو گیا۔ حضور نے مشرکین مکہ سے فرمایا کہ گواہ رہنا پھر اسکے بعد آپ ﷺ نے اپنی انگلی کے اشارے سے چاند کو پھر باہم جوڑ دیا۔ کفار مکہ کے ساتھ اس وقت ایک یہودی عالم بھی آپ کا یہ معجزہ دیکھ رہا تھا۔ وہ فوراً آپ پر ایمان لے آیا مگر کفار مکہ جن کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے تھے وہ نہ صرف اس معجزے کی صحت سے انکار کرنے لگے بلکہ اسے نعوذ باللہ جادو قرار دیا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورہ القمر کی دوسری آیت میں فرمایا:

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (القمر۔2)

یہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے۔

مگر عالم گواہ ہے کہ حضور ﷺ کا یہ معجزہ سرزمین ہند تک میں دیکھا گیا۔ حضور نے یہ معجزہ مورخین کے مطابق جبل ابو قبیس کی چوٹی پر دکھایا تھا۔ جبل ابو قبیس مکہ کا وہ پہاڑ ہے جو حرم شریف کی مشرقی سمت میں واقع ہے۔

غار حرا

مکۃ المکرمہ سے شمال مشرق کی سمت میں تین میل کے فاصلے پر جبل شبیر یا جبل نور کا مقدس پہاڑ واقع ہے۔اسی پہاڑ کے اوپر وہ مقدس غار واقع ہے جسے ہم غار حرا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔اسی غار میں آنحضرت کے دادا حضرت عبدالمطلب بھی معتکف ہوتے تھے۔جب آنحضرت ﷺ کی عمر پختگی کی حدود کو پہنچی تو آپ ﷺ بھی اسی غار میں کھانا اور پانی ساتھ لے جاتے اور کئی کئی دنوں تک کے لیے معتکف ہو جاتے کبھی کبھی جب حضور ﷺ کے زیادہ دن تک معتکف رہنے کی وجہ سے یہ کھانا پانی ختم ہو جاتا تو ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کھانا پانی غار تک پہنچا دیتیں اور کبھی حضور ﷺ گھر تشریف لے آتے تھے۔آج بھی یہ نورانی غار اپنی اصلی حالت میں موجود ہے اور سالانہ لاکھوں فرزندان توحید اس کی زیارت کے لیے جبل نور کا رخ کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کی عمر مبارک کے چالیسویں سال جب آپ ﷺ غار حرا میں معتکف تھے تو آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔صحیح بخاری شریف کے باب ''کیف بدأ الوحی'' میں پہلی وحی کے نزول کی تفصیل کچھ اس طرح بیان ہوئی ہے۔ ایک دن جب آپ ﷺ غار حرا میں عبادات میں مشغول تھے تو اچانک اس غار میں ایک فرشتہ ظاہر ہوا۔(روح القدس حضرت جبرائیل) یہ وہ فرشتہ تھا جو ہمیشہ خدا عزوجل کا پیغام اس کے رسولوں اور پیغمبروں تک پہنچاتا تھا۔اس فرشتے نے آپ کو مخاطب کر کے کہا ''پڑھیے'' آپ ے فرمایا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔تیسری بار اس فرشتہ نے پڑھیے کہ کر اپنے سینے سے چمٹایا اور یوں یہ پہلی وحی آپ پر منکشف ہو گئی۔

غار حرا تقریباً گیارہ فٹ اور پانچ فٹ کشادہ ہے اور کم و بیش ساڑھے چھ فٹ بلند ہے جبکہ اس کی بلندی زمین سے تقریباً 890 فٹ ہے۔خود جبل نور سطح سمندر سے 2106 فٹ بلند ہے۔بعد کے زمانے میں اس غار تک پہنچنے کے لیے 600 سیڑھیاں بنادی گئی ہیں جو عہد نبوی میں موجود نہیں تھیں۔اس غار کا رخ بیت اللہ کی سمت میں ہے۔اس غار میں داخل ہو کر اس بلند مقام سے بیت اللہ کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔غار کی چھت اگرچہ صاف اور مسطح نہیں ہے مگر فرش صاف اور ہموار ہے جس پر چٹائی وغیرہ بچھا کر بیٹھا جا سکتا ہے۔

غار ثور

سفر ہجرت میں غار ثور کی اہمیت وفضیلت سے ہر مسلمان واقف ہے۔ مکہ معظمہ سے یمن کے راستہ پر چار کلومیٹر کے فاصلے پر جبل ثور واقع ہے۔ اسی پہاڑ کے اوپر ایک عمودی ڈھلوان اور پھسلواں چوٹی ہے جہاں غار ثور واقع ہے۔ یہ غار زمین سے 5430 فٹ بلند ہے۔ یادر ہے کہ حالیہ تعمیر کردہ بلند ترین عمارت برج خلیفہ کی بلندی صرف 2722 فٹ ہے۔ اسی غار میں ہجرت کی رات آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مشرکین مکہ سے بچ کر پناہ گزین ہوئے تھے۔ سفر ہجرت میں پہلی تین شب اور تین روز اسی غار میں دونوں عظیم ہستیوں نے آرام فرمایا تھا۔ اس غار کا دہانہ اگرچہ تنگ ہے مگر اس غار میں آٹھ سے دس آدمی بہ آرام بیٹھ سکتے ہیں۔

محققین کے مطابق سفر ہجرت کا آغاز یکم ربیع الاول جمعہ کی رات کو مکے سے غار ثور کی طرف ہوا تھا۔ تین دن تک غار میں قیام کے بعد پانچ ربیع الاول بروز سوموار علی الصبح اس غار سے بجانب مدینہ منورہ روانگی عمل میں آئی۔ قرآن کریم میں غار ثور میں قیام کے دوران حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ثانی اثنین کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس غار میں داخل ہونے کے بعد اس غار میں موجود تقریباً سب سوراخ بند کردیے تھے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنی قیمتی چادر کو پھاڑ کر سوراخوں میں بھر دیا تھا لیکن ایک سوراخ باقی رہ گیا اور چادر ختم ہوگئی۔ اس سوراخ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پاؤں کی ایڑی رکھ دی تا کہ اس سورخ سے کوئی حشرات الارض نکل کر آنحضرت ﷺ کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ کی ران پر سر رکھ کر آرام فرما ہوئے۔ ادھر اس سوراخ سے حضرت ابوبکر کو سانپ اور بچھوڈ ستے رہے لیکن حضرت ابوبکرؓ احترام نبوی کی وجہ سے شدید تکلیف کے باوجود آہ بھی نہیں بھرتے تھے نہ ہی اپنے پاؤں کو وہاں سے ہٹاتے تھے۔ آخر شدید تکلیف کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے اور آنحضرت ﷺ کے چہرہ اقدس پر گرے۔ آپ ﷺ بیدار ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ نے آپ کو اس حال میں دیکھ کر فرمایا کہ بوبکر لا تحزن ان اللہ معنا۔ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کی اس تکلیف کو رفع کر دیا اور اس کے بعد وہ سانپ و بچھو آپ کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ ادھر غار کے باہر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک مکڑی نے جالا بن دیا اور جنگلی کبوتروں نے گھونسلا بنالیا اور ایک کیکر کا درخت اُگ آیا جس کی وجہ سے مشرکین مکہ کے فرستادے یہ سمجھے کہ اس غار میں کوئی موجود نہیں ہے۔

قبرستان جاہلیہ

حرم شریف کے جنوب مغرب میں وہ جگہ واقع ہے جسے قبرستان جاہلیہ کہا جاتا ہے۔اس جگہ طلوع اسلام سے پہلے مشرکین مکہ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کیا کرتے تھے۔عہد جاہلیہ میں عرب اپنی بیٹیوں کو اپنی بے عزتی تصور کرتے تھے۔اسی وجہ سے عرب معاشرہ میں یہ رسم بد پڑ گئی تھی کہ بعض لوگ اپنی بیٹیوں کو پیدائش کے بعد زندہ دفن کر دیتے تھے اور یہ رسوم جاہلیہ میں سے ایک تھی۔کہا جاتا ہے کہ اسی قبرستان میں اسلام کی پہلی شہید خاتون حضرت سمیہؓ کو دفن کیا گیا تھا۔

جنت المعلیٰ

جنت المعلی مکہ کا ایک قدیمی قبرستان ہے جو حرم شریف سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔اس قبرستان کو الحجون کا نام بھی دیا جاتا ہے۔یہ قبرستان حرم شریف سے بجانب مشرق واقع ہے۔باب المروہ سے نکل کر سوق اللیل کی سڑک پر آگے بڑھا جائے تو ایک چوک سے گزرنے کے بعد بعد سامنے جنت المعلی کی دیوار نظر آتی ہے۔اس دیوار کے ساتھ سبز رنگ کا ایک بڑا سا دروازہ واقع ہے جو جنت المعلی کا صدر دروازہ ہے۔خواتین کو قبرستان کے اندر جانے کی اجازت نہیں۔وہ صرف صدر دروازے کے باہر کھڑے ہو کر دعا واستغفار اور فاتحہ پڑھ سکتی ہیں۔اس تاریخی قبرستان میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ ﷺ کے دو صاحب زادے حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ محو استراحت ہیں۔اس کے علاوہ خاندان نبوت کے اہم ترین افراد جن میں آنحضور کے دادا محترم حضرت عبدالمطلب اور چچا حضرت ابوطالب بھی اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔انکے علاوہ بنی ہاشم کے اسلاف بھی یہیں مدفون ہیں۔ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی قبر مبارک کے گرد لوہے کا جنگلہ لگا ہوا ہے۔سعودی حکومت کی قبروں کے نشانات مٹا دینے والی پالیسی کی وجہ سے اس قبرستان میں قبروں کے نشانات تک موجود نہیں صرف چھوٹے چھوٹے پتھر قبروں کی نشاندہی کے لیے رکھے گئے ہیں۔اس کے علاوہ قبرستان کی چار دیواری پر قبروں کے قطار نمبر درج ہیں۔موجودہ سعودی خاندان کے برسر اقتدار آنے سے

پہلے اس قبرستان میں عظیم لوگوں کے مقابر اور قبے بنے ہوئے تھے۔ سعودی حکومت نے ان مقابر کو 1926ء میں مسمار کر دیا تھا۔ نماز عصر کے بعد حج اور عمرہ کے دنوں میں یہاں ہزاروں زائرین فاتحہ خوانی اور زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

اس قبرستان میں کہتے ہیں کہ چھ ہزار جان نثاران نبوت صحابہ کرامؓ مدفون ہیں۔ نامور صحابہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابوبکرؓ اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر کے رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بھی یہیں محو استراحت ہیں۔ صحابہ کرام کے اس قبرستان میں ہزاروں تبع تابعین بھی مدفون ہیں جنھوں نے زندگی کے ہر شعبے میں نام پیدا کیا تھا۔ نیز دیکھیے 1924ء سے پہلے مکہ معظمہ کے مزارات و مقابر۔

نہر زبیدہ

اس نہر کا ذکر کیے بغیر مکہ المکرمہ کا تذکرہ مکمل نہیں ہوسکتا کہ یہ نہر زبیدہ ایک ہزار سال تک مکہ اور اس کے نواح کو سیراب کرتی رہی ہے۔ زمانہ حال میں یہ نہر 1963ء تک بہتی رہی ہے۔ سعودی عرب کے موسمی حالات اور شدائد زمانہ سے اس نہر کو بہت نقصان پہنچا اور آج کل یہ صرف آثار کی شکل میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ملکہ زبیدہ خلیفہ ہارون الرشید عباسی کی ملکہ تھی اور خاندان بنو ہاشم کی چشم و چراغ تھی۔ ملکہ زبیدہ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں حج کے لیے جب مکہ آئی تو اس نے دیکھا کہ نہ صرف اہل مکہ بلکہ حجاج کرام کو بھی پانی کی شدید قلت کا سامنا ہے۔ مکہ اور میدان عرفات میں پانی نایاب ترین شے تھی اور پانی کی ایک بالٹی بیس درہم کے عوض فروخت کی جاتی تھی۔ حاجیوں کو صرف آب زم زم کے سوا کوئی اور پانی میسر نہیں آتا تھا۔ ان حالات میں ملکہ زبیدہ نے مکہ سے 35 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع وادی حنین کے جبل طاؤ سے مکہ تک ایک نہر نکالنے کا حکم دے دیا۔ وہ نہر جس کا رخ جبل قراء سے وادی نعمانؑ کی طرف تھا اس کا پانی بھی نہر زبیدہ میں شامل کردیا۔ یہ مقام میدان عرفات کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ منی کے جنوب میں ایک صحرائی تالاب تھا اس سے سات کاریزوں کیے ذریعے پانی نہر تک پہنچایا گیا پھر وہاں سے نہر زبید کی ایک چھوٹی شاخ مکہ المکرمہ کی طرف اور ایک شاخ عرفات کی مسجد نمرہ تک لے جائی گئی۔ آپ کے اس عظیم منصوبے پر تقریباً سترہ لاکھ دینار خرچ آئے۔ یہ نہر عرفات میں جبل رحمت کے دامن میں بہتی تھی۔ اگر آپ منی سے عرفات کی طرف سفر کریں تو آپ کو اس نہر کے خشک آثار آج بھی دکھائی دیں گے۔ ملکہ زبیدہ کی فیاضی دیکھیے کہ جب اس کے انجینئر نے اسے کہا کہ یہ منصوبہ بڑا مہنگا پڑے گا تو ملکہ نے کہا کہ اس کام کو مکمل کرو چاہے کدال کی ایک ضرب کے بدلے ایک دینار ادا کرنا پڑے۔ ملکہ زبیدہ نے 226ھ میں وفات پائی۔ شیخ عبداللہ بن مبارکؒ نے اس کی وفات کے بعد ملکہ کو خواب میں دیکھا جس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کدال کی پہلی ضرب پر معاف کردیا تھا۔

1924ء سے پہلے مکہ معظمہ کے مزارات ومقابر

مقابر اجداد رسول ﷺ

جنت المعلیٰ کے جس حصے میں حضرت عبدالمناف وحضرت عبدالمطلب وحضرت ابی طالب کی قبریں 1924ء سے پہلے موجود تھیں اس حصے کو "مقبرہ اجداد رسول ﷺ" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا تاکہ دوسرے حصہ سے الگ رہے۔ یہ مقبرہ حجون کے دامن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک سے آگے تھا۔ آنحضرت ﷺ کے اجداد کا تذکرہ تفصیل سے سیرت کی کتابوں اور تاریخ عرب میں مرقوم ہے۔ یہاں صرف ان کے مقابر کے تاریخی حالات دیے جا رہے ہیں۔

قبر حضرت عبدالمناف

آنحضرت ﷺ کی پانچویں پشت کے بزرگ حضرت عبد مناف ہیں۔ آپ آنحضرت ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے دادا تھے یعنی حضرت ہاشم کے والد گرامی۔ ان کا اصل نام مغیرہ تھا۔ ان کی قبر کے متعلق مورخین خاموش ہیں اور جبیر وابن بطوطہ جیسے سیاح بھی جنت المعلیٰ میں مدفون شخصیات کے بارے میں کچھ نہیں لکھتے۔ چودھویں صدی کے ہندوستانی سیاحوں نے جنت المعلیٰ میں ان کی قبر کا پتہ دیا۔ 1329ھ میں حاجی عبدالرحیم صاحب بنگلوری نے سفر نامہ میں حضرت عبدالمناف اور حضرت عبدالمطلب کی قبروں کا پتہ دیا تھا اور ایک ہی جگہ بتائی تھی مگر "رحمت للعالمین ﷺ" کے مصنف قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری اپنے سفرنامے میں ان کی قبر ایک الگ قبہ میں بتاتے ہیں۔ 1344ھ میں جب اہل نجد نے مکہ فتح کیا تو دوسرے قبوں کے ساتھ حضرت عبدالمناف کا قبہ بھی توڑ ڈالا۔ غلاف کعبہ کے مصنف علی شبیر نے 1345ھ میں اس قبر کی زیارت کی اور لکھا کہ یہ زمین سے ایک بالشت اونچی تھی اور اس کے چاروں طرف پتھر کی سلیں رکھی تھیں۔ کوئی کتبہ باقی نہیں تھا۔

قبر حضرت عبدالمطلب

وہ عظیم شخصیت جس نے آنحضور ﷺ کا نام محمد رکھا اور قریش کے سردار ہونے کے ساتھ متولی کعبہ تھے چاہ

زمزم کا انکشاف اور حجر اسود کی برآمدگی ان کے زمانہ تولیت میں ہوئی تھی۔ حضرت عبدالمطلب نے ایک سو بیس برس عمر پائی۔ ان کی قبر کے متعلق بھی مورخ خاموش ہیں۔ مگر حاجی عبدالرحیم بنگلوری ان کی قبر قبہ حضرت عبد المناف میں بتاتے ہیں مگر قاضی سلیمان ان کا قبہ علیحدہ بتاتے ہیں۔ ان کا قبہ بھی منہدم کردیا گیا اور علی شبیر صاحب لکھتے ہیں کہ انھوں نے جبل حجون کے دامن میں ان کی قبر کی زیارت کی تھی۔

قبر حضرت ابوطالب

آنحضرت ﷺ کے شفیق چچا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد گرامی۔ ان کا نام بھی عبدالمناف تھا۔ وہ اپنے بڑے فرزند طالب کی وجہ سے ابوطالب کہلاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ آٹھ سال کی عمر سے پچاس سال کی عمر تک ان کے زیر کفالت رہے۔ وہ آنحضرت ﷺ سے اپنے بچوں سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ ہجرت عظمیٰ سے تین سال قبل ان کا انتقال ہوا۔ ان کی قبر کے متعلق بھی ارزقی، فاکہی اور قطب الدین جیسے مورخ خاموش ہیں البتہ فرنگی سیاح برکھارٹ نے جو 1232ء میں مکہ گیا تھا اپنے سفرنامہ میں ان کی قبر کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جنت المعلیٰ میں ایک سرے پر حضرت ابوطالب کا مزار ہے۔ وہابیوں نے ان کی قبر پر بنی ہوئی عمارت کو منہدم کردیا تھا اور محمد علی پاشا والی مصر نے بھی دوبارہ یہ عمارت تعمیر نہیں کرائی تھی۔ اہل مکہ آج بھی حضرت ابوطالب کی جھوٹی قسم کھانے سے گریز کرتے ہیں۔ علی شبیر صاحب لکھتے ہیں کہ میں بھی ان کی قبر پر حاضر ہوا تھا اور اہل مکہ کو ان کی قبر پر منتیں مانتے دیکھا تھا۔ ان کی قبر و قبہ دوبارہ تعمیر کردیا گیا تھا مگر بعد ازاں دوسرے فتح مکہ میں 1344ھ اہل نجد نے اس کو دوبارہ گرادیا تھا۔ علی شبیر نے 1345ء میں ان سے منسوب ایک کچی قبر دیکھی تھی۔

مزار حضرت سیدہ آمنہؓ

آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ بالیقین دنیا کی عظیم ترین خواتین میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ کو جنم دیا تھا۔ ان کا میکہ مدینہ میں تھا اور یہ سال کے سال اپنے عزیزوں سے ملنے اور اپنے شوہر گرامی قدر حضرت عبداللہ کی قبر پر حاضری کے لیے مدینہ تشریف لے جاتی تھیں جو مقام ابواء میں تھیں۔ جب آنحضرت ﷺ چھ برس کے تھے تو آپ حسب عادت مدینہ تشریف لے گئیں اور اتفاقاً مقام ابواء پر ہی آپ کا اس سفر میں انتقال ہوگیا اور وہیں دفن کی گئیں۔ مورخ ارزقی نے البتہ ایک حدیث نقل کی ہے کہ آپ کا مزار جنت المعلیٰ ﷺ میں تھا۔ ایک روز حضور ﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ معلیٰ کے قبرستان تشریف لے گئے اور آخری سرے پر پہنچ کر ایک قبر کے قریب بیٹھ گئے اور دیر تک طلب نجات فرماتے رہے اور آبدیدہ ہوگئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ آپ کیوں آبدیدہ ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ قبر آمنہ بنت وہب کی ہے۔ میں نے ان کی قبر کی اجازت طلب کی وہ اللہ تعالیٰ نے عنایت کردی مگر

طلب مغفرت کی اجازت چاہی تو وہ نہ ملی۔ مقام ابواء پر حضرت آمنہؓ کی قبر کا ہونا بھی سب بتاتے ہیں مگر کسی نے یہ نہیں لکھا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے ان کی قبر دیکھی تھی۔ مگر فرنگی سیاح برکھارٹ نے 1815ء میں حضرت خدیجہؓ کی قبر مبارک سے کچھ آگے جنت المعلیٰ میں حضرت آمنہ کی قبر کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس پر سنگ مرمر کی عمدہ لوح نصب ہے اور خط کوفی میں کتبہ کندہ ہے۔ بعدازاں وہابیوں نے اس لوح مزار کو بھی توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ان ٹکڑوں کو بھی یہاں موجود نہیں رہنے دیا تھا۔ (سفرنامہ برکھارٹ)

1853ء میں کیپٹن رچرڈ برٹن مشہور انگریز سیاح بھی مکہ معظمہ گیا تھا۔ اس نے بھی اپنے سفرنامہ میں حضرت آمنہؓ کی قبر اور قبے کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی قبر سے ذرا آگے ہم حضرت سیدہ آمنہؓ کی قبر پر پہنچے۔ یہاں ایک بدشکل بوڑھی عورت دروازے پر آئی اور ہم سے فاتحہ پڑھنے کے لیے کہا۔ جب تک ہم فاتحہ پڑھتے رہے وہ ہمیں گھورتی رہی اور اس نے ہمارے منہ پر عرق گلاب بھی چھڑکا۔ اس عورت سے معلوم ہوا کہ یہ قبر ایک عورت کی ملکیت یا جائداد ہے اور وہ ہر صبح یہاں جھاڑو دینے آتی ہے اور چڑھاوے لے کر جاتی ہے۔ (سفرنامہ برٹن جلد دوم)

چودھویں صدی ہجری کے سیاح بھی اس قبر کا ذکر کرتے ہیں۔ جنرل ابراہیم پاشا نے لکھا ہے کہ لوگوں کا زعم ہے کہ حضرت آمنہ کی قبر جنت المعلیٰ میں ورنہ یہ واقعہ ہے کہ وہ ابوا میں مدفون ہیں۔ 1344ء میں اہل نجد نے اپنی فتح مکہ کے بعد دوسرے قبوں کے ساتھ اس قبہ کو بھی منہدم کر دیا تھا۔

مزار ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

آنحضرت کی زوجہ محترمہ اوّلیں حضرت سیدنا خدیجہؓ نے ہجرت سے ایک سال پیشتر 68 سال کی عمر میں وفات پائی تھی۔ آپؓ کا مقبرہ معلیٰ کے اس حصے میں تھا جو شعب بنی ہاشم کہلاتا تھا۔ مورخ قطب الدین نے اپنی تصنیف ''الاعلام عربیٰ'' میں اس کا ذکر یوں کیا ہے۔ مقبرہ معلیٰ میں مقام قبولیت دعا میں واقع ہے جو شعب بنی ہاشم میں ہے۔ حضرت خدیجہؓ کی قبر پر مقبرہ دسویں صدی ہجری میں تعمیر کیا گیا تھا۔ قطب الدین لکھتا ہے کہ آپ کی قبر مبارک پر لکڑی کا ایک تابوت تھا جس کی زیارت کی جاتی تھی۔ 895ھ میں امیر کبیر محمد بن سلیمان چرکہ نے سلطان سلیم اول کے حکم پر اس پر ایک سنگین قبہ تعمیر کیا تھا اور تابوت شریف پر لباس فاخرہ کا اہتمام کیا تھا اور خادم مقرر کیے تھے۔ محمد بن سلیمان کا تعمیر کردہ یہ قبہ غالباً تیرھویں صدی ہجری کے آغاز تک رہا یہاں تک کہ 1218ھ میں اہل نجد نے مکہ پر قبضہ کر کے دوسرے قبوں کے ساتھ اسے بھی شہید کر دیا۔ اس کے بارہ برس بعد جب یہاں ترکوں کا دوبارہ قبضہ ہوا تو 1223ء میں محمد علی پاشا نے ام المومنینؓ کی قبر مبارک پر دوبارہ قبہ تعمیر کرایا۔ برکھارٹ نے اپنے سفرنامہ میں اس قبر کا ذکر کچھ یوں کیا ہے۔ اس قبر کے گرد چاردیواری تعمیر کی گئی ہے۔ اس میں سوائے لوح قبر کے خط کوفی میں آیۃ الکرسی رقم اور کوئی قابل دید دستکاری نہیں۔ برٹن نے

بھی اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ "ہم حضرت خدیجہؓ کے روضے کے گنبد کے دروازے پر پہنچے۔ان کی قبر پر غلاف تھا اور مختصر عمارت کی دیواروں پر مدحیہ اشعار لکھے تھے (سفرنامہ برٹن انگریزی جلد دوم)

جنرل ابراہیم رفعت پاسا لکھتے ہیں کہ "اس قبہ پر میں نے ایک طرف 1298ھ لکھا ہوا دیکھا جس سے ظاہر ہے کہ 895ھ کے بعد اس کی تعمیر ہوئی تھی (مراۃ الحرمین) علی شیر نے لکھا ہے کہ 895ھ کا تعمیر کردہ قبہ وہابیوں نے اپنی فتح مکہ کے موقع پر منہدم کردیا تھا اور 1233ء میں اسے دوبارہ محمد علی پاشا نے تعمیر کرایا تھا۔1323ھ میں اس روضہ کی سیاحت کرنے والے حاجی عبدالرحیم بنگلوری لکھتے ہیں کہ کسی نیک دل خوش نویس نے نہایت خوش خطی کے ساتھ ایک سلام "السلام علیک یاسیدنا یا خدیجۃ الکبریٰ! السلام علیک یا زوجۃ المصطفیٰ" لکھ کر یہاں رکھ دیا تھا جبکہ سنہری حرفوں میں کلمہ طیبہ خالص سونے میں ڈھلا ہوا نظر آتا تھا۔غلاف پر زریں کام کیا گیا تھا۔ پہلو مبارک میں کسی شریف عبدالمطلب نامی کی قبر ہے۔یہ آل رسول میں سے ہیں اس لیے انہیں یہاں جگہ ملی ہے۔1298ھ میں تعمیر کیا جانے والا یہ قبہ بھی 1344ھ میں اہل نجد نے منہدم کردیا تھا۔

مزار حضرت قاسم ابن رسول اللہ ﷺ

جناب سیدنا قاسم ابن رسول اللہ ﷺ جو حضرت خدیجہؓ کے بطن سے قبل بعثت تولد ہوئے تھے اور انھیں کے نام پر رسول اللہ ﷺ کی کنیت ابی القاسم ہے ان کی قبر بھی المعلی میں تھی مگر ان کی قبر پر قبہ نہیں تعمیر کیا گیا تھا۔علی شبیر لکھتے ہیں کہ انھوں نے 1345ھ میں معلی میں ایک قبر دیکھی تھی جو اس معصوم سے منسوب تھی اس پر کوئی کتبہ آویزاں نہیں تھا صرف چار سلوں کا بالشت اونچا چبوترہ تھا شاید یہ 1344ء میں انہدام مزارات کے بعد اس حالت میں تھی؟

مقبرہ آل ابوبکرؓ

وسط معلی میں ایک مقام جو حجون کہلاتا ہے اور محلہ حجون کے مقابل واقع تھا وہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خاندان کی کچھ قبریں واقع تھیں۔اسی وجہ سے علی شبیر مصنف حجر اسود و غلاف کعبہ نے اس مقبرہ کو مقبرہ آل ابوبکرؓ کے نام سے موسوم کیا ہے۔اس مقبرے میں جو مشہور ترین افراد مدفون تھے ان میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ وہ ہیں جو 3ھ میں کفار قریش کے ہمراہ مسلمانوں کے مقابلے پر جنگ احد میں بھی شریک تھے۔ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کی رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی تھی جو انھیں نہ ملی تھی۔7ھ میں آپ ایمان لے آئے تھے۔مورخ فاکہی نے لکھا ہے کہ ان کا جنازہ مکہ لایا اور اذاخر میں مدفون ہوئے تھے۔چودھویں صدی کے سیاح ان کا مقبرہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی قبروں کے پاس بیان کرتے ہیں۔ان کی قبر پر کبھی قبہ تعمیر نہیں کیا گیا۔

قبر ابوقحافہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد جن کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی ان کی وفات 14 ھ میں ہوئی تھی۔ فاکہی نے ان کا شمار صحابہ میں کیا ہے۔ قدیم سیاح ان کے مزار کی نشاندہی نہیں کرتے۔ چودھویں صدی کے سیاح جنت المعلیٰ میں ایک قبر کا پتہ دیتے ہیں جو ان کے نام سے منسوب تھی۔ علی شبیر نے لکھا ہے کہ اس گنہگار نے بھی مقبرہ آل ابوبکر میں یہ قبر دیکھی تھی۔

قبر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نواسے تھے۔ ان کی والدہ حضرت اسما بنت ابوبکرؓ تھیں۔ مدینہ میں پیدا ہونے والے اولین بچے تھے۔ 72 ھ میں حجاج بن یوسف نے محاصرہ کے دوران ان کو شہید کیا تھا۔ آپ نے تہتر برس کی عمر میں نو برس کی پرآشوب خلافت کے بعد وفات پائی تھی۔ اہل شام ان کا سر ان کے جسد مبارک سے الگ کر کے حجاج بن یوسف کے پاس لائے تھے جبکہ ان کی لاش کو بغیر سر کے معلیٰ کے حصہ حجون میں صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ زمانہ قدیم میں ان کی اس اس صلیب گاہ پر ایک عمارت تعمیر کی گئی تھی۔ اس کا ذکر سیاح ابن جبیر نے 578ھ میں اور ابن بطوطہ نے 728 ھ میں کیا ہے۔ اس عمارت کو اہل طائف نے منہدم کر دیا تھا۔ لوگ اس کو دیکھ کر حجاج پر لعنت بھیجتے تھے اور طائف میں سے تھا اس لیے 1344ء میں اہل نجد کو یہ عمارت منہدم نہ کرنا پڑی تھی

حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

حضرت اسما حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی تھیں اور ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ انھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو حوصلہ دے کر دشمنوں کے مقابلے پر بھیجا تھا۔ 73 ھ میں حضرت اسما نے وفات پائی۔ مورخین مکہ ان کی قبر کا ذکر نہیں کرتے۔ چودھویں صدی سیاح ان کا مدفن معلیٰ میں بتاتے ہیں مگر اس پر کوئی قبہ نہیں تھا۔ 1345 ھ میں علی شبیر نے مقبرہ آل ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قبر دیکھی تھی جس کو ان کے گائیڈ نے حضرت اسماء کی قبر بتایا تھا۔

قبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامور فرزند تھے۔ 74 ھ میں حجاج بن یوسف کے اشارے پر کسی نے ان کو زہر آلود خنجر سے زخمی کر دیا تھا جس سے جانبر نہ ہو سکے اور بعمر

چوراسی سال مکہ میں وفات پائی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ رات کے وقت چونکہ ان کی تدفین ہوئی تھی اس لیے ان کی قبر پوشیدہ رہی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی قبر مقام شہدا میں واقع تھی جو مکہ معظمہ سے جانب شمال مدینہ کے راستے میں تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ بہرحال مورخین نے ان کی قبر سات مقامات پر بتائی ہے۔ عی شبیر نے لکھا ہے کہ اس نے معلیٰ میں ایک قبر دیکھی تھی جو ان کے نام سے منسوب تھی۔

معلیٰ کے بعض دوسرے مزارات

مزارات معلیٰ میں اب تک صرف ان مزارات کا ذکر کیا گیا ہے جس کی زیارت اکثر حجاج کرام کرتے تھے۔ البتہ معلیٰ میں صحابہ کرام اور تابعین کی اور بہت سی قبور بھی واقع ہیں۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔ الفیض بن عیاض، شیخ تقی الدین شکی، شیخ عبداللہ بن عمر المعروف طواسی، شیخ عبدالطیف نقشبندی رومی لاسفیان بن عبید شیخ ابوالحسن موّلی۔ شیخ جلیل المالکی۔ امام الحرمین عبداللہ بن حمید۔ ابوجعفر منصور خلیفہ بغداد، ابی لہب وغیرہ ہم۔ علی شیر لکھتے ہیں کہ جس طرح ہندوستان کے مشہور قبرستان اور درسگاہوں میں قبروں کے لیے زمین فروخت کی جاتی ہیں اسی طرح مکہ میں معلیٰ کے قبرستان میں بھی بعض لوگوں کی املاک قائم تھیں اور وہ دفن کیے جانے والوں کے لواحقین سے خطیر رقم وصول کرتے تھے۔

مکہ کے بعض دوسرے قبرستان

مکہ معظمہ سے کوئی دوکوس کے فاصلے پر قبرستان منیٰ جانب شمال واقع ہے۔ یہ ایک وادی ہے جو قریباً ایک میل طویل ہے۔ اس کے درمیان سے ایک شاہراہ میدان عرفات کو جاتی ہے۔ منی کا قبرستان مسجد خیف سے ملحق ہے۔ علی شبیر لکھتے ہی کہ کہ اس کو میدان کا زار تصور کرنا چاہیے۔ ممکن ہے یہاں بھی بہت سے صحابہ و بزرگ دفن ہوں گے۔ مدفون کی تعداد کے اعتبار سے مقبرہ منیٰ بڑے بڑے قبرستانوں کا مقابلہ کرتا تھا مگر یہیں اتنی قبریں نظر نہیں آتی تھیں۔ 1345ء میں حکومت نجد نے بہت سے غریب حبشیوں کو حجاج کی تجہیز و تکفین کے لیے مامور کیا تھا۔ وہ چارپائیوں اور تابوتوں میں لاشوں کو رکھ کر یہاں دفن کرنے کے لیے لاتے تھے۔

قبرستان شبیکہ

یہ قبرستان مکہ معظمہ میں مشہور محلہ حرول سے ملا ہوا تھا۔ یہاں سے اس زمانے میں روانگی کے وقت قافلے ترتیب پاتے تھے کسی دور میں یہاں قبیلہ بنوشبیکہ کے افراد دفن کیے جاتے تھے۔ بعض صحابہ کے یہاں مدفون ہونے کی روایات بھی ملتی ہیں۔ مورخین مکہ نے اس قبرستان کا ذکر کیا ہے اور اس کی زیارت کو بھی مستحب قرار دیا ہے مگر یہاں کے مدفونین میں

سے بصراحت کسی کا نام نہیں ملتا۔ آنحضرت ﷺ نے اس قبرستان کی زمین خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کردی تھی پھر کئی صدیوں سے یہ قبرستان آبادی میں آ گیا اور اب یعنی 1924ء میں اس کا نام ہی محلہ شبیکہ ہے۔ آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے یہاں مردے دفن ہونا بھی موقوف ہو چکا ہے۔ اس محلے میں بہت اچھے اچھے مکانات واقع ہیں۔ جدہ کے کئی متمول تاجر یہاں رہتے ہیں۔ محلہ شبیکہ مکہ معظمہ کے ہوادار محلوں میں سے ایک ہے۔ شبیکہ کے مغربی پہاڑ کی طرف قبرستان واقع ہے۔ 1345ء میں جب علی شبیر صاحب مصنف "مزارات حرمین" نے یہاں کی زیارت کی تھی تو اسے بجز کچی قبروں کے منتشر ڈھیلوں کے اور کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ اس زمانے میں یہاں کسی کو دفن بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ جن صاحبان کے مزارات پر قبے تھے یا جو قبریں پختہ بنی ہوئی تھیں وہ سب گردش روزگار نے منہدم کردی تھیں۔ علی شبیر نے لکھا ہے کہ خطرہ ہے کہ کچھ دن مزید گزرے تو صرف نام ہی رہ جائے گا کہ یہاں بھی کبھی قبرستان تھا۔ زمانہ حج میں اس قبرستان میں بدویوں کے ڈیرے پڑے ہوتے تھے اور کچھ غریب عربوں نے یہاں جھونپڑیاں بنائی ہوئی تھیں۔

قبرستان شہداء

مکہ معظمہ سے کوئی تین میل جانب شمال مدینہ منورہ کے راستہ پر قبرستان شہداء واقع تھا جسے مقام شہدا بھی کہتے تھے۔ یہ مقام بھی 1345ھ میں ایک محلہ کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اس مقام تک مسلسل آبادی ہو چکی تھی اور آبادی کا یہ سلسلہ کہیں کہیں سے ہی ٹوٹا ہوا تھا۔ یہاں اس زمانے میں بہت سے مکانات اور بازار موجود تھے اور اس مقام کی آب و ہوا بھی بہت اچھی تھی یہاں تک کہ بیمار تبدیلی آب و ہوا کے لیے یہاں آ کر ٹھہرتے تھے۔ وہاں ایک میدان میں بہت سی قبریں تھیں۔ کہتے ہیں کہ 63ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور یزید کے سپہ سالار حصین بن نمیر میں یہاں جنگ ہوئی تھی۔ عبداللہ کے جو ساتھی اس جنگ میں کام آئے تھے ان کی وجہ سے ہی یہ مقام شہداء کہلاتا ہے۔ اس وادی کے ایک گوشہ میں علی شبیر صاحب نے لکھا ہے کہ ایک پہاڑی کے نیچے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی قبر واقع تھی اور اس کے آس پاس کئی اور قبور بھی حضرت عمرؓ کے اہل خاندان کی بتائی جاتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی قبر پر کبھی قبہ تعمیر نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کوئی کتبہ آویزاں تھا تاہم مقام شہدا کے رہنے والے اسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اصلی قبر بتاتے تھے۔ (مزارات حرمین شریفین)

مقبرہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث کی وفات 51ھ میں ہوئی تھی۔ ان کا مدفن علی شبیر صاحب نے اپنی

کتاب ''مزارات حرمین'' میں حوائی مکہ معظمہ میں موضع سرف میں بتایا ہے۔ یہ مقام مکہ معظمہ سے جانب شمال مغرب راہ سلطانی مدینہ منورہ پر واقع ہے۔ بیت اللہ سے اس مقام کا فاصلہ دس پندرہ میل بتایا جاتا ہے۔ مقام سرف میں مقبرہ ام المومنین ہونے پر مورخین مدینہ بھی متفق ہیں اور لکھتے ہیں کہ باقی امہات المومنین کی قبور جنت البقیع میں واقع ہیں البتہ بعض سیاحوں نے ام المومنین کا مزار دمشق میں بتایا ہے اور پروفیسر مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ان کا مدفن دمشق میں بتایا ہے اور 1345ء میں وہاں اس کی زیارت بھی کی تھی۔ موضع سرف میں جو کتب تاریخ کے مطابق بھی آپؓ کے مدفن کا مقام ہے مقبرہ ام المومنین سے متصل ایک مسجد و مسافر خانہ بھی تھا۔ فرنگی سیاح برکھارٹ نے 1815ء میں اپنے سفرنامہ میں اس جگہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مکہ سے اونٹوں پر چل کر تقریباً پانچ گھنٹے میں ہم مقبرہ میمونہ پہنچے تھے۔ یہاں کسی بزرگ کا مزار ہے اس کے قریب ہی میٹھے پانی کا ایک کنواں، ایک سنگین حوض اور مقبرے سے متصل ایک چھوٹی سی عمارت ہے جہاں مسافر ٹھہرتے ہیں۔۔ برکھارٹ نے لکھا ہے کہ اس مزار کا گنبد وہابیوں نے اپنے قبضے کے دوران منہدم کر دیا تھا۔ تاہم چونکہ برکھارٹ ایک محقق ہونے کے باوجود ایک مغربی تھا اس لیے شائد اسے معلوم نہیں ہو سکا کہ صاحب مزار کون ہے؟ بہرحال حضرت میمونہؓ کے مزار پر نجدیوں کی پہلی فتح کے وقت قبہ موجود تھا۔ 1218ھ میں مکہ معظمہ کے دوسرے مزارات اور قبوں کے ساتھ نجدیوں نے اسے بھی منہدم کر دیا تھا۔ 1232ھ تک یہ دوبارہ تعمیر نہیں ہوا تھا۔ ممکن ہے محمد علی پاشا نے 1233ء میں اسے دوبارہ تعمیر کروا دیا۔ حاجی عبدالرحیم بنگلوری نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ ام المومنین کی قبر پہاڑی ڈھلوان پر واقع تھی اور یہاں 12 صفر کو ان کا عرس بھی منعقد کیا جاتا تھا۔

1344ء میں جب اہل نجد نے حجاز پر دوبارہ قبضہ کیا تو حضرت میمونہؓ کے روضہ کے دوبارہ تعمیر کیے گئے گنبد کو پھر منہدم کر دیا تھا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس گنبد سے انھیں کون سے قسم کے شرک و بدعت کا خطرہ تھا؟

مقبرہ مہاجرین

مکہ معظمہ کے قدیم مقابر میں سے ایک مقبرہ مہاجرین بھی تھا۔ مورخ ارزقی نے لکھا ہے کہ یہ قبرستان مقام حص حاص میں صلح فتح اور جبل مقلع کے درمیان واقع ہے۔ ایک مورخ ابن ظہیرہ نے جبل مقلع کا نام 'جبل بکا' بھی لکھا ہے۔ تقی الدین فاسی جبل بکا کی وجہ تسمیہ یہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت کی ہجرت کے بعد مسلمان یہاں آ کر گریہ وزاری کرتے تھے اور فاسی کے زمانے یعنی نویں صدی ہجری تک اس جگہ کا یہی نام مشہور تھا۔ ابن ظہیرہ نے مقبرہ مہاجرین کی ایک وجہ تو یہ بتائی ہے دوسری وجہ مورخین نے یہ بتائی ہے کہ 199ھ میں یہاں علویوں کی ایک جماعت نے خلیفہ ہادی عباسی کی فوج سے

جنگ کی تھی۔علویوں اوران کے انصار کے یہاں دفن ہونے کی وجہ سے اس قبرستان کا نام مقبرہ مہاجرین ہوگیا تھا۔تاہم ابن ظہیرہ نے اس علوی خروج کی تاریخ غلط دی ہے۔یہ واقعہ 169 ھ میں پیش آیا تھا۔

چونکہ موضع فخ یا وادی ذی طوی حضرت ابی عبداللہ الحسین کے مدفن ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔یہ حضرت ابی عبداللہ الحسین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چھٹی پشت سے تعلق رکھتے تھے اور بڑے بہادر وفیاض تھے۔خلیفہ ہادی کے مقرر کردہ گورنر مدینہ سے ان کی ان بن ہوگئی تھی اورانھوں نے اپنے چند انصار کے ساتھ اس پر حملہ کردیا تھا اوراسے مدینہ سے نکال دیا تھا۔مدینہ منورہ پر قبضہ کرنے کے بعد جیسے آپ مکہ معظمہ کی طرف بڑھے تو ان کے ساتھی ان کے لیے بیعت لینے لگے اور انھوں نے مکہ کے عباسی امیر کو بھی قتل کردیا۔اس کے بعد محمد بن سلیمان عباسی ایک بڑے لشکر کے ساتھ فخ آیا اور طرفین میں جنگ ہوئی۔حضرت ابی عبداللہ الحسین اوران کے ساتھی اس جنگ میں شہید ہوگئے۔ان کا سر بغداد بھجوادیا گیا مگر ان کا جسد یہیں دفن کردیا گیا تھا۔کہتے ہیں کہ جب ایک عباسی سپاہی جوان کا سر بغداد لایا تھا طالب انعام ہوا تو خلیفہ ہادی نے اسے جھڑک کر کہا تھا کہ یہ کسی کافر کا سر نہیں فرزند رسول کا سر ہے جنھیں محض انتظام سلطنت کے لیے قتل کیا گیا ہے۔

مکہ کلاک ٹاور

جہاں مکہ المکرمہ کے قدیم تاریخی آثار کی بات کی جائے گی وہاں بالضرور مکہ کی ایک جدید عمارت کا تذکرہ بھی ہوگا۔ اس وقت مکہ کلاک ٹاور دنیا کی دوسری بلند ترین عمارت ہے۔ صرف برج خلیفہ دبئی جو 2722 فٹ بلند ہے مکہ ٹاور سے بلند ہے۔ مکہ کلاک ٹاور کی بلندی 1972 فٹ یا 601 میٹر ہے۔ اس عمارت کی چوٹی پر نصب شدہ گھڑی بگ بین (Big Ben) سے چھ گنا بڑی ہے۔ مکہ کلاک ٹاور اس عظیم رہائشی منصوبے کا ایک حصہ ہے جس کے تحت اس عمارت میں 3000 کمرے تعمیر کیے گئے ہیں جن میں سے 858 کمرے لگژری اپارٹمنٹس ہیں۔ ان کمروں کی زیادہ تر کھڑکیاں حرم شریف کے رخ پر کھلتی ہیں جن سے خانہ کعبہ اور مسجد الحرام کے صحن یا مطاف کا روح پرور نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ ایام حج میں اس رہائشی کمپلکس میں 65000 عازمین حج قیام کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ 10000 نمازیوں کے لیے باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے اس عمارت میں ایک وسیع ہال بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ مکہ کلاک ٹاور کی 123 منزلیں ہیں جن میں سے 120 سطح زمین کے اوپر اور تین منزلین زیرزمین ہیں۔ اس عمارت کے زیرزمین تہہ خانوں میں 1000 سے زائد گاڑیاں پارک کی جاسکتی ہیں۔ اس عمارت کی 76 منزلیں ہوٹل کے لیے مستعمل ہیں۔ 20 منزلوں میں ایک بہت بڑا شاپنگ مال تیار کیا گیا ہے اور ایک منزل میں اسلامی میوزیم قائم کیا گیا ہے۔ اس عمارت کی بالائی منزلوں تک پہنچنے کے یے 90 ایلی ویٹر یا برقی زینے رکھے گئے ہیں۔

مکہ کلاک ٹاور کی گھڑی زمین سے تقریباً 1740 فٹ کی بلندی پر نصب کی گئی ہے۔ اس گھڑی کا ڈائل 19881 مربع فٹ 141X141 وسیع ہے جبکہ اس گھڑی کا قطر 128 فٹ ہے۔ اس گھڑی کی منٹوں والی سوئی 72 فٹ اور گھنٹوں والی سوئی 56 فٹ لمبی ہے۔ گھڑی کی پیشانی پر بڑے حروف میں اللہ اکبر لکھا ہوا ہے۔ اللہ اکبر کا الف 76 فٹ طویل ہے۔ یہ کلاک دن کے وقت 30 کلومیٹر سے نظر آتا ہے جبکہ رات کے وقت یہ گھڑی 20 کلومیٹر کے فاصلے سے دکھائی دیتی ہے۔ اس کلاک ٹاور کی چھت پر 16 بیم لائٹیں نصب کی گئی ہیں جو بالکل سیدھی آسمان کی طرف روشنی پھینکتی ہیں

جودس کلومیٹر کی بلندی تک چلی جاتی ہیں۔ رات کے وقت مکہ پر سے ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے ایک عجیب اور روشن نظارہ نظر آتا ہے۔ اس کلاک کی چھت پر 1833 فٹ کی بلندی پر ایک رصدگاہ بھی تعمیر کی گئی ہے جو دنیا کی بلند ترین رصدگاہ ہے۔ سعودی عرب میں یہ رصدگاہ نیا چاند دیکھنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

مکہ کلاک ٹاور کا سنگ بنیاد 2004 میں رکھا گیا تھا۔ تقریباً سات سال بعد 19 رمضان المبارک 1432 بمطابق 20 اگست 2011ء کو اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ ابتدائی طور پر اس کلاک کو تین ماہ کے لیے آزمائشی طور پر چلایا گیا تھا پھر اگلے سال 1433ء کو عید الفطر کے دن شاہ عبداللہ نے باضابطہ طور پر اس کا افتتاح کیا تھا۔

مکہ کلاک ٹاور کی تعمیر کے لیے اجیاد کے قدیم قلعہ کو مسمار کرنا ضروری تھا۔ یہ قلعہ عثمانی عہد حکومت میں تعمیر کیا گیا تھا۔ 2002 میں جب اس قلعہ کو مسمار کیا جانے لگا تو ترکی کی حکومت نے ناراضگی کا اظہار کیا مگر سعودی حکمرانوں نے ترکی کا احتجاج مسترد کر دیا اور کہا کہ یہ سعودی عرب کا داخلی معاملہ ہے اس میں کسی بیرونی ملک کو مداخلت کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

اس کلاک کا ڈیزائن اور نقشہ ایک سوئس تعمیراتی کمپنی نے تیار کیا تھا جبکہ اس کلاک کی تنصیب ایک جرمن کمپنی کا کارنامہ ہے۔ اتنی بلندی پر اس کو نصب کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ اس گھڑی کو دبئی سے لا کر اس ٹاور پر نصب کیا گیا۔

مکہ ٹاور کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے 2008ء میں دوحا میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں مکہ کو دنیا کا مرکزی مقام تسلیم کیا گیا اور GMT کی بجائے مکہ کے وقت کو دنیا کا معیاری وقت تسلیم کیا جانے کی سفارش کی گئی۔

مساجد مکہ المکرمہ

مسجد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

مکہ المکرمہ سے تقریباً 7.5 کلو میٹر یا پانچ میل کے فاصلہ پر ایک خوبصورت مسجد مدینہ روڈ پر واقع ہے۔ یہ مسجد مسجد تنعیم یا مسجد عائشہ کہلاتی ہے۔ یہ مسجد 84000 مربع میٹر رقبے پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ مقام تنعیم پر واقع ہے جو اہل مکہ کے لیے احرام عمرہ وحج باندھنے کا مقام ہے۔ یہ مقام مدینہ منوہ کی طرف سے آنے والوں کے لیے مقام میقات ہے۔

حج الوداع کے موقع پر جہاں دیگر ازواج مطہرات آنحضور کے ساتھ حج کے لیے مکہ تشریف لائیں وہیں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ صحیح بخاری شریف میں موجود حضرت جابرؓ سے مروی ایک روایت کے مطابق ام امومنین حضرت عائشہ کو عین مکہ میں داخلے کے وقت حیض آ گیا اس لیے انھوں نے حج کے دیگر ارکان تو ادا کیے مگر بیت اللہ کا طواف نہ کرسکیں۔ پھر جب وہ پاک ہوئیں تو انھوں نے طواف حج کیا۔ مناسک حج کی تکمیل کے بعد سیدہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض یا یا رسول اللہ ﷺ آپ اور دیگر اصحاب نے حج اور عمرہ دونوں عبادتیں مکمل کرلیں اور کیا میں صرف حج کر کے واپس چلی جاؤں گی؟ آپ ﷺ نے سیدہ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ انھیں مقام تنعیم پر لے جائیں۔ مقام تنعیم سے حضرت عائشہ نے احرام اندھا اور عمرہ ادا کیا۔ اس تاریخی واقعہ کی وجہ سے مسجد تنعیم کا نام مسجد عائشہ ہو گیا۔

آج بھی مکہ میں مقیم حجاج اور خود اہل مکہ عمرہ کی ادائیگی کے لیے مناسک عمرہ کا آغاز مسجد عائشہ جا کر احرام عمرہ باندھ کر کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے حکومت سعودی عرب نے حجاج کرام اور زائرین عمرہ کی سہولت کے لے حرم شریف کے باب الفہد سے ایک بس سروس مقام تنعیم تک چلا رہی ہے۔ اس سروس کی بسیں تھوڑے تھوڑے وقفے سے مسجد عائشہ کے لیے روانہ ہوتی ہیں۔ ان بسوں میں ایک منزلہ اور دو منزلہ بسیں شامل ہیں مگر دو منزلہ بسوں کی بالائی منزل پر خواتین کو بیٹھنے

کی ممانعت ہے۔ اسی طرح مسجد عائشہ میں خواتین و حضرات کے لیے علیحدہ وضو خانے اور حمام ہیں اور مسجد میں داخل ہونے کے لیے علیحدہ علیحدہ دروازہ کا اہتمام ہے۔

مسجد جن

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک دن جب ہم مکہ میں تھے اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے نبی کریم نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ جو معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ جن کیا ہیں وہ ہمارے ساتھ چلے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میرے سوا کوئی اور تیار نہیں ہوا۔ جب میں حضور کے ساتھ جنت المعلی کے علاقہ میں پہنچا تو حضور ﷺ نے اپنے پاؤں مبارک سے زمین میں ایک دائرہ کھینچا پھر آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا میں دائرے میں بیٹھوں۔ پھر تھوڑے سے آگے چل کر حضور ﷺ نے بڑی خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت شرع کردی۔ آپ ﷺ کی تلاوت کی آواز سن کر جن گروہ در گروہ وہاں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ وہ تعداد میں اتنے زیادہ تھے کہ آنحضرت ﷺ ان کے ہجوم میں نظر نہیں آتے تھے۔ تلاوت کے بعد آپ نے ان کے سوالوں کے جوابات دینے شروع کیے اور یہ سلسلہ نماز فجر تک جاری رہا۔ سورہ جن بھی اسی مقام پر نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی مروی ہے کہ ایک دن آنحضور نے نماز عشا ادا فرمائی اور پھر مسجد سے باہر تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مکہ سے باہر تشریف لے گئے۔ پھر ایک خط کھینچ کر مجھ سے فرمایا۔ ''اس خط سے کسی صورت میں بھی باہر نہ نکلنا۔ تیرے پاس کچھ لوگ آئیں گے تو ان سے بات نہ کرنا وہ تجھے گزند نہیں پہنچائیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک جن میرے پاس آیا تھا اور تلاوت قرآن سن کر چلا گیا۔ پھر کچھ لوگ آئے ان کے بال کسانوں کی طرح تھے نہ ان کے سر نظر آتے تھے نہ ان کے جسم۔ وہ اس خط کے نزدیک تو آتے مگر اس سے آگے نہیں بڑھ پاتے تھے۔ جب رات کا پچھلا پہر ہو تو رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے میں اس خط کے اندر ہی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ آج ساری رات انہوں نے مجھے جگائے رکھا۔'' آج مکہ کی مسجد جن عین اس مقام پر تعمیر کی گئی ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ کو خط کے اندر بٹھایا تھا۔ یہ مسجد جنت المعلی کے قریب واقع ہے اور آنحضرت ﷺ کی فضیلتوں کی امین ہے۔

مسجد شجرہ

مسجد جن کے سامنے وہ مسجد واقع ہے جسے مسجد شجرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یاد رہے یہ مسجد اس مقام پر واقع ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے ایک شجر کو بلایا تھا اور وہ آپ ﷺ کے حکم پر چلتا ہوا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ مقام حجون میں تشریف فرما تھے کہ کچھ مشرکین نے آپ کی طرف سے دی گئی دعوت اسلام کو رد کر دیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالی سے دعا کی کہ اے اللہ کوئی ایسی نشانی عطا کر جو یہ لوگ دعوت اسلام کو رد نہ کریں۔ اس پر اللہ تعالی کی طرف سے حکم آیا کہ اپنے قریب کھڑے ہوئے کسی درخت کو بلائیں۔ آنحضرت ﷺ نے جب ایسا کیا تو وہ قریبی درخت آنحضرت ﷺ کے بلانے پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ کو سلام کیا تب آنحضرت ﷺ نے اسے اس کی جگہ پر واپس لوٹ جانے کا حکم دیا تو وہ واپس اپنی جگہ پر لوٹ گیا۔ اس معجزہ کی رونمائی کے باوجود مشرکین نے اللہ کی وحدانیت کو قبول نہیں کیا۔ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب مجھے ان کے اسلام قبول نہ کرنے کا کوئی افسوس نہیں۔

مکہ کی مسجد شجرہ عموماً مدینہ منورہ کے مقام میقات ذوالحلیفہ پر واقع مسجد شجرہ کے ساتھ گڈمڈ ہو جاتی ہے۔ ان دونوں مساجد کے نام مسجد شجرہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی مسجد شجرہ میں حضور ﷺ نے احرام باندھا تھا اور ایک درخت کے نیچے نوافل ادا فرمائے تھے جب آپ 10ھ میں حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یوں مدینہ منورہ کی یہ مسجد بھی مسجد شجرہ ہی کہلاتی ہے۔ جبکہ مکہ کی مسجد شجرہ آنحضور ﷺ کے ایک معجزہ کی یادگار کے طور پر اور اللہ کی وحدانیت کے نشان کے طور پر تعمیر کی گئی ہے۔ اگرچہ مشرکین نے اس موقع پر اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر حضور ﷺ کے اس معجزہ سے اسلام کی شان بڑھی اور اللہ کی وحدانیت پر مسلمان ایمان لے آئے۔

مسجد الرایۃ

مسجد الرایۃ مکہ مکرمہ میں عین اس مقام پر واقع ہے جہاں فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے اپنا جھنڈا الہرایا تھا۔ دراصل اس نام سے مکہ میں تین مساجد واقع ہیں۔ ان میں سے ایک اس مقام پر تعمیر کی گئی ہے جہاں حضرت خالدؓ بن ولید نے فتح مکہ کے موقع پر اپنا جھنڈا کھڑا کیا تھا۔ اسی نام سے موسوم دوسری مسجد اس مقام پر واقع ہے جہاں حضرت قیس بن عبیدؓ یا حضرت زبیر بن عوامؓ نے فتح مکہ کے دن اپنا جھنڈا لہرایا تھا۔ یہ مسجد سعودی حکومت کے ابتدائی دور میں مکمل طور پر تباہ ہو گئی تھی اب دوبارہ اس کی تعمیر کی گئی ہے۔

تیسری مسجد الرایہ وہ ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن اپنا جھنڈا نصب کیا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس مقام پر نماز بھی ادا فرمائی تھی۔

مسجد عقبہ

منی کے قریب اس مقام پر واقع ہے جہاں 621ء میں آنحضرت ﷺ نے انصار مدینہ سے بیعت لی تھی اسی

وجہ سے یہ مسجد، مسجد بیعہ بھی کہلاتی ہے۔ بیعت عقبہ کرنے والے انصار مدینہ اوس وخزرج دونوں مدنی قبائل کے افراد شامل تھے۔ یہ تعداد میں بارہ تھے۔

حضور ﷺ اعلان نبوت کے بعد سے قبائل عرب سے رابطہ کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے تا کہ انھیں اسلام کی دعوت دے دی جاسکے۔ حج کے موقع پر مدینہ یا یثرب کے لوگ بھی مکہ آئے۔ ایک رات جب آپ ﷺ عقبہ کے مقام پر تبلیغ کے لیے آئے ہوئے تھے تو آپ ﷺ کی ملاقات یثرب سے آئے ہوئے چھ افراد سے ہوئی۔ انھوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اسلام قبول کیا۔ اس سے اگلے سال حج کے موقع پر یثرب سے ستر لوگوں نے آکر عقبہ کے مقام پر آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان واقعات کو تاریخ اسلام میں بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ 144ھ میں عباسی خلیفہ المنصور نے اس مقام پر بیعت عقبہ کی یادگار کے طور پر مسجد تعمیر کرائی تھی۔

مسجد خیف

یہ مسجد منیٰ میں ایک پہاڑی کے دامن میں جمرہ، چھوٹا شیطان کے قریب واقع ہے۔ اس مسجد کی خصوصیت و فضیلت یہ ہے کہ ایک حدیث شریف کے مطابق اس مسجد میں نہ صرف آنحضرت ﷺ نے بلکہ ستر انبیاء کرام نے نماز ادا فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت مجمع الزواید 297/3 میں موجود ہے۔

یزید بن اسود سے مروی ہے کہ اُس نے حجۃ الوداع کے موقع پر نماز فجر مسجد خیف میں حضور ﷺ کے ساتھ ادا کی تھی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے اس مسجد میں پانچ نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ اس مسجد کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں مکہ میں رہائش پذیر ہوتا تو ہر جمعہ اس مسجد میں ادا کرتا۔ اس مسجد کی موجود تعمیر کا رقبہ 25000 مربع میٹر ہے اور اس میں پچیس ہزار نمازی بیک وقت باجماعت نماز ادا کر سکتے ہیں۔

مسجد نمرہ

حرم شریف مکہ سے تقریباً نو کلومیٹر کے فاصلے پر میدان عرفات میں واقع مسجد نمرہ وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی زندگی کا آخری خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ جب آپ ﷺ جبل رحمت پر یہ خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد مسجد نمرہ میں تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں قرآن پاک کی آخری آیت نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:۳) ترجمہ: آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے پسند کیا۔

اب ہر سال 9 ذوالحجہ کو مسجد نمرہ ہی میں خطبہ پڑھا جاتا ہے اور لاکھوں فرزندان توحید اس خطبہ کو سنتے ہیں۔ اس خطبہ کے بعد ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی باجماعت ادا کی جاتی ہیں۔ ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ادا کرنا اس مقام پر سنت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی یہ نمازیں اکٹھی اسی مسجد میں ادا کیں۔ چونکہ آج کل حج کا اجتماع تیس لاکھ سے زائد افراد پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے اس مسجد میں حاجی کا اندر حاضر ہونا مشکل ہے کیونکہ اس مسجد میں تین لاکھ افراد کی گنجائش ہے۔

مسجد مشعر الحرام

مشعر الحرام جیسا کہ پہلے ذکر آیا تھا کہ منی اور مزدلفہ کے درمیان واقع ایک وادی ہے جہاں دسویں ذوالحجہ کی شب مزدلفہ میں گزارنے کے بعد حجاج کرام دعا کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ جمرات پر کنکریاں پھینکنے کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں۔ مسجد مشعر الحرام مزدلفہ میں واقع ہے۔ یہ مسجد تین سو فٹ طویل ہے اس کے دو مینارے ہیں اور اس مسجد میں تقریباً بارہ ہزار نمازی نماز باجماعت ادا کر سکتے ہیں۔

مکہ المکرمہ عہد جاہلیہ میں

مکہ المکرمہ کے کئی نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ المکرمہ کو "البلد الامین" کا نام دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو یہ شہر بڑا محبوب تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تو مجھے تمام شہروں سے زیادہ پیارا ہے اور اللہ کی زمینوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔" مشہور رومی جغرافیہ دان سٹرابو (Strabo) نے لکھا ہے کہ جب براستہ حجاز تجارت یمنی یا سبائی عربوں کے ہاتھوں میں پھلنے پھولنے لگی تو مکہ ایک تجارتی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا۔ پھر آہستہ آہستہ حجازی عرب بھی سامان لے کر تجارت کے لیے نکلنے لگے۔ مکہ کا سرکردہ قبیلہ یا قبائل کی فیڈریشن کا نام قریش تھا۔ "قریش" کا نام تجارت کرنے اور منافع کمانے" کی وجہ سے پڑا تھا جو قریش البطحا یعنی "گردونواح" والے ہی قریش خاص تھے۔ قریش دس قبیلوں کی ایک فیڈریشن یا وفاق کا نام تھا جن کے نام یہ تھے: بنوہاشم، بنوامیہ، بنی نوفل، بنوزہرہ، بنواسد، بنوتمیم، بنوعدی، بنومخزوم، بنوجومہ اور بنوسہیم۔ یہ سب زم زم کے گرد رہتے تھے جبکہ دیگر عرب اور غیر عرب نواحی آبادیوں میں آباد تھے جو اس مرکز کے باہر پھیلی ہوئی تھیں۔ غالباً یہ سب بعد میں آنے والے آبادکار تھے۔ ہر قبیلے نے اپنی قبائلی تشخص کو برقرار رکھا ہوا تھا اور وہ صحرائی قبائل کی طرح اپنے معاملات میں خودمختار تھا۔ اسی وجہ سے مکہ ایک شہر کی بجائے قبائلی ڈیروں کا مجموعہ تھا۔ تاہم یہ سب قبائل تجارت مفادات کے ایک ہونے کی وجہ سے ایک کنفیڈریسی میں متحد ہو گئے تھے۔ سامان برداری کی تجارت میں عملاً ہر مکی شہری شریک تھا حتی کہ مکی خواتین بھی تجارت میں سرمایہ کاری کرتی تھیں۔ بعض محققین نے مکہ کو ایک شہری ریاست یا جمہوریہ کے طور پر بیان کیا ہے لیکن اس شہری ریاست یا جمہوریہ سے بس یہ مراد لی جا سکتی ہے کہ قبائل کنفیڈریسی یا وفاق ایک مجلس عام کی حامل تھی جس میں کاروبار تجارت کی منصوبہ سازی کی جاتی تھی اور بلاشبہ یہ صحرائی قبائل کے ہاں مروج مجلس یا قبائلی کونسل کے طور پر کام کیا کرتی تھی۔

دختر کشی

مکی معاشرے دیگر برائیوں کے ساتھ ساتھ قبل از اسلام بت پرستی کی ایک رسم جس نے روایات میں بڑی

اہمیت حاصل کر لی تھی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ زمین میں گاڑ دینے کی مبینہ رسم بد تھی۔ یہ رسم بد کی معاشرے میں وسیع پیانے پر جاری تھی۔اس کا خاتمہ بانی اسلام حضرت محمد ﷺ نے کیا۔قرآن کریم میں تین مقامات پر ذکر آیا ہے غریب عرب مالی بوجھ کو کم کرنے کے خیال سے اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے مثلاً: (ا) ''وہ لوگ جنھوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے قتل کر دیا......وہ خسارے میں ہیں۔'' (6:141 القرآن) (2) اور مفلس ہو جانے کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔(6:152 القرآن) ایک اور مقام پر زیادہ فیصلہ کن انداز میں لڑکیوں کی جانب عربوں کے رویے کی سرزنش کی گئی ہے: ''جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خبر مل جاتی ہے تو اس کا منہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ رنجیدہ ہو جاتا ہے...... وہ لوگوں سے چھپتا اور سوچتا ہے کہ آیا وہ اسے زندہ رہنے دے یا مٹی میں گاڑ دے؟ (1-60-16 القرآن)

یہ بات تاریخ میں موجود ہے کہ حضرت عمرؓ ایک نومولود بچی کو قبر میں اتارے جانے کے روح فرسا منظر کو دیکھ کر رو دیے تھے اور صعصعہ نے 180 لڑکیوں کو زندہ در گور کیے جانے سے بچایا تھا۔ اغانی کے ایک بیان میں بتایا گیا ہے کہ بچیوں کو یوں قتل کرنے کا رواج پہلی بار ایک عرب قیس بن عاصم سعدی نے متعارف کرایا تھا اور وہ عہد نبوی میں زندہ تھا۔

اشراف مکہ بہ ایام جاہلیہ

قریش کے وہ افراد جنھیں شرف حاصل رہا تا آنکہ جبل فاران کی چوٹیوں پر نور اسلام چمکا۔ وہ قریش کے دس خاندانوں کے افراد تھے یعنی حضرت ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح اور سہم۔ بنی ہاشم میں سے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے پاس ایام جاہلیت میں حاجیوں کو پانی پلانے کی عہدہ تھا۔ بنو امیہ میں سے سفیان بن حرب کے پاس قریش کا جھنڈا عقاب تھا اور سالار قریش تھے۔ بنی نوفل کے الحارث بن عامر کے پاس رفادہ کا عہدہ تھا۔ رفادہ وہ رقم جسے قریش اپنے مال سے نکال کر حاجیوں کی مدد کے لیے مختص کرتے تھے۔ بنی عبدالدار میں سے عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ تھے۔ بعض محققین کے مطابق دار الندوہ بھی بنی عبدالدار کے پاس تھا۔ بنی اسد میں سے یزید بن زمعہ بن الاسود تھے۔ ان کے پاس ''مشورہ'' تھا۔ رؤسائے قریش ان سے مشورہ کیے بغیر کسی بات پر اتفاق نہیں کرتے تھے۔ یہ بعد ازاں آنحضرت ﷺ کی طرف سے لڑتے ہوئے طائف میں شہید ہوئے تھے۔ بنی تیم کی شہرہ آفاق شخصیت حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے۔ ان کے پاس ایام جاہلیت میں اشناق تھیں۔ اشناق دیت اور تاوان کو کہتے ہیں۔ وہ قریش کی طرف سے دیت کی ذمہ داری قبول کرتے تھے۔ بنی مخزوم کے اہم فرد حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔ ان کے ذمہ ''قبہ'' اور ''اعنہ'' تھا۔ قبہ یہ تھا کہ قریش خیمہ گاڑتے اور اس میں آلات حرب جمع کر کے فوج کو لیس کرتے۔ اعنہ یہ تھا کہ جنگ کے موقع پر حضرت خالدؓ گھڑ سوار دستوں کے سردار ہوتے تھے۔ بنی عدی میں حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس ایام جاہلیت میں سفارت کا عہدہ تھا۔ قریش انھیں سفیر بنا کر بھیجتے تھے اور کوئی قبیلہ ان سے فخریہ مقابلہ کرنا چاہتا تو بھی انھیں کو مفاخرت کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ بنی جمح میں سے

صفوان بن امیہ تھا جسکے پاس تیر ہوا کرتے تھے چنانچہ کسی عام مفاد کی بات میں ان سے پہلے کوئی شخص ان سے پہلے قدم نہیں اٹھاتا تھا۔

زمانہ جاہلیت میں قریش مکہ کے بزرگی کے کام یہ تھے یعنی سقایہ، عمارہ، عقاب، رفادہ، حجابہ، ندوہ، لواء، مشورہ، اشناق، قبہ، اعنہ، سفارہ، ایسار حکومت اور اموال موقوفہ براہہ۔ یہ عہدے مذکورہ بالا دس خاندانوں میں سے دس آدمیوں کے سپرد تھے۔ اسلام آیا تو اس نے بھی ان عہدوں اور کاموں کو برقرار رکھا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جو شرف کی بات تھی اور وہ اسلام کی آمد تک موجود تھی تو اسلام نے اسے برقرار رکھا۔ چنانچہ حاجیوں کو پانی پلانا، مسجد حرام کی آبادی اور ''حلوان النفر'' بنی ہاشم میں تھی۔ سقایہ کو تو سب جانتے ہیں۔ عمارۃ یہ تھی کہ کوئی شخص مسجد حرام میں کسی قسم کی بیہودہ بات یا گالی گلوچ نہ کرنے پائے اور نہ ہی یہاں بلند آواز میں بات کرے۔ حضرت عباسؓ لوگوں کو ان باتوں سے منع کرتے تھے۔ حلوان نفریہ تھا کہ عرب جاہلیت میں کسی کو مالک نہیں بناتے تھے۔ جب جنگ کا موقع ہوتا تو سرداران قریش کے نام پر قرعہ اندازی کی جاتی مثلاً جنگ فجار کے موقع پر بنی ہاشم میں قرعہ اندازی ہوئی تو حضرت عباسؓ کا نام نکلا۔ وہ کم سن تھے اس لیے انہیں ڈھال پر بٹھادیا گیا تھا۔

مکہ پریس

مکہ المکرمہ میں پہلا پریس یا چھاپا خانہ 1885ء میں مکہ کے عثمانی والی عثمان نوری پاشا نے لگایا تھا۔ ہاشم اشراف مکہ کے عہد میں اس پریس سے مکہ شہر کا سرکاری گزٹ ''القبلہ'' شائع کیا جاتا تھا۔ جب سرزمین عرب پر سعودی حکومت قائم ہوئی تو سعودی حکومت نے اس پریس کو ترقی دی اور اس کی کارکردگی کو بڑھایا اور ایک نیا سرکاری گزٹ ''ام القریٰ'' متعارف کرایا گیا۔

مکہ المکرمہ سے ایک مقامی اخبار ''الندوہ'' نکلتا ہے۔ اسکے علاوہ کئی اور سعودی اور بین الاقوامی اخبارات ''سعودی گزٹ'' المدینہ، عکاظ اور البلیاد۔ پہلے تین اخبارات صرف مکہ شہر کی مقامی خبریں شائع کرتے ہیں جبکہ چوتھا بین الاقوامی ہے۔ اخبارات کے علاوہ مکہ شہر میں کئی ٹیلی وژن چینل بھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان میں سعودی ٹی وی ون، سعودی ٹی وی 2، سعودی سپورٹس، الاخباریہ، عرب ریڈیو اور عرب ریڈیو اینڈ ٹیلی ویژن نیٹ ورک شامل ہیں۔

مکہ کھیل

جدید مکہ میں سب سے زیادہ کھیلے جانے والے کھیلوں میں مختلف دوڑیں اور کشتیاں شامل ہیں۔ فٹ بال کا کھیل بھی مکہ المکرمہ کا پسندیدہ ترین کھیل ہے۔ مکہ شہر میں فٹ بال کے کھیل کے کئی قدیم کلب بھی موجود ہیں جن میں سے ایک الوحدۃ ایف سی (Al-Wahda FC) ہے جو 1945ء میں قائم کیا گیا تھا۔ کنگ عبدالعزیز سٹیڈیم مکہ کا وسیع ترین سٹیڈیم ہے جس میں 38000 تماشائیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔

مکہ المکرّمہ کے کھانے

سعودی عرب کے دیگر شہروں کی طرح کبسہ جو چاول اور گوشت سے تیار کیا جاتا ہے مکہ کے مقبول کھانوں میں سے ایک ہے۔اس کے علاوہ یمنی مانڈی بھی یہاں کا پسندیدہ کھانا ہے۔جدید کھانوں میں شورما اور کوفتہ اور کباب شامل ہیں جو مکہ میں ہر جگہ آسانی سے دستیاب ہیں۔

مکہ میں تعلیم

مکہ میں جدید تعلیم کا نظام عثمانی عہد آخر میں متعارف کرایا گیا تھا مگر ہاشمی اشراف مکہ کے عہد میں بہت آہستگی سے یہ نظام آگے بڑھا۔اسی زمانے میں جدہ کے متمول تاجر محمد علی زینال ایاء نے مدرسۃ الفعلیٰ کی بنیاد رکھ کر 1911-12 میں جدید تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کی تھی۔آج کل مکہ سکول سسٹم کے تحت کافی تعداد میں پبلک اسکولز اور پرائیویٹ اسکولز چلائے جا رہے ہیں جو لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ہیں۔2005ء میں لگائے گئے ایک تخمینہ کے مطابق 532 پبلک اور پرائیویٹ اسکول لڑکوں کے لیے اور 681 اسکول لڑکیوں کے لیے مکہ ریجن میں موجود تھے۔

ام القریٰ یونیورسٹی

مکہ میں شاہ عبدالعزیز کے حکم پر 1949ء میں شریعت اسلامی کالج کھولا گیا تھا۔یہ اس وقت سعودی عرب میں اعلیٰ تعلیم کا پہلا ادارہ تھا۔تقریباً تیس سال بعد 1979ء میں سعودی فرمانروا شاہ فہد نے ایک شاہی فرمان کے ذریعہ اس کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا اور اسکا نام جامعہ ام القریٰ رکھا۔جامعہ ام القریٰ بنیادی طور پر اسلامی قانون، الفقہ اور عربی زبان کی ترویج و ترقی کا ادارہ ہے۔اس ادارے میں 1952ء میں اساتذہ کے لیے تربیتی کالج کا اجراء بھی کیا گیا تھا۔ اگرچہ یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم انگریزی زبان ہے مگر شریعت کالج اور عربی کالج اس سے مستثنیٰ ہیں۔ان میں ذریعہ تعلیم عربی زبان ہی ہے۔جدید زمانے کے تمام اہم مضامین اور کورسز یونیورسٹی میں کروائے جا رہے ہیں اور بی۔اے سے ڈاکٹریٹ تک کی ڈگریاں دی جاتی ہیں۔اس یونیورسٹی میں طلبہ کی تعداد 30ہزار سے تجاوز کر چکی ہے جبکہ اساتذہ کی تعداد 5000 ہے۔اس جامعہ کی تین شاخیں یا تین کیمپس ہیں جو مکہ شہر میں عبیدیہ، عزیزیہ اور الزہرا ہیں جبکہ ایک شاخ طائف میں بھی قائم کی گئی ہے۔اس یونیورسٹی کے اہم شعبوں میں اسلامک سٹڈیز، عربی زبان، سوشل سائنسز، انجینئرنگ، میڈیسن، دانتوں کا شعبہ، بزنس اور سیاحت کے شعبے شامل ہیں۔

کتابیات

معجم البلدان	یاقوت
MEKKA	BURXK HARDT
سفرنامہ علی بیگ	علی بیگ
طبقات ابن سعد	ابن سعد
خلافت اور ہندوستان	سید سلیمان ندوی

مکہ المکرمہ (نیٹ پر مختلف ویب سائٹ سے) کے متعلق جدید معلومات

حرم شریف مدینۃ المنورہ

نام اور حدود اربعہ

جزیرہ نمائے عرب کے صوبہ حجاز کا وہ مقدس شہر جہاں نبی کریم ﷺ بعد از ہجرت رہائش پذیر ہوئے اور آج بھی محوِ آرام ہیں اس شہر کا پہلا نام یثرب تھا۔ مشہور یونانی جغرافیہ دان بطلیموس نے اپنے جغرافیہ میں یثرب کا نام یثربیہ (Jathripa) دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ جب ہجرت فرما کر یثرب تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اس کا نام طیبہ اور طابہ رکھا تھا۔ قرآن مجید میں اس شہر مقدس کے دونوں نام یثرب اور مدینہ آئے ہیں۔ مدینہ المنورہ کے محققین نے انتیس ایسے نام گنوائے ہیں جو بہت زیادہ مشہور ہوئے۔ ان میں طیبہ، طابہ، جابرہ، مدینۃ النبی ﷺ، مدینۃ الرسول ﷺ اور دار الہجرۃ زیادہ مشہور ہیں۔ مدینہ کے ممتاز مورخ علامہ السمہودی نے اس کے 94 نام اپنی کتاب وفا الوفاء باخبار دار المصطفیٰ میں دیے ہیں۔

جغرافیائی محل وقوع

مدینۃ المنورہ 3 درجے اور 50 دقیقے طول البلد مشرقی اور 24 درجے اور 32 دقیقہ عرض البلد شمالی میں خط استواء کے شمال میں واقع ہے۔ یہ مکہ المکرمہ سے 300 میل اور ینبع سے ایک سوتیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور سطح سمندر سے 600 میٹر بلند ہے۔ اس کے شمال میں جبل احد اور جنوب میں جبل عیر واقع ہیں اور یہ دونوں پہاڑ مدینہ منورہ سے حالیہ دنوں تک 4 کلومیٹر کے فاصلے پر تھے۔ شہر کے مغرب اور مشرق میں حرۃ الوبرہ اور حرۃ الواقم واقع ہیں۔ یہ سیاہ پتھروں کے علاقے ہیں جن کو آتش سیال مادہ نے ایک دوسرے سے جوڑ دیا تھا اور جو سخت نوکیلے اور آڑے ترچھے ہیں اور میلوں کی مسافت میں پھیلے ہوئے ہیں۔ شہر کے اردگرد کئی وادیاں واقع ہیں جن میں وادی عقیق اور وادی رانونا قابل ذکر ہیں۔ ان وادیوں میں بہت سے باغات اور کھیت واقع ہیں اور یہ اہل مدینہ کی سیرگاہیں ہیں۔ کچھ محققین کے مطابق مشرقی اور مغربی دونوں حرے حدود حرم مدینہ میں واقع ہیں۔ اس بیان کی تائید میں محققین نے آنحضرت ﷺ کا یہ قول مبارک پیش کیا جب آنحضرت ﷺ الحرہ الشرقیہ کے موضع بنی حریسہ میں تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے وہاں کے باشندوں کو یہ وعید دی تھی وہ حرم شریف کی حدود کے اندر بستے ہیں۔ بعض روایات کی رو سے حرم مدینہ کی حدود کا رقبہ 16 کلومیٹر

ہے۔ آج کل مدینہ منورہ جدید شاہراہوں کے ذریعے مکہ المکرمہ، جدہ اور ینبوع سے متصل ہے اور آئندہ الحرمین ہائی سپیڈ ریلوے کے ذریعے بہ راستہ جدہ کے کنگ عبدالعزیز ایرپورٹ اور دوسری طرف مکہ المکرمہ سے متصل ہوجائے گا۔ عثمانی سلطنت کے عہد آخر میں بھی مدینہ منورہ کو دمشق اور اردن کے دارالسلطنت عمان سے حجاز ریلوے کے ذریعے متصل کردیا گیا تھا۔ بعدازاں حجاز ریلوے عثمانی حکومت کے خلاف ہونے والی بغاوت 1916ء میں تباہ ہوگئی تھی۔

آب وہوا

مدینہ منورہ کی آب وہوا کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ موسم گرما میں شدید گرم، خزاں اور بہار کے موسم میں معتدل اور موسم سرما میں خاصی سرد ہوجاتی ہے۔ 1345ھ/1926ء تک مدینہ منورہ کی آبادی صرف پچاس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔

اراضی اور پانی کے چشمے

مدینہ منورہ میں چوبیس سے زائد پانی کے چشمے ہیں۔ ان چشموں میں اہم ترین عین الرزقاء ہے۔ اس کا اجراء حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر ہوا تھا۔ مدینہ منورہ کا پانی ہلکا سرد اور شیریں ہے۔ مدینہ منوہ کی اراضی دو قسم کی ہے۔ ایک قسم سفید رنگ کی ریتلی زمین پر مشتمل ہے۔ یہ مدینہ منورہ کے مشرقی جانب ہے اور اس میں کھجور، انگور اور انار کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ دوسری قسم سیاہ رنگ کی ہے جس میں گندم، جوء، انار، نارنگی، رنگ برنگ پھول اور قسم قسم کی سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اراضی مدینہ منورہ کے جنوب میں قباء، عوالی، عقیق میں واقع ہے۔

مکانات

مدینہ منورہ کے مکانات پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور حالیہ دنوں تک دو سے تین منزلہ ہوتے تھے شہر کی اندرونی گلیاں تنگ اور بازار بھی کچھ زیادہ کشادہ نہیں ہیں۔ مدینہ کے باشندے نہایت ہی حلیم، خلیق اور شیریں گفتار ہیں اور ان کے دل بھی بڑے کشادہ ہیں۔ آجکل بازار غیر ملکی مصنوعات سے بھرے رہتے ہیں۔ حج کے موسم میں خرید وفروخت عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ مدینہ منورہ کی سب سے بڑی سوغات کھجور ہے جو کئی اقسام کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ زائرین، مدینہ کے بازاروں سے چادریں، تسبیحیاں، جائے نماز، رومال اور ٹوپیاں بطور تبرک بڑی تعداد میں خریدتے ہیں۔

قدیم تاریخ

یثرب کی وجہ تسمیہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں یہ دی ہے کہ اسے یثرب بن قانیہ نے آباد کیا تھا جو حضرت نوحؑ کی اولاد میں سے تھا اور ان کی ساتویں پشت سے تعلق رکھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب سرزمین حجاز میں عمالقہ کا ظلم وستم بڑھا تو حضرت موسیٰ نے ان کی سرکوبی کے لیے ایک فوج بھیجی تھی۔ عمالقہ کو جنگ میں شکست ہوئی اور ان کا بادشاہ قتل ہوا۔ جب یہ

فوج فتح حجاز کے بعد شام و فلسطین واپس گئی تو اسے حضرت موسیٰ کے ایک حکم کی خلاف ورزی کے الزام میں واپس حجاز بھیج دیا گیا۔ ان یہود نے حجاز میں مدینہ منورہ میں پناہ لی۔ (معجم البلدان) ایک روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ جب حج کے لیے حجاز تشریف لائے تو بہت سے بنی اسرائیل بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ حج سے واپسی پر یہ کارواں یہود یثرب سے گزرے تو حضرت موسیٰ کو اس شہر میں تورات میں ذکر کیے گئے شہر جیسی مناسبت نظر آئی جہاں ایک ایسے نبی نے پیدا ہونا تھا جو خاتم الانبیا ہوگا۔ بنی اسرائیل کا ایک گروہ موضع سوق قینقاع میں سکونت پذیر ہو گیا تاکہ نبی آخرالزماں ﷺ کی زیارت کر سکے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ کہ جب بابل میں بنی اسرائیل بخت نصر کی ایذا رسانی سے عاجز آ گئے تو وہ وہاں سے بھاگ نکلے۔ انھوں نے توراۃ میں پڑھا تھا کہ عرب کے ایک مقام پر جو کھجور کے درختوں کے لیے مشہور ہے محمد نام کے ایک نبی ظاہر ہوں گے۔ وہ اسی مقام یعنی یثرب میں آباد ہو گئے مگر جب ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ان یہودیوں کی اولاد میں سے جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا تو انھوں نے آپ ﷺ کے پیغام کو نہیں مانا اور بدعہدی، غداری اور بغض و حسد سے کام لے کر اسلام کی بنیاوں کو متزلزل کرنے لگے اور پیغمبر اسلام ﷺ کو قتل کرنے کی سازشیں تیار کرنے لگے تاکہ مدینہ پر وہ دوبارہ اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کر سکیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے ان سے ایک معاہدہ، میثاق مدینہ کر کے اس پر اپنے دستخط ثبت کر دیے جس کی رو سے ان کو آزادی مذہب اور جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دی گئی تھی۔ اگر وہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کرتے تو مسلمانوں کے ساتھ امن و عافیت سے رہتے مگر انھوں نے عہد شکنی اور غداری کی اور اس کی قرار واقعی سزا پائی۔

مدینہ منورہ میں یہودیوں کے تین قبیلوں بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کی بہت سی ذیلی جماعتوں کے علاوہ دیگر قبائل بھی سکونت پذیر تھے۔ علامہ السمہودی نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں بیس یہودی اور ستر عرب قبائل آباد تھے۔

اہل یہود کے باہمی تعلقات

بنو قینقاع اور دوسرے یہودی قبیلوں میں عداوت چلی آتی تھی کیونکہ بنو قینقاع بنو خزرج کے ساتھ یوم بعاث میں شریک تھے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ نے بنو قینقاع کا بڑی بے دردی سے خون بہایا تھا اور ان کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا۔ مدینہ منورہ میں یہود مختلف بستیوں میں رہتے تھے جو گڑھیاں یا اطم کہلاتی تھیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ قلعہ بند محلے تھے جب مرد جنگ کے لیے نکلتے تو خواتین اور کمزور افراد ان میں پناہ گزین رہتے تھے۔

اجارہ داری

یہود یثرب کی تجارت، زراعت اور مالی معالات میں سارے عرب پر چھائے ہوئے تھے۔ ان کے بیشتر مالی

معاملات رہن اور سود پر قائم تھے۔ وہ لوگوں کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے اور عربوں کی عورتوں اور بچوں تک کو رہن رکھ لیتے تھے۔ یوں یہود یثرب سود خوری میں قریش مکہ سے بڑھے ہوئے تھے۔ یہود کے علاوہ یثرب میں عیسائی بھی موجود تھے۔ یہاں کے مقامی قبائل اوس اور خزرج یمن میں سد مارب کی تباہی کے بعد یہاں آ کر آباد ہوئے تھے یہود اپنی شرانگیزی کی وجہ سے ان دونوں قبائل کو لڑا کر فائدہ اٹھاتے تھے۔ اوس وخزرج کے درمیان آخری جنگ، جنگ بعاث تھی جو ہجرت سے صرف پانچ برس پہلے لڑی گئی تھی۔

عہد اسلام میں

رسول اللہ 622ء میں مکہ سے ہجرت فرما کر یثرب پہنچے جس سے نہ صرف عہد اسلام کا آغاز اور سنہ ہجری کا اجراء ہوا جس کے بعد یثرب مدینۃ النبی ﷺ میں بدل گیا اور جلد ہی دین اسلام کا ایک ایسا مستحکم قلعہ مرکز و مرجع بن گیا جہاں سے اسلام کی روشنی سارے عالم میں پھیل گئی۔

معرکہ بدر و احد

2 ہجری میں آنحضرت ﷺ کے زیر قیادت ایک عسکر اسلامی بدر کی طرف بڑھا جہاں مسلمانوں اور مشرکین مکہ میں پہلی جنگ لڑی گئی۔ یہ جنگ اسلام کی فتح اور مشرکین کی شکست پر ختم ہوئی۔ اس جنگ میں مشرکین مکہ کے ستر آدمی بشمول ابوجہل کے قتل ہوئے اور تقریباً اتنے ہی گرفتار کر لیے گئے جنھیں فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ 3 ہجری مدینہ منورہ سے 4 کل میٹر کے فاصلے پر جبل احد کے دامن میں جنگ احد لڑی گئی جس میں ستر سلمان شہید ہوئے۔ اس جنگ میں تیر اندازوں کے اپنی جگہ چھوڑنے کی وجہ سے مسلمانوں کو خاصا نقصان اٹھانا پڑا۔

جنگ خندق

5ھ مشرکین مکہ نے دیگر عرب قبائل سے اتحاد کر کے مدینہ منورہ پر حملہ کیا اور مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے اس معرکہ میں خندق کھودی تھی۔ اسی وجہ سے یہ معرکہ خندق کہلاتا ہے۔

فتح مکہ

8ھ/ 630ء میں آنحضرت ﷺ کی قیادت میں مکہ فتح کر لیا گیا اور قریش مکہ کی مخاصمت ختم ہو گئی۔ اسی سال جنگ حنین لڑی گئی جس میں معرکہ احد کی طرح ہی پہلے مسلمانوں کی شکست کے آثار نظر آئے مگر آنخضرت ﷺ کی ذاتی بہادری سے یہ معرکہ بھی جیت لیا گیا۔ اہل قریش کی مزاحمت کے خاتمے کے بعد پورا جزیرہ نما عرب حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور اب اسلام جزیرہ نما عرب سے باہر پھیلنے لگا۔

خلفائے راشدینؓ کا عہد

12 یا 13 ربیع الاول 11ھ / 8 جون 632ء کو آنحضرت ﷺ کا وصال ہوگیا جس کے بعد خلافت راشدہ کا آغاز ہوا۔ پہلے خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا عہد خلافت دو سال اور کچھ ماہ رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ مرتدین اسلام اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے عہد میں جزیرہ نما عرب میں اسلام کی بنیادیں مضبوط ہوئیں اور اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے مرکز اسلام، مدینہ منورہ سے اشاعت اسلام کی غرض سے اسلامی افواج کو عراق اور شام کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مسند خلافت پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ متمکن ہوئے۔ ان کے عہد خلافت میں اسلام کی زبردست اشاعت ہوئی اور یہ دور دراز تک کے علاقوں تک پھیل گیا۔ مرکز اسلام مدینہ منورہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مرکزی بیت المال قائم کیا۔ مسجد نبوی کی توسیع کی اور مکہ تک ہر منزل پر چوکیاں، سرائے اور حوض تعمیر کرائے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ یعنی تیسرے خلیفہ راشد کا اہم کارنامہ مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع ہے۔ انھوں نے پہلی بار مسجد کی پوری عمارت میں منقش پتھر لگوائے اور ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا۔ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ انھیں گورنر شام، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے بصرہ روانہ ہونا پڑا۔ اکثر اہل مدینہ جو محتاط طبیعت کے مالک تھے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہونے والی اس خانہ جنگی کے خلاف تھے۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ مدینہ منورہ نہ چھوڑیں۔ اگر آپ مدینہ سے نکلے تو پھر یہاں واپس نہ آسکیں گے اور مرکز حکومت مدینہ سے باہر منتقل ہوجائے گا۔ چنانچہ لوگوں کی یہ پیشن گوئی پوری ہوئی اور جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو مدینہ کی بجائے اپنا دارالحکومت قرار دیا اور یوں مرکز حکومت ہمیشہ کے لیے مدینہ سے باہر منتقل ہوگیا۔ اگرچہ امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد واپس مدینہ تشریف لے آئے مگر مدینہ منورہ آئندہ کبھی مرکز حکومت نہ بن سکا۔ اسلامی ریاست کا دارالحکومت کبھی دمشق اور کبھی بغداد منتقل ہوا۔

مدینہ منورہ عہد اموی میں

اس پرفتن دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ربیع الاول 41ھ / 662ء میں اقتدار حاصل کر کے دمشق کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عراق میں دارالحکومت کے منتقل ہوجانے اور اموی عہد میں شام میں منتقل ہوجانے کے باعث مدینہ منورہ کی سیاسی اہمیت کم رہ گئی لیکن اس کا مذہبی تقدس اور اہمیت اسی طرح برقرار رہی۔

عین الزرقاء

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کی طرف سے مقرر کیے جانے والے حاکم مدینہ، مروان بن حکم۔ نے مدینہ منورہ کے ایک معروف چشمے "العین الزرقاء" (چشمہ کبود) کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر صاف کروا کے دوبارہ جاری کیا۔ آئندہ کے اوراق میں ہم اس کا تفصیلی ذکر کریں گے۔ عہد جاہلیت اور ظہور اسلام کے بعد اہل مدینہ نے کثیر تعداد میں کنویں کھدائے اور نہریں بنوائیں تاکہ آب پاشی کی جاسکے اور پینے کا پانی باآسانی میسر آسکے۔ اس عہد کے اس علاقے میں مشہور کنویں یہ ہیں:

بیئر السقیا، بیئر البضعۃ، بیئر الاریس، بیئر رومہ، بیئر العرش اور بیئر البھنہ۔ ان تمام کنوؤں سے ٹھنڈا اور شیریں پانی نکلتا تھا۔ عین الزرقاء کا اجراء عہد اموی کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بیعت یزید سے انکار

عہد اموی کا ایک اہم واقعہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے یزید کی بیعت سے انکار ہے جس کے نتیجے میں سانحہ کربلا پیش آیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں بنی ہاشم اور اہل بیت نبوی کو راضی رکھنے کی کوشش کی اور اپنے حسن سلوک، تحمل اور بردباری سے کم از کم انھیں خاموش ضرور رکھا لیکن جب ان کا بیٹا یزید ان کا جانشین بنا تو وہ ان کی سیاست کو نباہ نہ سکا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے انکار بیعت پر اس نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے کو کوفہ کی طرف بڑھنے سے روکنے کا حکم دیا جس کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی یزیدی استبداد کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے مگر انھوں نے اموی حکومت کے خلاف انقلاب بپا کر دیا۔

معرکہ حرہ الشرقیہ

63ھ/684ء میں سانحہ کربلا کے بعد اہل مدینہ نے یزید کو شراب نوشی اور دیگر فسق و فجور جیسے اسلامی محرمات کا مرتکب قرار دے کر اس کی اطاعت سے انکار کر دیا اور اہل مدینہ میں سے عبداللہ بن مطیع القرشی کو مہاجرین میں سے اور عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ انصاری کو انصاریوں کی طرف سے قائد مقرر کر کے یزید کی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس پر یزید نے مسلم بن عقبہ کی قیادت میں ایک لشکر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا اور جنگ شروع ہو گئی۔ یہ جنگ تاریخ مدینہ میں جنگ حرۃ الشرقیہ کہلاتی ہے۔ یزید کے لشکر کا قائد ایک عادی مجرم تھا۔ اس نے اہل مدینہ کو سخت جانی نقصان پہنچایا اور مدینہ پر مشرقی سمت سے حملہ کر کے حرم نبوی کی حرمت کو پامال کیا۔ اہل مدینہ نے اس ظالم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر یزیدی

لشکر کی تعداد زیادہ ہونے اور ان کے ہتھیار بہتر ہونے کی وجہ سے اہم مدینہ کو اس جنگ میں شکست ہوئی اور اموی لشکر نے تین دن تک شہر نبی میں لوٹ مار کا بازار گرم رکھا اور قتل وغارت گری کا مرتکب ہوا۔ اس معرکے میں مہاجرین وانصار مدینہ کے کم از کم سات سو افراد شہید ہوئے اور کم از کم 1000 اہل مدینہ اس جنگ میں کام آئے اور مدینہ منورہ تباہ ہو کر رہ گیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں

مدینہ منورہ کو پامال کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ شامی فوج کے ساتھ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا اور اس نے مکہ المکرمہ کا محاصرہ کر لیا لیکن اس محاصرے کے دوران ہی اسے خبر ملی کہ دمشق میں یزید وفات پا گیا۔ یزید کی وفات کے بعد شامی فوج نے مکہ پر حملہ نہ کیا اور شام واپس چلی گئی۔ شامی فوج کے سالار نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دعوت دی کہ وہ اس کے ساتھ دمشق چلیں مگر انھوں نے مکہ نہ چھوڑا اور دمشق میں مروان بن حکم اقتدار پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا مگر عالم اسلام میں دو خلفاء کے برسر اقتدار آنے کے بعد ایک بار پھر انتشار پھیل گیا اور آخر عبدالملک بن مروان نے برسر اقتدار آ کر حجاج بن یوسف کو مکہ پر حملہ کرنے بھیجا اور مکہ پر قبضہ کر لیا۔

امویوں کی مدینہ پر قبضہ کرنے کی کوشش

عبدالملک بن مروان نے اپنے اقتدار کو مستحکم کیا اور پھر ایک فوج جیش بن دلجہ کے زیر قیادت مدینہ منورہ کی طرف روانہ کی اور ایک دوسرا دستہ عراق میں بغاوت کچلنے کے لیے بھیجا۔ جیش کے مدینہ میں داخل ہوتے ہی وہاں کا حاکم فرار ہو گیا۔ پھر اموی فوج ابن دلجہ اور زبیری فوج مدینہ کے مضافات میں جنگ ہوئی اور زید ابن سیاہ نامی شخص کے ہاتھوں میں ابن دلجہ مارا گیا اور امویوں کو شکست ہوئی اور اہل مدینہ نے ابن سیاہ کا استقبال کیا۔ ایک دوسری کوشش بھی امویوں کی ناکام رہی مگر 692ء میں حجاج بن یوسف نے بالآخر مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ میں تدفین

حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو مکہ میں شکست دے کر قتل کر دیا اور ان کی نعش کو کئی روز تک صلیب پر لٹکائے رکھا اور پھر ان کی تدفین یہودیوں کے قبرستان میں کرنے کا حکم دیا۔ ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے ان کی نعش صلیب سے اتروا کر مدینہ منورہ پہنچائی اور انھیں ام المومنین حضرت صفیہؓ کے گھر میں دفن کرایا۔ بعد ازاں یہ گھر مسجد نبوی کی توسیع میں شامل کر دیا گیا۔

مدینہ منورہ عہد عباسیہ میں

خلافت بن امیہ کے زوال کے بعد 132ھ/ 751ء میں مدینہ منورہ پر عباسیوں کی حکومت قائم ہوگئی مگر عباسی بھی امویوں کی طرح سیاسی اور نفسیاتی بحران کا شکار رہے۔ یہ متزلزل اور عدم استحکام اس وقت تک جاری رہا جب تک عباسیوں نے عبداللہ بن حسن المعروف بہ نفس زکیہ کو قتل نہ کردیا۔ اس کے بعد عباسیوں نے تمام امویوں کا مدینہ منورہ سے صفایا کردیا۔

مدینہ منورہ میں نفس زکیہ کا خروج

عباسیوں کے برسر اقتدار آنے کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد چونکہ خود کو خلافت کا صحیح حقدار سمجھتی تھی اس لیے انھوں نے عباسیوں کی تائید وحمایت کے باوجود اپنا اقتدار بحال کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ سانحہ کربلا کے بعد سے امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کسی طور پر معرکہ آرائی نہیں چاہتی تھی مگر امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے محمد بن عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ المعروف بہ نفس زکیہ عباسی حکومت کے خلاف خروج کرنا چاہتے تھے۔ عباسیوں نے ان کے والد عبداللہ اور کئی اور حسنی سادات کو قید کردیا اور اسی حالت میں وہ انتقال کر گئے۔ حضرت نفس زکیہ نے اپنے خاندان پر اس ظلم کے خلاف فوری طور پر خروج کا ارادہ کیا اور ایک صبح مدینہ کی مسجد نبوی سے صبح کی اذان میں حی علی خیر العمل کی صدا ابھری اور حضرت نفس زکیہ نے خروج کا علم بلند کردیا مگر کامیابی انھیں نصیب نہ ہوسکی اور وہ بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے ماہ رمضان 145ھ/ 763ء میں شہید ہوگئے۔ ان کے بھائی ابراہیم بصرہ میں خروج کرنے کے بعد لڑتے ہوئے مارے گئے۔

مورخین لکھتے ہیں حضرت نفس زکیہ کو مدینہ منورہ میں جبل سلع کے مشرق اور عین الزرقاء کے شمال میں دفن کیا گیا تھا مگر بعض کہتے ہیں انھیں جنت البقیع میں دفن کیا تھا۔

عباسی عہد میں مسجد نبوی کی توسیع

عباسی عہد میں مدینہ منورہ کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں مسجد نبوی کی تعمیراتی توسیع ہے۔

مدینہ منورہ قبل عہد عثمانی

عباسی خلافت واقتدار کے آخری ایام میں عالم اسلام عموماً اور مدینہ منورہ میں خصوصی طور پر انتشار پیدا ہوگیا تھا۔ بغداد میں عباسی خلفاء کے ہاتھوں سے اقتدار جاتا رہا۔ مدینہ منورہ میں اسی عہد میں حسینی اشراف واولاد امام حسین رضی اللہ عنہ کا اثر واقتدار قائم تھا۔ چوتھی صدی ہجری تک عباسی حکومت ضعف وزوال کا مکمل طور پر شکار ہوگئی۔ اس زمانے میں مدینہ منورہ میں مختلف قسم کے واقعات پیش آئے جو درج ذیل ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے جسد مبارک کو چرانے کی سازش

557ھ/1164ء وہ زمانہ ہے جب کہ یورپ پوری طرح اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف تھے۔ 1099ء میں بیت القدس پر مسیحی قبضے کے بعد سے وہ پورے عالم اسلام کو تہ و بالا کرنے کا عزم رکھتے تھے اور اس کے لیے ہر قسم کی سازشوں میں مصروف تھے۔ عیسائیوں نے ناپاک سازش تیار کر کے رسول اللہ ﷺ کے جسد مبارک کو قبر اطہر سے چرا کر نکالنے اور مدینہ منورہ سے باہر منتقل کرنے کی ناپاک سازش تیار کی۔ انھوں نے دو عیسائیوں کو مراکشی مسلمانوں کے بھیس میں مدینہ منورہ بھیجا۔ وہ اپنے آپ کو اندلسی مسلمان کہتے تھے۔ انھوں نے مدینہ منورہ میں روضہ اطہر ﷺ کے قریب ایک مکان کرائے پر لیا اور اپنے آپ کو نیک اور پارسا درویش ظاہر کر کے پابندی سے مسجد نبوی میں نمازیں ادا کرنا شروع کر دیں۔ وہ دکھاوے کے طور پر مدینہ منورہ کے غریبوں کو کھانا کھلاتے اور جنت البقیع اور مسجد نبوی میں مدفون صحابہ کرام کے مزارات پر باقاعدگی سے حاضر ہونے لگے۔ مگر خفیہ طور پر انھوں نے اپنے مکان میں ایک ایسی سرنگ کھودنا شروع کر دی جو حجرہ قدس تک پہنچتی تھی اور جس کا مقصد نبی اکرم ﷺ کے جسد پاک کو روضہ مبارک سے نکال کر لے جانا تھا۔ سرنگ سے نکلنے والی مٹی کو وہ اپنے گھر کے کنویں میں ڈال دیتے تھے اور اس طرح اندر ہی اندر انھوں نے یہ عمل خاموشی سے ایک طویل عرصہ تک جاری رکھا۔ کبھی وہ مٹی کو چمڑے کی مشکوں میں بھر لیتے اور اسے لے جا کر جنت البقیع میں ڈال آتے تھے۔ انھیں یہ غلط امید تھی کہ وہ اپنے ناپاک مقصد میں بالضرور کامیاب ہو جائیں گے مگر ان بے وقوفوں کو مقام نبوت کے تقدس کا علم نہیں تھا اور وہ بھول گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ جو انھیں یہ سب کرتا ہوا دیکھ رہا تھا ان کی ناپاک سازش کو ملیا میٹ کر دے گا۔

ان دنوں حجاز پر نورالدین زنگی کی حکومت تھی۔ سلطان نورالدین زنگی کو حضور اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے سلطان کو دو سنہری بالوں والے اشخاص دکھائے۔ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اے محمود! یہ لوگ ہمیں تنگ کر رہے ہیں۔ ان کے شر سے بچاؤ۔ سلطان نے جب کئی بار یہ خواب دیکھا تو وہ بہت گھبرایا اور اس نے اپنے وزیر جمال الدین موصلی کو طلب کیا جو بڑا متقی اور پرہیزگار تھا۔ سلطان نے اسے اپنا خواب سنا کر مدینہ منورہ بھیجا تا کہ ان سازشوں کا حال معلوم کرے۔ مشہور مورخ مجد الدین مطری نے لکھا ہے کہ وزیر باتدبیر ایک ہزار اونٹوں کے قافلے کے ساتھ سولہ دن میں شام سے مدینہ منورہ پہنچا اور اس نے مسجد نبوی میں دوگانہ پڑھا۔ سطان نورالدین زنگی بھی اس کے ہمراہ تھا۔ وزیر نے سلطان سے دریافت کیا کہ کیا وہ ان سنہری بالوں والے سازشیوں کو پہچان سکتے ہیں۔ سلطان نے اس کا جواب اثبات میں دیا تو وزیر باتدبیر نے مدینہ منورہ کے تمام باشندوں کو وہاں بلا کر ان میں انعام اکرام تقسیم کیے۔ جو لوگ وزیر کی دعوت پر مسجد نبوی میں پہنچے ان میں وہ دو سنہری بالوں والے افراد شامل نہیں تھے جن کی طرف حضور اکرم ﷺ نے

خواب میں سلطان کو اشارہ کیا تھا۔ وزیر کے معلوم کرنے پر اہل مدینہ نے بتایا کہ صرف دو مراکشی درویش باقی رہ گئے ہیں اور انعام و خیرات لینے نہیں آئے۔ سلطان کے حکم پر ان دونوں کو بھی سلطان کے روبرو لایا گیا تو سلطان نے ان دونوں ملعونوں کو پہچان لیا۔ سوالوں کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ وہ حج و زیارت کے لیے آئے ہیں اور مزید ایک ماہ تک مدینہ میں قیام کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سلطان نے ان کو اپنے آدمیوں کے حوالے کر کے ان کے مکان کی تلاشی کرائی مگر روپئوں کے سوا ان کے مکان سے کوئی ایسی چیز نہ نکلی جو انھیں مجرم ثابت کر سکتی۔ سلطان ان کے مکان کی تلاشی لینے کے لیے جب خود گیا تو اس کا پاؤں لکڑی کے ایک تختے پر پڑا جب اس تختے کو ہٹایا گیا تو اس کے نیچے سلطان کو ایک ایسی سرنگ کا راستہ نظر آیا جو حجرہ مقدس تک پہنچتی تھی۔ یہ سرنگ مسجد نبوی کی دیوار کے نیچے سے گزر کر حجرہ مقدس تک پہنچنے والی تھی۔ اس انکشاف پر اہل مدینہ بھی دنگ رہ گئے کیونکہ وہ ان دونوں مراکشی اور اندلسی درویشوں کو بہت نیک اور پارسا سمجھتے تھے۔ ان کا جرم سامنے آنے کے باوجود ان دونوں نے پہلے تو کوئی صحیح بات نہ بتائی مگر جب ان مجرموں پر کوڑے برسائے گئے تو انھوں نے نہ صرف اقبال جرم کیا بلکہ یہ بتایا کہ وہ مراکشی مسلمانوں کے بھیس میں دراصل یورپی عیسائی ہیں اور انھیں یورپی بادشاہوں نے روپیہ پیسہ دے کر یہ ناپاک سازش کرنے بھیجا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کو روضہ مبارک سے نکال کر عیسائی دنیا میں لے جائیں۔ ان دونوں پر جرم ثابت ہو جانے کے بعد سلطان نے انھیں سزائے موت دینے کا حکم دیا اور ان ناپاک لوگوں کی نعشوں کو بھی جلوا دیا گیا۔

حجرہ اقدس کے حفاظتی اقدامات

اس واقعہ کے بعد سلطان نورالدین زنگی نے حجرہ مقدس کے گرد ایک خندق کھود کر اس میں پگھلا ہوا سیسہ بھروا دیا کہ آئندہ کوئی ایسا ناپاک ارادہ تک نہ کر سکے۔ اس واقعہ کو مشہور مورخین جمال الدین سنوی اور جمال الدین المطری نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور علامہ السمہودی اور سید برزنجی نے اپنی تاریخ مدینہ میں مذکورہ مورخین کے حوالے سے رقم کیا ہے۔ بعض یورپی محققین اس واقعہ پر یہ اعتراضات اٹھاتے ہیں کہ جب مجرموں سے سب کچھ اگلوالیا گیا تھا تو پھر اس عیسائی بادشاہ کا نام منصۂ شہود پر کیوں نہیں آیا جس نے اس طرح کا حکم دے کر ان دونوں آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیجا تھا۔ یہ اعتراض بالکل لغو اور بیکار ہے۔ کیونکہ اس طرح کی حرکات شنیع ہمیشہ حکومتیں صیغۂ راز میں رکھتی ہیں اور ایسے رازوں کو فاش کرنا خلاف مصلحت ہے مگر حیرت اس بات پر ہے کہ اہل یورپ اسلام کے خلاف اس قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں اور پھر بڑی دیدہ دلیری سے ان پر پردہ ڈالنے کی کوششیں کرتے ہیں۔

بہرحال تاریخ اسلام کا یہ ایک انتہائی سنگین اور گھناؤنا واقعہ تھا۔ اس کے مجرمین کو قرار واقعی سزا دینا ضروری تھا اور سلطان نورالدین زنگی نے اپنا فرض بطریق احسن ادا کیا۔

رسول کریم ﷺ اور شیخین کرام کے جسد اطہر منتقل کرنے کی اور کوششیں

اسی طرح کے بعد اور واقعات اور مورخین بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک علامہ سمہودی نے اپنی کتاب ''خلاصۃ الوفا'' میں ابن نجار کی ''تاریخ بغداد'' کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بعض زندیقوں نے سلطان العبیدی والی مصر کو مشورہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے اجساد مطہرہ کو مدینہ منورہ سے مصر منتقل کیا جائے تاکہ لوگ زیارت کے لیے مصر آنے لگیں۔ اس کام کے لیے العبیدی نے خفیہ طور پر ابوالفتح نامی ایک شخص کو مدینہ منورہ بھیجا تاکہ حالات کا جائزہ لے سکے۔ جب اہل مدینہ کو مصری سلطان کی اس سازش کا علم ہوا تو وہ غصے میں بپھر گئے اور ابوالفتح اور اس کے معاونین کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اس طرح یہ بھونڈی سازش ناکام ہو گئی۔

علامہ السمہودی نے ایک اور دوسرے ایسے واقعہ کے سلسلے میں خادم مسجد نبوی شمس الدین صواب اللمطی کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ شام کے شہر حلب سے مدینہ منورہ آئے اور انھوں نے امیر مدینہ سے ملاقات کرتے وقت ایک خطیر رقم پیش کی اور حجرہ مطہرہ کو کھولنے اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ بن خطاب کے جسد اطہر کو کھود کر نکالنے کی اجازت چاہی۔ امیر نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور خادم مسجد نبوی کو روضہ اطہر کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ چنانچہ چالیس آدمی جن کے ہاتھوں میں کدال اور پھاوڑے اور کھدائی کے دیگر آلات تھے مشعلیں لے کر مسجد نبوی میں داخل ہو گئے۔ وہ حجرہ مطہرہ میں داخل ہونا ہی چاہتے تھے کہ مٹی کا بڑا تودہ ان کے سروں پر آ گرا جس میں وہ سب دب کر مر گئے۔ خادم مسجد نبوی کو جب ان لوگوں کے خطرناک عزائم کا علم ہوا تو اسے سخت صدمہ پہنچا اور ان کو مسجد نبوی میں داخل ہونے کی اجازت پر وہ افسوس کرنے لگا۔ حلب کے یہ باشندے شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور اس وقت کے امیر مدینہ بھی شیعہ تھے۔ چونکہ یہ واقعہ صرف ایک ہی ماخذ پر مبنی ہے اور اس لیے اس کی صداقت متنازعہ ہے۔ عبیدیوں کو بعض مورخین نے زندیق لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان واقعات کی صحت کا ثبوت

احمد ذکی پاشا اور کئی دیگر محققین نے ان واقعات کی صحت سے انکار کیا ہے اور انھیں جھوٹا اور من گھڑت بتایا مگر علی حافظ اپنی کتاب ''ابواب تاریخ مدینہ منورہ میں رقم طراز ہیں کہ انھوں نے خود مدینہ منورہ میں ایک شاہراہ کا نام سقیفۃ الرصاص (سیسے کا سائبان) تھا اور اسی شاہراہ پر وہ مکان تھا جہاں حجرہ مطہرہ کی دیواروں کی بنیادوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا تھا۔ دار الضیافۃ نامی ایک مقام مسجد نبوی کے شمال میں واقع تھا۔ اور اب شہر کی سڑکوں کو وسعت دینے کے لیے اس مکان کو بھی ہٹا دیا گیا ہے لیکن اہل مدینہ کو عام طور پر معلوم ہے کہ دار الضیافۃ دراصل وہی مکان ہے جہاں سلطان نور الدین زنگی نے تمام اہل مدینہ کو ضیافت پر مدعو کیا تھا تاکہ وہ دونوں مراکشی درویش کو پہچانا جا سکے۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ اس واقعہ کو

سلطان نورالدین زندگی کی حکومت نے صیغہ راز میں رکھا ہوا اور اسی وجہ سے یہ واقعہ سلطان نورالدین زنگی کے حالات میں قلم بند نہ کیا جاسکا ہو مگر المطری اور سنوسی دونوں نے ان واقعات کو اپنی کتابوں میں قلم بند کیا ہے۔ زمانہ جدید میں بعد کے واقعہ کو اردو دائرہ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی نے بھی لکھا ہے کہ مصر میں خلافت فاطمیہ کے پانچویں فرمانروا کے جانشین ابوعلی منصور الحاکم (996ء۔1021ء) نے چاہا کہ شیخین کرام کے اجساد مبارکہ کو مدینہ منورہ سے قاہرہ منتقل کرائے تا کہ اس کا دارالخلافہ زیارت گاہ خاص و عام بن جائے۔ اس غرض سے اس نے اپنے ایک امیر ابوالفتوح کو مدینہ منورہ بھیجا۔ وہاں سخت مخالفت ہوئی اور اتفاق سے اس روز مدینہ منورہ میں ایک سخت آندھی آئی۔ اس سے خوفزدہ ہو کر ابوالفتوح واپس چلا گیا اور اس نے حاکم کو اس کے انجام سے ڈرا کر باز رکھا۔ (دائرۃ المعارف اسلامیہ مقالہ مدینہ منورہ جلد 20)

حرۃ الشرقیہ کے قریب آتش فشانی

654ھ/1258ء میں مدینہ منورہ میں جانب حرۃ الشرقیہ میں ایک کوہ آتش فشاں پھٹا۔ یہ طبعی تاریخ مدینہ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک صحیح حدیث مبارکہ میں اس آتش فشاں کے پھٹنے کی پیشین گوئی کی تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک حجاز میں ایک بڑی آگ نمودار نہ ہو جائے اور جس کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔ رافع بن بشر اسلمی نے ربیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے مقام جبس سے ایک ایسی آگ ظاہر ہوگی جو رات میں غلبہ کرے گی اور دن میں فرد ہو جائے گی۔

مدینہ منورہ کے نواح میں یہ آتش فشاں پھٹا اور مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے پھٹنے سے پہلے ایک زلزلہ دیار مدینہ میں محسوس کیا گیا تھا۔ اس زلزلے کے ایک ہی دن میں اٹھارہ جھٹکے محسوس کیے گئے تھے۔ ان جھٹکوں نے مدینہ منورہ کی عمارات کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس کی شدید گڑگڑاہٹ اس قدر مہیب تھی کہ مسجد نبوی کی چھت میں ایک بڑا شگاف پڑ گیا تھا۔

قسطلانی نے لکھا ہے کہ یہ کوہ آتش فشاں ایک جمعہ کی دوپہر میں پھٹا تھا اور گہرے دھوئیں اور اس سے نکلنے والے گرم لاوے نے تمام ماحول کو آلودہ کر دیا تھا۔ رات میں جو دھماکے ہوئے ان کی شدت اتنی تھی کہ سارا شہر ہل کر رہ گیا۔ ان دھماکوں کے بعد جو آگ ظاہر ہوئی اس نے تمام شہر کو روشن کر کے رکھ دیا۔ (ابواب تاریخ مدینہ)

3 جمادی الاول 654ھ/1258ء کو مورخ قرطبی نے بھی ایک آگ کا ذکر کیا ہے جو حجاز میں مدینہ منورہ کے قرب میں بھڑکی تھی اور بدھ کے روز رات کو ایک شدید زلزلہ بھی آیا تھا۔ یہ آگ کہیں جا کر جمعہ کی صبح کو بڑی دیر سے فرد ہوئی۔ قرطبی نے بعض عینی شاہدوں کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ آگ مدینہ منورہ سے پانچ دن کی مسافت والے فاصلہ سے بخوبی نظر آ رہی تھی۔ بعض کا بیان ہے کہ یہ آگ مکہ معظمہ سے بھی نظر آتی تھی اور تیما کے رہنے والوں نے اس کی چمک اور روشنی میں رات کے وقت لکھنا شروع کر دیا تھا۔ عماد بن کثیر نے قاضی القضاۃ صدرالدین الحنفی کا بیان نقل کیا ہے

کہ ان کے والد نے بدوؤں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ان اونٹوں کی گردنیں اس روشنی میں صاف نظر آ رہی تھیں۔

تین دن تک مسلسل آتش فشانی

کوہ آتش فشاں مسلسل تین ماہ تک آتش فشانی کرتا رہا اور بالآخر آگ کے فرد ہو جانے کے بعد یہ بھی ساکت ہو گیا۔ پہاڑ سے جو لاوا پھوٹا تھا اس نے پورے حرۃ الشرقیہ کی زمین کو ہڑپ کر لیا اور رفتہ رفتہ بہتا ہوا جبل عیر کے دامن تک آ گیا۔ پھر وادی قناۃ (حمرہ) سے گزرتا ہوا جبل احد کے مشرقی محاذ کی طرف حرۃ العریض میں پہنچ کر ایک ٹھنڈے اور ٹھوس مادے میں تبدیل ہو گیا۔

قسطلانی کے بیان کے مطابق یہ لاوا جبل وعیر تک پہنچا اور وادی الشطاۃ میں آ کر مسجد نبوی سے کچھ ہی دور منجمد ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ لاوے کا یہ دریا چودہ میل لمبے اور چار میل چوڑے اور ڈیڑھ میٹر گہرے راستے سے بہ کر یہاں تک پہنچا تھا۔ لاوے کے اس بہاؤ سے وادی وعیرہ میں پانی کا ایک ذخیرہ دان جس میں بارش کا پانی جمع ہوتا تھا وہ مسدود ہو گیا۔ یہ جگہ مدینہ منورہ سے 22 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور الفاقول کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اگر جبل مقعد مطیر پر کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو پگھلی ہوئی چٹانوں کا یہ سلسلہ بخوبی نظر آتا ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ کوہ آتش فشاں کے بارے میں مورخین کے بیان میں تضاد نہیں پایا جاتا۔ مورخین کے تمام بیانات میں کوہ آتش فشاں کی شدت اور لاوے کے مدینہ منورہ کی طرف بہنے کا حوالہ موجود ہے مگر اللہ کے کرم سے مدینہ منورہ اس قدرتی آفت سے محفوظ رہا۔

مسجد نبوی میں آتش زدگی

مورخین نے مسجد نبوی شریف میں آتش زدگی کے دو بڑے واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ماہ جمادی الاولی 654ھ/1258ء میں حجاز کے علاقے میں آتش فشاں پھٹنے کا واقعہ پیش آیا پھر اسی سال ماہ رمضان المبارک میں مسجد نبوی کے مخزن میں آگ بھڑک اٹھی۔ خادم مسجد نبوی شریف کے شمال مغربی حصے سے قندیلیں نکالنے کے لیے اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں جو مشعل روشن تھی وہ غلطی سے اس نے اس قندیل دان میں رکھ دی جس میں بہت سی قندیلیں رکھی ہوئی تھیں۔ اچانک ان قندیلیوں نے آگ پکڑ لی اور مخزن میں ہر طرف آگ بھڑک اٹھی۔ شعلوں کی لپک سے فرش کے قالین اور جائے نمازوں میں بھی آگ لگ گئی۔ گھبرائے ہوئے خادم نے آگ بجھانے کی سرتوڑ کوشش کی مگر ناکام رہا۔ آگ پھیل کر مسجد شریف کی چھت تک پہنچ گئی اور اندرونی حصوں کو لپیٹ میں لیتے ہوئے محراب و منبر، خزانہ، صندوق، قرآن کریم اور دوسری کتب میں لگ گئی۔ مسجد نبوی سے شعلوں اور دھوئیں کے ستون بلند ہوتے دیکھ کر امیر مدینہ اپنے آدمیوں سمیت وہاں پہنچا اور مدینہ کے باشندے بھی آگ بجھانے کے لیے آئے۔ پھیلتی ہوئی آگ نے مسجد شرف کے در و بام پر بنے ہوئے نقوش و نگار مٹا کر رکھ دیے۔ مسجد شریف کا وہ وسطی گنبد محفوظ رہا جو سلطان ناصر الدین اللہ نے مسجد کے بیش قیمت ذخائر محفوظ رکھنے کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ یہ ذخائر جو 301ھ سے تعلق رکھتے تھے لکڑی کے بڑے بڑے صندوقوں میں رکھے ہوئے تھے۔ ان میں مصحف عثمانی بھی تھا۔ عمارت جن تعمیراتی شہتیروں پر قائم تھی وہ آگ میں جل کر کھجور کے جھلسے ہوئے تنوں کی مانند بن گئے۔ مسجد نبوی شریف کے جس حصے میں آگ لگی تھی وہ اموی اور عباسی خلفا کا تعمیر کردہ تھا۔ یوں مسجد نبوی شریف کا قدیم ترین حصہ شہید ہو گیا۔ (اوراق تاریخ مدینہ)

مسجد نبوی کے مینار پر برق آسمانی کا گرنا

886ھ/1484ء میں ماہ رمضان المبارک میں ایک دن مطلع ابر آلود تھا اور موذن مینارے پر کھڑا اذان

دے رہا تھا کہ دفعتاً اس مینارے پر آسمانی برق گر پڑی جس سے فوری طور پر اس موذن کی موت واقع ہوگئی اور مسجد نبوی شریف کی چھت کو بھی آگ لگ گئی۔ خدام نے مسجد نبوی شریف کے دروازوں کو کھول دیا تھا تا کہ باہر سے آ کر لوگ آگ بجھانے کی کوششیں کر سکیں۔ آسمانی بجلی گرنے سے لگنے والی اس آگ نے مسجد شریف کے مشرقی حصے کو جلا کر خاکستر کر دیا اور یہ آگ شمالی اور مغربی حصے کی طرف بڑھی۔ آگ بجھانے کے لیے جو لوگ مسجد شریف میں داخل ہوئے ان میں کچھ تو اندھیرے کی وجہ سے چھت سے گر کر مر گئے جس سے مسجد میں موجود لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ ان شعلوں نے مسجد شریف کو بڑے پیمانے پر نقصان پہنچایا۔ آگ کے شعلوں نے مسجد شریفہ کے محراب و منبر، مینار اور دروازوں کو بری طرح جلا کر خاکستر کر دیا۔ آگ کے شعلے مسجد کے قرب و جوار میں واقع مکانوں کی اپنی لپیٹ میں لینے لگے اور ان مکانوں کے مکین بدحواسی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ اس طرح پورے شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔

آتش زدگی کے پہلے واقعہ کے بعد متعدد مسلم حکمرانوں نے مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیر کرائی۔ آتش زدگی کے دوسرے واقعہ کے پیش آنے کے بعد سلطان قائتبائی نے مسجد شریف کو دوبارہ تعمیر کرایا۔

مدینہ منورہ عثمانی ترکوں کے عہد میں

جس اسلامی سلطنت نے 1299ء سے 1924ء تک مشرقی وسطیٰ کے بڑے حصوں پر حکومت کی وہ ترک سلطنت عثمانیہ تھی۔ سلطان سلیم عثمانی نے 922ھ/1519ء میں میں ملوک مصر کو شکست دے کی مصر فتح کیا۔ یہی ملوک مصر سرزمین حجاز کے حکمران بھی تھے۔ لہٰذا اسلاطین عثمانی میں سب سے پہلے جس سلطان نے اہل مدینہ سے رابطہ کیا وہ سلطان سلیم تھا۔ یہ رابطہ اس طرح ہوا کہ امیر مدینہ منورہ، شریف برکات نے حرمین شریفین کی چابیاں اپنے بیٹے کے ذریعے سلطان سلیم کو مصر بھجوائیں اور انھیں سلطان حجاز تسلیم کیا۔ اس بات سے سلطان سلیم بہت خوش ہوا اور اس نے شریف برکات اور اس کے بیٹے کو حرمین شریفین کی امارت پر برقرار رکھا۔

عثمانی ترکوں کے زیر انتداب آنے کے بعد مدینہ مورہ میں انھوں نے چار مجالس انتظامی امور و مذہبی امور قائم کیں:

(1) مجلس ہائے قانون شرعی

(2) محکمہ پولیس برائے داخلی امور

(3) فوجی گورنر برائے خارجی امور، اسے محافظ مدینہ کا نام دیا۔

(4) شیخ حرم نبوی شریف، یہ تمام عہدوں میں اعلیٰ عہدہ تھا اور اس کو براہ راست سلطان تک رسائی حاصل تھی۔ اسکے لیے شرط تھی کہ قاضی ترکوں میں سے ہوگا۔ یہ عہدہ ایک سال کی مدت کے لیے ہوتا تھا جس کے بعد دوسرا قاضی مقرر کیا جاتا تھا۔ شیخ المسجد کے عہدے کے لیے ایک ایسا عالم دین، تجربہ کار فقیہ اور ماہر دینیات ہونا شرط تھا جس نے ادارہ مشیخت الاسلام استنبول میں بھی خدمات انجام دی ہوں۔

ہر جمعہ کو شیخ حرمین شریفین کے زیر صدارت ایک مجلس منعقد ہوتی جس میں محافظ مدینہ منورہ، قائد پولیس،

مفتیاں (چاروں مکاتیب فقیہ) رئیس البلدیہ اور بہت سے معززین وعمائدین شہر شرکت کرتے تھے۔ اس مجلس کا انعقاد شہریوں کی شکایات کو دور کرنے کے لیے کیا جاتا تھا اور شہری مسائل کا حل اس مجلس میں تلاش کیا جاتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ایک قسم کی مقننہ تھی۔

عثمانی ترک احترام نبوی کرنے والے بڑے نیک طینت اور فراخ دل مسلمان تھے۔ وہ اہل مدینہ کو زر کثیر اور عطیات وتحائف سے نوازتے تھے جس کی وجہ سے مدینہ منورہ میں خوشحالی آ گئی اور مختلف علوم وفنون میں ترقی ہونے لگی۔

فصیل مدینہ کی تعمیر

ترکوں کے عہد حکومت میں مدینہ منورہ کی بڑی دیوار یا فصیل تعمیر کی گئی۔ اس کی تعمیر کا کام سلطان سلیم کے بیٹے سلطان سلیمان قانونی نے 937ھ/1533ء میں شروع کرایا تھا۔ یہ دیوار 948ھ/1544ء میں مکمل ہوئی۔ سلطان سلیمان نے قلعہ مدینہ منورہ سے ملحق ایک اور قلعہ تعمیر کروایا۔ اس قلعہ کا مینار شمال مغرب میں واقع جبل سلع کی چوٹی کی برابری کرتا تھا۔ فصیل مدینہ تقریباً 2304 میٹر طویل تھی۔ بعض محققین اس کی لمبائی 3000 میٹر یا تین کلومیٹر بتاتے ہیں۔ مورخ السمہودی کے بیان کے مطابق اس فصیل کی تعمیر پر تقریباً ایک لاکھ دینار لاگت آئی تھی۔ ایک اور مورخ نے اس پر خرچ آنے والے دینار کی تعداد ستر ہزار بتائی ہے۔ اسکے علاوہ لکڑی، لوہے، سیسے اور دیگر اجناس کی ایک بڑی مقدار بھی اس کی تعمیر میں استعمال کی گئی۔

فصیل مدینہ کے چار دروازے تھے، باب الجمعہ (جنت البقیع کے رخ پر) باب القلعہ یا باب شامی (راہ جرف اور سیدنا حمزہ کے مزار مبارک کی طرف کھلنے والا) باب الصغیر (مناخ کی سمت رخ والا) اور باب المصری بھی مناخہ کی طرف ہی راہنمائی کرتا تھا۔ بعدازاں اس فصیل میں چار دروازے اور نکالے گئے تھے جن میں باب المجیدی جو بیرحا کی طرف کھلتا تھا۔ یہ سلطان عبدالمجید کے عہد میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اسکے علاوہ تین دروازے، باب الحمام، جو شارع عوالی کی طرف کھلتا تھا۔ باب البصری جو شارع السیحی کی طرف اور باب القاسمیہ جو الشونہ کی طرف راہنمائی کرتا تھا۔ باب الحمام کا بافقیہ نے باب القاسمیہ کا المدنی نے افتتاح کیا تھا۔

فصیل مدینہ پتھروں سے تعمیر کی گئی ایک رفیع الشان عمارت تھی جسے دیکھ کر ایک بلند پہاڑ کا گمان ہوتا تھا جو شہر کی طرف رخ کیے ہوئے ہے۔ سعودی دور حکومت میں یہ فصیل اور اس سے ملحق قلعہ مسمار کر دیا گیا تاکہ نئی شاہراہیں تعمیر کی جاسکیں اور شہر کے ذرائع آمدورفت کی تعداد میں اضافہ ہو جائے۔ کچھ عرصہ پہلے تک اس فصیل کے محض نشان باقی تھے اور قلعہ کا صرف ایک مینار باقی تھا۔ شہر کے دروازوں میں سے باب المصری اور باب الجمعہ کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے تھے۔

ابتدا میں مدینہ منورہ کے گرد چھوٹی دیواریں تعمیر کی گئی تھیں۔ ان دیواروں کو مختلف سلاطین، اسحٰق بن محمد المہدی،

عضدالدولہ ابن بویہ، جمال الدین محمد بن ابی المنصور الاصفہانی، نورالدین زنگی، سلطان الناصر بن قلادون اور اشرف قائتبائی نے تعمیر کرایا تھا۔

ان دیواروں میں تخفیف بھی کی گئی اور توسیع بھی اور ان کو مٹی اور پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ بعدازاں سلطان سلیمان نے جو دیوار تعمیر کرائی تھی اس دیوار کے مغرب وجنوب کی جانب ایک اور دیوار بھی تعمیر کی گئی تھی تا کہ فصیل کے باہر جو مکانات رہ گئے تھے ان کا احاطہ کیا جا سکے۔ یہ دوسری دیوار بقیع غرقد سے شروع ہوئی تھی اور قباء العنبر یہ اور قلعہ کی جانب بڑی دیوار سے مل جاتی تھی۔ اس دیوار کے پانچ دروازے تھے جن میں سے دو یعنی باب العوالی اور باب اسد بقیع کی طرف کھلتے تھے جبکہ بقیہ تین دروازے اور باب قبا جو مسجد قبا کے رخ پر کھلتا تھا، باب العنبر یہ کا رخ مکہ اور جدہ کی طرف تھا اور باب الکوصد قلعہ کے غرب میں واقع تھا۔

مدینہ منورہ میں ٹیلی گراف اور ٹیلی فون اور مراسلات

1318ھ/1900ء میں ترکی دور حکومت میں ٹیلی گراف لائن بچھائی گئی۔اس کا زیادہ تر استعمال اس زمانہ میں سرکاری دفاتر اور اہل مدینہ کی ضرورتوں اور تجارتی لین دین میں سہولت پیدا کرنے کے لیے تھا۔

حجاز ریلوے کے مصروف عمل دور میں مدینہ منورہ کو اس لائن کے ذریعے جن بڑے اسٹیشنوں سے ملایا گیا تھا ان میں مندرہ ذیل اسٹیشن شامل تھے۔دمشق، المعلا، مدائن صالح، تبوک، معان، عمان اور درعا۔1326ھ میں ایک اور ٹیلی گراف لائن بچھائی گئی جس نے مدینہ منورہ کو الحفیرہ، مخیط، بواط، ابانصیف، البویہ جیسے چھوٹے اسٹیشوں سے ملا دیا۔اس رابطے نے ریلوے کے نظام اور پابندی اوقات میں نظم پیدا کر دیا۔

1335ھ میں ترکی عہد حکومت کے آخر میں مدینہ منورہ ٹیلی فون کی سروس کا آغاز ہوا۔اس کا ایک مرکزی ایکسچینج تھا جس میں پچاس لائنوں کی صلاحیت تھی۔اس زمانے میں ٹیلی فون کا استعمال صرف ملٹری کرتی تھی۔1337ء میں اس کا استعمال سرکاری دفاتر میں بھی شروع ہو گیا۔

اسی سال ترکوں نے لاسلکی ٹیلی گراف کی لائن کا آغاز کیا۔اس کا اسٹیشن باب الشامی کے علاقے کے باہر شہر کے شمال میں فیکٹریوں کے دوسری طرف بنایا گیا تھا۔یہ لائن شہری خبر رسانی کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔

سعودی عہد میں

سعودی عہد حکومت میں مراسلاتی نظام میں ایک انقلاب سا آیا اور پرانی مشینوں کی جگہ جدید ترین اور بعد ازاں کمپیوٹرائزڈ مشینوں نے لے لی۔مدینہ منورہ سے باہر ٹیلی گرام جانے کی ماہانہ اوسط تعداد 2595 تھی اور وصول کی جانے والی تعداد 2600 کے قریب تھی۔یاد رہے اس میں ایام حج کی تعداد شامل نہیں۔ان ایام میں یہ تعداد دوگنی ہو جاتی ہے۔سعودی عہد حکومت میں 1324ھ کے آغاز میں ٹیلی فون کا نظام پہلے سے بہتر ہو گیا تھا اور دن بدن اس کا استعمال بڑھتا جا رہا تھا۔سینٹرل ایکسچینج کی تعداد بڑھ کر 21 ہو گئی تھی جن میں سے ہر ایک 100 لائن کی صلاحیت رکھتا تھا اور زیر عمل

لائنوں کی تعداد 1890 تک پہنچ گئی تھی جن میں 1451 لائنیں تجارتی اور 439 سرکاری دفاتر کی تھیں۔

1376ھ/ 1957ء میں لاسلکی ٹیلی فون سروس کا آغاز ہوا اور باضابطہ طور پر اس کا افتتاح 1377ھ میں ہوا۔ اس سروس کے شروع ہو جانے کے بعد اہل مدینہ آسانی سے اندرون ملک اور بیرون ملک ٹیلی فون کالیں کرنے لگے۔ ان دنوں اندرون ملک کالوں کی تعداد 1255 ماہانہ اور بیرون ملک کالوں کی تعداد صرف 17 کالیں ماہانہ تھیں جبکہ ایام حج میں یہ تعداد دوگنا ہو جاتی تھی۔

ڈاک کا نظام

سعودی عہد کے آغاز ہی میں ڈاک کے نظام میں اصلاح ہوئی اور خچروں اور اونٹوں کی بجائے ڈاک لانے اور لے جانے کے لیے کاریں استعمال ہونے لگی تھیں۔ 1366ھ/ 1947ء میں ڈاک کی آمد و رفت اور ترسیل کاروں کے ساتھ ساتھ ہوائی جہازوں کے ذریعے بھی کی جانے لگی۔ ماہانہ خطوط کا اوسط 9629 تھا جن میں سے 8664 رجسٹری شدہ تھے۔

مواصلات برید

سڑکوں پر سواری اور بار برداری کے میدان میں بھی بہت ترقی ہوئی۔ انسانوں اور سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے موٹر کاروں اور بسوں اور ٹرکوں کا استعمال شروع ہوا۔ مدینہ منورہ اور جدہ کا 415 کلومیٹر کا درمیانی فاصلہ جو پہلے کئی دن میں طے ہوتا تھا ان چھوٹی گاڑیوں میں صرف پانچ گھنٹے میں طے ہونے لگا جبکہ اونٹوں پر یہی فاصلہ بارہ دن میں طے پاتا تھا۔ بعد ازاں سڑکیں پختہ ہونے کی وجہ سے تین دن میں:

حجاز ریلوے

عثمانی ترکوں نے دمشق سے مدینہ منورہ تک ریلوے لائن تعمیر کی جو حجاز ریلوے کہلاتی تھی۔ اس ریلوے لائن کے ذریعے مدینہ منورہ کا بالخصوص عثمانی دارالحکومت استنبول سے اور بالعموم پوری دنیا سے رابطہ قائم ہو گیا تھا۔ یہ ریلوے لائن 1326ھ/1908ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی تھی۔ یہ ریلوے لائن تپتے ہوئے صحراؤں سے گزرتی اور سنگلاخ پہاڑوں کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ اس کا پہلا حصہ دمشق سے مقام زرقا تک 1902ء میں مکمل ہوا تھا جبکہ یہ 203 کلومیٹر طویل تھا۔ حجاز ریلوے کے ایک ہزار کلومیٹر فاصلے کی تکمیل پر العلاء میں جشن منایا گیا تھا۔ آخر ستمبر 1908ء میں اپنی تعمیر کے آغاز کے آٹھ سال بعد یہ مدینہ منورہ تک پہنچی تھی۔ حجاز ریلوے کے افتتاح کے موقع پر افتتاحی سلطانی جلسہ سلطان عبدالحمید کے زیر صدارت منعقد کیا گیا تھا اور اس موقع پر پہلی مرتبہ مسجد نبوی شریف میں برقی روشنی کی گئی اور سلطان عبدالحمید نے مدینہ منورہ میں بجلی پیدا کرنے کے لیے خصوصی طور پر جنریٹر بھجوایا تھا۔ یکم ستمبر 1908ء سے لے کر 1912ء تک حجاز ریلوے ہر سال 16000 حاجیوں کو لانے اور لے جانے کا کام کرتی تھی۔ اس کے بعد اس تعداد کا تخمینہ تین لاکھ مسافروں تک جا پہنچا۔ دمشق سے مدینہ منورہ تک کا فاصلہ جو پہلے اونٹوں پر دو ماہ میں طے ہوتا تھا اب صرف 55 گھنٹے میں طے ہونے لگا۔ سلطان عبدالحمید ہی نے 1898 میں حجاز اور شام کے درمیان تار برقی کا سلسلہ قائم کرنے کا حکم دیا تھا اور 1318ھ تک یہ سلسلہ مدینہ منورہ تک پہنچا تھا۔ حجاز ریلوے کے آغاز سے مدینہ منورہ میں تجارت اور کاروبار کی رفتار تیز تر ہو گئی تھی اور زائرین کو سفر میں بہت سہولت اور آرام ملا تھا۔ 133ھ/1916ء میں آنے والے انقلاب عرب کی وجہ سے عربوں نے حجاز ریلوے کا ایک بڑا حصہ اڑا دیا اور اسے تباہ کر دیا جس کے بعد اس ریلوے پر سفر کا سلسلہ رک گیا۔ دمشق سے مدینہ منورہ تک 1303 کلو میٹر کی مسافت اور مدینہ منورہ سے اردن تک 844 کلو میٹر کا فاصلہ تھا۔ حجاز ریلوے کے لیے مدینہ منورہ میں ایک خوبصورت ریلوے اسٹیشن بھی تعمیر کیا گیا تھا جو باب عنبریہ کے قریب واقع تھا۔

مدینہ منورہ میں سیاسی بے چینی

عثمانی عہد آخر میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے جن میں مدینہ منورہ میں سیاسی بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ 1324ھ/1906ء میں استنبول کے حکام علی پاشا مرحسین کو گورنر مدینہ کا گورنر نامزد کیا۔ وہ ایک مغرور اور لاپروا آدمی تھا اور لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ انتہائی حقارت آمیز تھا۔ اس نے مدینہ منورہ میں آنے کے بعد اہل مدینہ کی توہین و تذلیل شروع کر دی اور مدینہ منورہ کے شہریوں پر بھاری ٹیکس نافذ کر دیے۔ ان زیادتیوں سے اہل مدینہ کے اندر سیاسی بے چینی پیدا ہو گئی اور اس کے خلاف بغاوت کا جذبہ پھوٹ پڑا اور وہ انور عشقی کی راہنمائی میں اس سے مجادلہ کے لیے تیار ہو گئے۔

ایک دن جب گورنر مدینہ، دیوار مدینہ منورہ کے باب الصغیر پر اپنی رہائش گاہ سے روانہ ہوا تو باغیوں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا مگر وہ اس پر گولی چلانے کے بعد بھاگ نکلے اور میونسپلٹی کی حدود میں پناہ گزیں ہو گئے۔ شہر کی ایک سرکردہ شخصیت تاج الدین الیاس نے اس معاملے میں پڑ کر مصالحت کی کوئی صورت تلاش کرنے کی کوشش کی مگر ان پر بھی گولی چلا دی گئی جس کے بعد محافظوں نے ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا اور چاروں طرف سے فوج کے سپاہی وہاں پہنچنے لگے مگر افسران نے گورنر کے حکم پر اہل مدینہ پر گولی چلانے سے انکار کر دیا۔ اہل مدینہ کے نمائندوں نے ٹیلی فون پر سلطان عبدالحمید سے بات چیت کی اور سلطان نے ان کے مطالبات مانتے ہوئے گورنر کو برطرف کر دیا۔ اب حسن حسنی پاشا کو گورنر مقرر کیا لیکن فوراً ہی فساد پھوٹ پڑا اور نئے گورنر کو بھی الگ کر دینا پڑا۔ اس کے بعد شیخ الحرم عثمان فرید پاشا کو، جو ان پڑھ تھے، گورنر کے عہدے کے لیے نامزد کر دیا گیا۔

ادھر مدینہ منورہ میں یہ افواہ پھیلی کہ گورنر نے کئی نامور اشخاص کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا ہے۔ اس پر پھر فساد اور ہنگامے پھوٹ پڑے اور اہل مدینہ نے مفتی عثمان داغستانی سے مشورہ طلب کیا جس کے بعد یہ مطالبہ کیا گیا کہ مجلس منتظمہ ایک ایسا حکم جاری کرے جس کی رو سے گورنر کو برطرف کیا جا سکے مگر مجلس منتظمہ نے ایسا حکم جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ گورنر عثمان پاشا اپنے گھر میں مقفل ہو کر بیٹھ گئے اور مدینہ منورہ کے باغیوں نے مجلس منتظم کے اراکین کو عمارت میں

قید کردیا اور اس وقت تک رہا نہ کیا جب تک انھوں نے گورنر کو برطرف نہ کیا۔۔اب شہر دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا۔ایک گروہ گورنر کا حامی تھا اور ہتھیاروں سے لیس ہو کر اس کی حفاظت کر رہا تھا جبکہ دوسرا گروہ مخالفین کا تھا جو گورنر کی رہائش گاہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔گورنر نے سلطان عبدالحمید سے مدینہ کے باغیوں کی شکایت کی اور ان کی فتنہ انگیزی کی رپورٹ بھجوائی اور انھیں سزا دینے کی سفارش کی۔ادھر باغیوں نے بھی سلطان کو ایک تار برقی بھجوایا جس میں گورنر کی برطرفی کا مطالبہ کیا گیا تھا اور بصورت دیگر بیرونی مداخلت کی دھمکی دی گئی تھی جس کے بعد سلطان نے یمن اور شام کی فوج کو مدینہ منورہ بھجوایا۔اس فوج نے باغیوں کے رہنماؤں کو فوجیوں کے حوالے کرنے کا حکم دیا مگر انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا جس کے بعد ان پر مقدمہ چلایا گیا اور ان کو گرفتار کر لیا گیا۔بعد ازاں 76 کو رہا کر دیا گیا اور باقی 42 شہریوں اور 40 افسران کو جیل بھیج دیا گیا۔ان قیدیوں میں عبدالقادر ادھم نام کا ایک منجم بھی تھا جس نے پیشن گوئی کی کہ قلعہ میں قید کیے جانے والے 81 قیدیوں کو جلد رہائی ملے گی۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ایک شخص عبداللہ آفندی کے علاوہ جو زیر حراست وفات پا گیا 81 قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔یہ واقعہ 1327ھ/1907 کو پیش آیا۔

مدینہ منورہ میونسپلٹی

اسلام کی روشنی پھیلنے کے بعد جو پہلی بلدیہ قائم کی گئی وہ مدینہ منورہ میں تھی۔ یہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے قائم کی تھی۔ اس کا نام دارالحسبہ تھا اسی وجہ سے رئیس بلدیہ کو المحتسب کہا جاتا تھا۔ یہ عہدہ ترکوں کے عہد آخر تک قائم رہا۔

عثمانی ترکوں نے علی رضا پاشا کے عہد گورنری 1328ھ/1910ء میں مدینہ منورہ میں میونسپل نظام قائم کیا۔ شیخ محمد سمان مدینہ منورہ میونسپلٹی کے پہلے میئر مقرر ہوئے۔ انھوں نے مدینہ منورہ میونسپلٹی کی عمارت تعمیر کرائی جو بعد ازاں سعودی عہد میں مدینہ منورہ کی جدید تعمیر و ترقی کے منصوبے کے تحت منہدم کردی گئی تھی۔ اس کے بعد ضلع مناخہ میں محکمہ پولیس اور ٹیلی کمیونیکیشن کے دفاتر کے مشرق میں ایک جدید طرز کی عمارت میں مدینہ میونسپلٹی کے دفاتر قائم کیے گئے تھے۔ رئیس بلدیہ جس کو پہلے ''المحتسب' اور محکمہ متعلقہ کو پہلے ''الحسابہ'' کہا جاتا تھا، اس محکمہ کے فرائض و اعمال آج کی بلدیہ سے مختلف نہیں ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ شہریوں کو خیر کی ترغیب دینا، شر سے بچنے کی اور اخلاق و آداب کی اصلاح کرنے کی ہدایت دینا بھی محتسب کے فرائض میں شامل تھا۔ جب کسی معاملہ میں تحقیق و تفتیش کا موقع آجاتا تو اس کے اختیارات کا دائرہ عمل مزید وسیع ہوجاتا تھا اور وہ مجرموں پر حکم صادر کرتا اور فوجداری کے مقدمات میں مناسب سزا دے سکتا تھا۔ وہ مجرموں کو کوڑے لگوانے کا اختیار بھی رکھتا تھا۔ مدینہ منورہ میں ترکوں کے عہد آخر میں علی دیری، یوسف شصلی، محمد داغستانی، حسن عمار، محمد حمود اور کئی دیگر شخصیات اس عہدے پر فائز رہیں۔

عہد اشراف

شریف مکہ کے عہد میں عبداللہ عطاس، حسن داغستانی، محمود عبدالجواد اور محمود حلوانی۔

عہد سعودی میں

عہد سعودی میں ذیاب ناصر (1344ھ/1925ء) محتسب کے عہدے پر فائز رہے۔ محمد سمان 1346ھ/1927ء، عبدالقادر غوث، مصطفیٰ عطار 1361ھ/1942ء، امین مدنی، ربیع الثانی 1369ھ/1950ء، محمد عبدالجواد، رمضان المبارک 1375ھ/1955ء، صالح المیمان، جمادی الاول 1378ھ/1958

محاصرہ مدینہ منورہ بعہد ترکی

مدینہ منورہ کی جدید تاریخ کا اہم واقعہ "انقلاب عرب" 1916ء کے درمیان شریف مکہ کی طرف سے مدینہ منورہ کا محاصرہ تھا جو تقریباً دو سال جاری رہا۔ ترکوں نے جرمنی سے اتحاد کے پیش نظر ملٹری کی ترقی کے لیے پورے جزیرہ نما عرب کو عموماً اور بالخصوص مدینہ منورہ کو فوج کا مرکز بنا دیا تھا۔ عہد عثمانی میں عمر فخری پاشا کو مدینہ منورہ کا آخری ملٹری گورنر یا "محافظ مدینہ" بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے عرب انقلاب کے خطرے کی وجہ سے مدینہ منورہ کی مساجد جن میں مسجد نبوی شریف بھی شامل تھی اسلحہ خانہ میں تبدیل کر دیا تھا اور تمام اجناس اور اشیا خوردنی کی ترسیل سرکاری تحویل میں لے لی تھی۔ شریف حسین آف مکہ نے ترکوں کے خلاف بغاوت یا انقلاب عرب کے پروگرام کے تحت اپنے بڑے بیٹے علی بن حسین کو مدینہ منورہ بھیجا تا کہ وہ وہاں کے قبائل کو بغاوت کرنے پر آمادہ کرے اور اعلان بغاوت کے ساتھ صحیح وقت پر مدینہ منورہ پر قبضہ کر لے مگر عمر فخری پاشا کی فوجی کارروائیوں کی وجہ سے باغیانہ کارروائیوں کو عثمانی توپوں کی بوچھاڑ سے منتشر اور پسپا کر دیا گیا مگر فیصل بن حسین اور علی بن حسین بھی محاصرے کیے رہے تاہم شریف کے بیٹوں کی طرف سے کیے محاصرے کے دوران جہاں محاصرہ دن بہ دن تنگ ہو رہا تھا وہیں مدینہ منورہ میں کھانے پینے کی اشیا کی قلت بڑھتی گئی۔ غذا اور خوراک تمام سرکاری کوششوں کے باوجود صرف ناجائز ذرائع سے مل سکتی تھی۔ فوجی بیرکوں کو رسد و خوراک سے بھر دینے کی وجہ سے اہل مدینہ اس سے محروم ہوتے گئے۔ 1917ء تک یہ یہ محاصرہ اپنے انتہائی عروج پر پہنچ گیا تھا۔ شہر میں نظم و نسق بحال رکھنے اور خوراک کی قلت کی بچنے کے لیے فخری پاشا نے مدینہ منورہ کے باشندوں کو زبردستی شام، لبنان اور ترکی بھیجنا شروع کر دیا۔ ادھر شہر میں فاقہ کشی اور قحط عام کی کیفیت شروع ہو گئی۔ فاقہ زدہ لوگوں نے مجبوراً کتوں، بلیوں اور مردار جانوروں کا گوشت تک کھانا شروع کر دیا لوگوں کے قلب خوف خدا سے عاری تھے انھوں نے مذکورہ صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حرام اشیاء حلال کھانے کی طرح فروخت کرنا شروع کر دیں۔

ادھر جبری طور پر بے دخل کیے جانے والے اہل مدینہ کے لیے اگرچہ ترکوں نے کچھ رقوم مختص کر دی تھیں مگر اس مجموعی بے دخلی سے بہت سے لوگوں کا جان چلی گئی اور جو باقی بچے انھیں سخت آزمائش اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس محاصرے کے دوران لوگ اتنے خوف زدہ اور مجبور ہوئے کہ صرف ایک بوری اناج کے عوض اپنے مکانات فروخت کرنے لگے۔

1916ء کے موسم خزاں میں فخری پاشا مدینہ منورہ اور اس کے نواح میں واقع اپنی دفاعی چوکیوں بئیر درویش الاغیار اور بئیر الماشی میں اپنے 9500 جوانوں اور توپوں کے ساتھ باغی انقلابی عرب فوج کے محاصرے میں آ گیا۔ اس فوج میں مصری فوج کے دستے بھی شامل تھے اور فیصل، علی اور عبداللہ اپنی بدوی فوج کے ساتھ اس کی قیادت کر رہے تھے تاہم چاروں طرف سے محاصرے میں گھر جانے کے باوجود فخری پاشا کے استقلال میں کوئی کمی نہیں آئی۔ انگریزوں کی پشت پناہی کی وجہ سے شریف حسین آف مکہ کی پوزیشن مستحکم تھی۔ ہوائی حملوں یا طیاروں کے ڈر سے ترکوں نے مسجد نبوی میں گولہ بارود ذخیرہ کیا ہوا تھا۔ جس طرح تیرہ سو برس پہلے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے آنحضرت ﷺ نے خندق کھودی تھی اسی طرح فخری پاشا نے مدینہ منورہ کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ عرب انقلاب یا بغاوت کا آغاز جون 1916ء میں ہوا تھا۔ اکتوبر 1918ء میں ترکوں کے شکست تسلیم کرنے کے باوجود فخری پاشا نے اگلے ستر دن تک مدینہ منورہ کا دفاع کر کے بہادری کی تاریخ میں ایک درخشاں باب کا اضافہ کیا۔ اگست 1918ء میں شریف مکہ کے بیٹے عبداللہ نے جو اس وقت محاصرہ مدینہ کی کمانڈ کر رہا تھا فخری پاشا کو شریف مکہ کی اطاعت اختیار کرنے کا پیغام دیا جس کے جواب میں فخری پاشا نے لکھا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حفاظت مدینہ کا حکم دیا ہے۔ مجھے فرسودہ ترغیبات سے تکلیف نہ دو۔ مگر شریف حسین بن علی ہاشمی نسب اور آل رسول ہونے کے باوجود فخری پاشا کے روحانی مدارج کو نہ سمجھ سکا۔

مصر کے برطانوی کمشنر سر ونگیٹ نے فخری پاشا کو دھمکی آمیز الٹی میٹم دیا کہ اب اگر آپ نے ہتھیار نہ ڈالے تو ساری خون ریزی کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ فخری پاشا نے بہادرانہ جواب ترکی زبان میں لکھا کہ "جناب جنرل ایجنالڈ ونگیٹ صاحب! میں عثمانی ہوں، محمدی ہوں اور بایار بیگ کا بیٹا اور ترک سپاہی ہوں" اس طرح اس نے برطانوی حکومت کی طرف سے بار بار دیے جانے والے الٹی میٹموں کو رد کر دیا۔ ادھر حکومت ترکی نے خفیہ پیغام کے ذریعے فخری پاشا کو ہتھیار ڈالنے کی ہدایات جاری کیں مگر اس نے کہا کہ اس کے لیے حکومت کی طرف سے تحریری اور مصدقہ اعلانیہ احکامات بھیجے جانے ضروری ہیں۔ قسطنطنیہ سے ایک خصوصی ایلچی کیپٹن محمد ضیا بے کو مدینہ منورہ بھیجا گیا کہ فخری پاشا کو دست برداری کے لیے آمادہ کرے مگر وہ بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ 28 دسمبر 1918ء کو حکومت ترکی نے جنرل فخری پاشا کی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہوئے ایک اعلامیہ جاری کیا مگر وہ اس خفیہ مجلس اور سازشی مشاورت کو نہ روک سکا جس نے فخری

پاشا کو گرفتار کرنے اور اس کی جگہ نجیب بے پاشا کو مدینہ کا کمانڈر مقرر کر دیا۔ نجیب بے پاشا نے فوراً ہی کیپٹن گارلینڈ اور شریف مکہ کے بیٹوں علی اور عبداللہ کے ساتھ معاہدہ اطاعت پر دستخط کر دیے۔ ادھر فخری پاشا کو جب اس سازش کا علم ہوا تو وہ حجرہ مطہرہ نبوی میں چلا گیا جس کا وہ محافظ اعلیٰ تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ وہ قریب آنے والے کسی سازشی کو زندہ نہیں چھوڑے گا اور حجرہ مطہرہ کی حفاظت کرتے ہوئے جان دے دے گا۔ پھر بہادر ترک جرنیل نے دو راتیں اور درمیانی دن حجرہ مطہرہ میں درود و سلام اور نماز و عبادت میں گزارا۔ اسی عالم مستی میں ایک لحہ کے لیے اس پر اونگھ طاری ہوئی اور وہ سو گیا۔ گھات لگائے بیٹھے سازشی افسروں نے اسے سوتے میں گرفتار کر کے شریف مکے کے بیٹے علی کے حوالے کر دیا۔ مدینہ سے روانگی کے وقت فخری پاشا نے روتے ہوئے دیار مدینہ کو چھوڑا اور رخصت ہو گیا۔

مدینہ منورہ عہد ہاشمی میں

شعبان 1334ھ/جون 1916ء میں شریف مکہ حسین بن علی نے ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس کے بعد الاتحاد الشرقی" سوسائٹی وجود میں آئی جس کا مقصد سرزمین عرب کو ترکوں کے قبضے سے آزاد کرانا تھا اور عربوں کو ترک بنانے کے ترکی منصوبے کو ناکام کرنا تھا۔ اس عرب انقلاب یا بغاوت نے حجاز، شام، لبنان، اردن اور فلسطین میں آباد ترکوں کو اس وقت تک پریشان کیے رکھا جب تک وہ سرزمین عرب سے واپس نہ چلے گئے۔

عربوں میں نہ تو اتنی سکت تھی اور نہ ہی اتنا فوجی تجربہ کہ وہ ترکوں کو عرب دنیا سے نکال سکتے۔ یہ سب برطانیہ سے اتحاد کے نتیجے میں ہوا جو جرمنی کے اتحادی ترکوں کے ہر طرح سے تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھی مگر بعد ازاں برطانیہ اور دوسرے سامراجی یورپی ملک خود عالم عرب کے مختلف حصوں پر قابض ہو بیٹھے۔

محاصرہ مدینہ کے دوران جن شہریوں نے اپنے گھروں کو خیرآباد کہا تھا اور پناہ گزینوں جیسی زندگی گزار رہے تھے ہاشمی حکومت نے ان شہریوں کی واپسی میں مدد کی اور انھیں مالی امداد بہم پہنچائی۔ ترکوں کے آخری زمانے میں مدینہ منورہ کی آبادی صرف 8000 نفوس رہ گئی تھی۔ ہاشمی عہد میں 15000 باشندے واپس آکر یہاں آباد ہوئے۔ امیر علی بن الحسین اس وقت تک حاکم مدینہ رہے جب تک جدہ میں ان کی بادشاہت کا اعلان نہیں ہوا۔ احمد بن منصور مدینہ منورہ کے نائب امیر تھے۔ شرفا مکہ کی عملداری میں شریف شحات جو اشراف بنی حسین سے تھے مدینہ منورہ کے قائم مقام حاکم کی حیثیت سے رہے۔

قلعہ مدینہ میں آتش زدگی

عثمانی ترکوں کے عہد میں مدینہ منورہ میں متعدد قلعے تھے جن میں سے ایک جبل احد کے غرب میں ایک قبا کے قریب اور ایک جبل صلع کی بلندی پر تھا۔ ان قلعوں میں جو سب سے زیادہ محفوظ قلعہ تھا اس میں 1338ھ/1919ء میں بارود پھٹ جانے سے آگ بھڑک اٹھی۔ یہ قلعہ سلطان سلیمان کے عہد میں سولھویں صدی میں تعمیر کیا گی تھا۔ اس کی تکمیل

کا سال 1544ء تھا۔ یہ مسجد نبوی شریف کے مغرب میں باب شامی کے رہائشی مکانات کے جنوب حصے کی طرف جبل سلع کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ اس کے دروازے سے متصل ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی۔ یہ قلعہ فوجیوں کے رہنے کے لیے بیرکوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ دھماکہ کے وقت اس قلعہ میں بہت سا گولہ بارود ذخیرہ کیا گیا تھا۔

30 ذی الحجہ کو اتوار کے دن سہ پہر کو جب شہر سکون سے تھا اچانک دھماکہ سے سکوت ٹوٹ گیا اور قلعہ کے اندر آگ لگ گئی جس نے قریبی علاقے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ادھر قلعے میں موجود گولہ بارود میں تیسرے دن تک دھماکوں کا سلسلہ جاری رہا اور شہر کے بیشتر علاقوں کو شدید نقصان پہنچا۔

مدینہ منورہ سعودی عہد میں

اشراف بن ہاشم کی حکومت زیادہ دنوں تک نہ چل سکی اور شاہ حسین ابن علی اور ملک عبدالعزیز آل سعود کے درمیان دعویٰ ملکیت سے متعلق ایک تنازعہ پیدا ہو گیا۔ متنازعہ علاقے کے اندر دو گاؤں خرمہ اور تربہ واقع تھے۔ عہد اشراف ہی میں خالد بن لوئی نے ان دونوں گاؤں کو سعودی مملکت میں شامل کر دیا۔ جب تنازعہ بڑھا تو شاہ حسین نے گفت و شنید کے بعد اہل نجد کو حج اور عمرے پر حجاز آنے سے روک دیا۔ اس سے ملک عبدالعزیز آل سعود ناراض ہو گئے اور انھوں نے حجاز کی طرف بڑھ کر اس علاقے پر فتح حاصل کر لی۔ 14 ربیع الاول 1343ھ/1924ء کو مکہ فتح کر لیا گیا اور 4 جمادی الثانی 1344ھ/1925ء کو جدہ میں اشراف کی فوجوں نے ملک عبدالعزیز کی فوجوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔

مدینہ منورہ میں ہتھیار ڈالنے سے قبل جن افواج نے شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا ان کی قیادت الدرویش کر رہے تھے جنھوں نے شہر کے جنوبی حصے کو گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ دوسرے جنرل النشمی تھے جنھوں نے شمالی حصے کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ جب مدینہ منورہ کے اس محاصرے نے شدت اختیار کی تو وہاں کے باشندوں نے شیخ مصطفیٰ عبدالعال اور شیخ ذباب ناصر پر مشتمل ایک وفد ریاض روانہ کیا جس نے شاہ عبدالعزیز سے ملاقات کی اور اہل مدینہ کا پیغام پہنچایا کہ وہ ان کے ایک لڑکے کے حق میں دستبردار ہونے کے لیے تیار ہیں۔ شاہ نے اپنے بیٹے محمد کو امیر مدینہ منورہ، الشریف احمد بن منصور اور فوجی کمانڈر عبدالمجید پاشا کے پاس مدینہ منورہ بھیجا تا کہ وہ مدینہ منورہ کا اقتدار انھیں سونپ دیں۔ 19 جمادی الاول 1344ھ/1925ء کو اس سلسلہ میں ایک تقریب منعقد کی گئی اور شہر میں امن قائم کرنے کے بعد شہزادہ محمد ریاض واپس چلے گئے۔ وہ امیر مدینہ منورہ کے عہدے پر فائز رہے اور انھوں نے انتظامی امور کے لیے مدینہ منورہ میں اپنے نائبین مقرر کر دیے۔

علمائے مدینہ منورہ

مدینہ منورہ نے اسلامی تعلیمات کا مرکز اور فقہ اسلامی کا منبع و مصدر ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے جید علمائے اسلام پیدا کیے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے مکتب علماء کے استاذ اکبر اور معلم علم و حکمت اوّل تھے۔ آپ ﷺ کے انصار و مہاجرین اصحاب آپ کے سچے معتقد، مخلص پیرو اور ارشد تلامذہ تھے۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے زانوئے ادب طے کرنے والوں میں کثیر تعداد صاحب تقویٰ اور فاضل مرد و خواتین کی تھی۔ ہر منبع کتاب وسنت عہد نبوی میں اس مدرسہ کا طالب علم تصور کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ایک ایسی شمع علم تھے کہ جس کی روشنی نے مدینہ منورہ کو علم و فضل اور رشد و ہدایت کا معمورہ بنا دیا۔ اس نور کی شعاعوں نے نہ صرف پورے جزیرہ نمائے عرب کو بلکہ سارے عالم کو روشن وتاباں کر دیا۔ یہ نور اب تک ثابت و قائم ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ باقی رہے گا کیونکہ یہ فیوض ہمیں براہ راست رسول اللہ ﷺ سے ملا ہے۔

اولین تلامذہ رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے اولین تلامذہ میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر تھے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ کے باشندوں کو دین کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا۔ ان کے علاوہ خلیفہ راشد اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب، خلیفہ الثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ بنت حضرت عمر رضی اللہ عنہا اور بہت سے دیگر اوّلین علمائے اسلام بھی اسی جماعت تلامذہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے بعد تیسرے، چوتھے، پانچویں اور چھٹے سے تعلق رکھنے والے علمائے صحابہ اور تبع تابعین میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت محمد بن علی بن الحسن رضی اللہ عنہ، عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن المصعب، محمد بن الشہاب بن زہری، محمد بن المنکدر ؒ، حضرت جعفر صادقؒ، محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہ ؒ،

مالکؒ بن انس (امام مالک) سرفہرست ہیں۔ ان علما میں سے امام مالک نے اہل سنت والجماعت کا جو مکتبہ فکر قائم کیا اس کی اشاعت زیادہ تر اندلس اور المغرب میں ہوئی۔ امام مالکؒ نے مدینہ منورہ میں تحصیل علم کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور آپ فریضہ حج کی جدائیگی کے علاوہ کبھی مدینہ منورہ سے باہر نہیں رہے۔۔ امام شافعیؒ جیسے صاحب علم آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مدینہ منورہ میں ہر دور میں بڑے بڑے علماء فضلاء اور صاحب علم حضرات پیدا ہوئے ہین جن کے سرچشمہ علم سے اہل مدینہ منورہ فیضیاب ہوئے ہیں۔ مسجد نبوی ایک ایسی عظیم جامعہ اسلامیہ رہی ہے جس میں دنیائے اسلام کے گوشے گوشے سے طلبہ آئے اور انھوں نے شریعت اسلامی کی رو سے زندگی کے ادق مسائل پر غور و فکر، محاکمہ و مباحثہ اور ان کا تحلیل و تجزیہ کر کے ان کا حل پیش کیا۔ علماء کی قیام گاہیں کالجوں اور درس گاہوں کی شکل اختیار کر گئیں جہاں طلبہ کی جماعتیں ابن ہرمزؒ اور ابن شہاب کے درس میں شرکت کے لیے رات گئے تک ان کے ہاں ٹھہرتے تھے۔ طلبہ کی بڑی جماعتیں درس شرع ہونے کے انتظار میں علما کی قیام گاہوں کے باہر کھڑی رہتی تھیں۔ امام مالکؒ اس وقت کوئی فتویٰ جاری نہیں کرتے تھے جب تک ستر علما اس کی سفارش نہ کر دیتے تھے۔

ابن شہاب زہری ایک ممتاز عالم تھے جنھوں نے تدوین حدیث کے اصول وضع کیے۔ مدینہ منورہ کے اکثر علماء نے دنیائے اسلام میں پھیل کر لوگوں میں دین کا شعور پیدا کیا اور گمراہ لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ گزشتہ تیرہ صدیوں میں بہت سی رکاوٹوں کے باوجود مدینہ منورہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے مرکز علم کی حیثیت سے اپنا امتیاز خصوصی ہر دور میں برقرار رکھا ہے اور آج بھی یہ علم و فضل کا ایک عظیم منبع و مرکز ہے۔

مسجد نبوی شریف 14 صدیوں کے آئینے میں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین مسجدوں کے لیے سفر اختیار کرو، ایک میری مسجد (مسجد نبوی) دوسری مسجد الحرام اور تیسری مسجد اقصیٰ۔ (الحدیث)

ایک حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری مسجد میں ادا کی گئی ایک نماز مسجد الحرام کے سوا باقی تمام مساجد میں ادا کی گئی ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔

محل وقوع

مسجد نبوی شریف 24 درجہ، 5 سیکنڈ اور 0.35 عرض البلد اور 31 درجہ، 36 منٹ، ایک سیکنڈ اور 0,51 طول البلد پر واقع ہے۔ یہ سطح سمندر سے 597 میٹر کی بلندی پر ایک ہالہ بدر اور جوہر آبدار کی مانند شہر مدینہ منورہ کے قلب میں چمک رہی ہے۔ یہ دنیائے اسلام کا ایسا منبع ومصدر ہے جس کی شعاعیں پھوٹ کر پورے عالم اسلام کو منور کر رہی ہیں۔

مقام

وہ قطع زمین جس پر مسجد نبوی شریف تعمیر ہوئی پہلے دو مدنی یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی جس پر وہ کھجور سکھانے کا کام کرتے تھے۔ حضرت اسعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہ ان دونوں لڑکوں کے سرپرست اور ولی تھے۔ یہ لڑکے نافع بن عمر بن ثعلبہ بن النجار کے بیٹے تھے۔ ان کے نام سہل و سہیل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی تعمیر کے لیے ان سے یہ زمین خرید فرمائی اور اس زمین پر اگے ہوئے کھجوروں کے جھنڈ جن کے نیچے مشرکین کی قبریں تھیں کاٹ کر اور قبروں کو مسمار کر کے صاف کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس جگہ کو صاف کر کے اس کی سطح ہموار کی گئی اور تعمیر مسجد کے لیے تیار کر لیا گیا۔

عہد نبوی کی تعمیر

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں یہ مسجد دو مرتبہ تعمیر ہوئی۔ سب سے پہلے سنہ ہجری کے سال اول 622ء میں جب مسجد شریف کا رقبہ 85045 مربع میٹر تھا اور اس کی اونچائی 2.49 میٹر تھی۔ دوسری بار فتح خیبر کے بعد تعمیر ہوئی۔ اہل

اسلام کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر مسجد کی تعمیر وتوسیع کا کام دوبارہ شروع کیا گیا تا کہ زیادہ سے زیادہ نمازی اس میں نماز ادا کر سکیں۔ دوسری تعمیر کے بعد اس کا رقبہ 2025 مربع میٹر ہو گیا۔ اس مرتبہ کی تعمیر میں اس کی بنیادوں کو پتھر لگا کر مضبوط بنایا گیا۔ اس مرتبہ دیواریں پختہ اینٹوں سے تعمیر کی گئیں اور ستون میں کھجور کے تنے استعمال کیے گئے۔ مسجد کی اونچائی اب 4.06 میٹر ہو گئی۔ مسجد کی چھت اب کھجور کی کڑیوں اور گارا مٹی استعمال کر کے تعمیر کی گئی۔ چھت کو اس ترتیب سے تعمیر کیا گیا کہ بارش کا پانی آسانی کے ساتھ پرنالوں کے ذریعے نکل جائے۔ دیگر مسلمانوں کے ساتھ اس مرتبہ بھی آنحضرت ﷺ نے بہ نفس نفیس اس کی تعمیر میں حصہ لیا اور سر مبارک پر پتھر اور اینٹیں اٹھا کر معمار کو دیتے رہے۔

حدود مسجد نبویؐ

آج کے زائرین اس حصے کی شناخت مشکل ہی سے کر سکتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ کے دوران تعمیر کیا گیا تھا کیونکہ اس اولین تعمیر کے بعد متعدد بار مسجد شریف کی تجدید وتوسیع ہو چکی ہے۔ کچھ محققین نے اپنی تصنیفات میں ان حدود مسجد کو روشناس کرایا ہے جو عہد نبویؐ میں تھیں۔

جنوبی دیوار (South Wall)

یہ دیوار محراب نبوی ﷺ سے جہاں حضور امامت فرماتے تھے تقریباً نصف میٹر کے فاصلے پر تھی۔ آج کل زرد رنگ کے خوبصورت ستون جو مشرق سے مغرب تک لگے ہوئے ہیں اور منبر نبویؐ سے تقریباً نصف میٹر کے فاصلے پر واقع ہیں دراصل یہی مسجد نبوی کی جنوبی دیوار کی وہ جگہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے تعمیر فرمایا تھا۔

شمالی دیوار (North Wall)

مسجد نبوی کی شمالی دیوار جو آنحضور ﷺ کے زمانہ اقدس کی قدیم تعمیر سے تعلق رکھتی ہے عثمانی ترکوں کے عہد حکومت میں سلطان عبدالحمید کی تجدید وتوسیع کے وقت نئی دیوار میں شامل کر لی گئی تھی۔ یہ دیوار موجودہ باب النسا کے شرقی غربی حصے تک پھیلی ہوئی تھی۔

دیوار شرقی (Eastern Wall)

مسجد نبوی کی شرقی دیوار آج کے منبر نبوی کے جانب شرقی ستون سے تقریباً 1.48 میٹر کے فاصلے پر داہنی سمت واقع تھی۔

غربی دیوار (Western Wall)

عہد نبوی کی مسجد نبوی کی غربی دیوار کا موقع محل شمال سے جنوب تک لگے ہوئے ستونوں والی جگہ ہے۔ اس جگہ عربی زبان میں "حد مسجد النبی علیہ السلام" لکھا ہوا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ حیات مبارکہ میں مسجد نبوی کی مذکورہ بالا حدود تھیں۔ صحیح احادیث مبارکہ میں ہے کہ مسجد نبوی کی کتنی بھی توسیع کر دی جائے وہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد ہی کہلائے گی اور اس کا یہ اعزاز ہمیشہ قائم رہے گا۔

ابن شبہ اور یحییٰ دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کی ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر یہ مسجد صنعاء (شمالی یمن) تک بڑھا دی جائے تب بھی میری ہی مسجد کہلائے گی" ایک دوسری حدیث میں ابی عمرہؓ کے حوالے سے ان دونوں راویوں نے نقل کیا ہے کہ "اگر ہم اس مسجد کو جنۃ البقیع تک بڑھا دیں تب بھی مسجد نبوی ہی کہلائے گی" آج ہم دیکھتے ہیں مسجد نبوی واقعتاً بقیع غرقد تک وسیع ہو چکی ہے جو عہد نبوی میں مسجد نبوی کے مشرق میں واقع تھا اور جہاں دس ہزار اصحاب رسول اور اہل بیت اطہار مدفون ہیں۔

عہد نبویؐ میں باب المسجد

مسجد نبوی کے موجودہ تمام دراز ے جو آج کل نظر آتے ہیں عہد نبویؐ شریف میں موجود نہیں تھے۔ اس زمانہ اقدس میں موجودہ دروازوں سے ان کا محل وقوع تبدیل ہو گیا ہے۔ محققین نے وضاحت کی ہے کہ عہد نبوی کے دروازے موجودہ عمارت میں کس کس جگہ واقع ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے شروع میں جب یہ مسجد تعمیر فرمائی اس وقت شمال میں مسجد اقصیٰ کی طرف رخ کر کے قبلہ اول القدس کی طرف نمازیں ادا کی جاتی تھیں اور اس وقت صرف مشرق، مغرب اور جنوب کی سمتوں میں درازے رکھے گئے تھے۔ چونکہ شمالی سمت میں قبلہ اول القدس واقع تھا اس لیے اس سمت میں کوئی دروازہ نہیں رکھا گیا تھا۔ جب قبلہ تبدیل ہوا اور نمازیں مکہ المکرمہ اور کعبہ مشرفہ کی جانب رخ کر کے ادا کی جانے لگیں تو مسجد نبوی کے شمالی حصے میں ایک نیا دروازہ کھولا گیا جبکہ جنوبی سمت کا دوازہ بند کر دیا گیا۔

شرقی دروازہ

اس دروازہ کے کئی نام دیے گئے ہیں جن میں سے ایک باب نبی ﷺ ہے۔ کبھی آنحضرت ﷺ اسی دروازے سے مسجد میں تشریف لاتے اور لے جاتے تھے۔ اسی کو "باب عثمانؓ" بھی کہا جاتا ہے۔ اب یہ باب جبرائیل کے نام سے مشہور ہے۔ اگر کوئی زائر مسجد نبوی اس دروازہ سے مسجد شریف میں داخل ہو اور سیدھا مغرب کی طرف چلے تو راستے میں زرد رنگ کا ایک ستون آتا ہے جو "الاغوات" پتھر سے پہلے واقع ہے۔ مسجد شریف کی چھت میں جس جگہ قندیل لٹکی ہوئی ہے اگر وہاں کھڑا ہوا جائے تو زائر مشرقی دروازے کے ٹھیک اسی مقام پر ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں تعمیر ہوا تھا۔

غربی دروازہ

عہد نبوی میں یہ دروازہ "باب عاتکہ" کہلاتا تھا۔ اب اسے "باب الرحمۃ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس

دروازے سے داخل ہونے والا زائر اگر مشرق کی طرف چلے اور اس گوشہ کے قریب ٹھہرے جس کے اوپر "حد مسجد النبی علیہ السلام" لکھا ہوا ہے تو وہ غربی دروازے کے ٹھیک اس مقام پر کھڑا ہوگا جو عہد نبوی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ موجودہ غربی دروازہ کے بالمقابل وہ قدیم غربی دروازہ پڑتا ہے جو آنحضرت ﷺ نے تعمیر فرمایا تھا۔

جنوبی دروازہ

یہ دروازہ اب "باب عمر" کے نام سے موسوم ہے اور مصلی نبویؐ اور حجرہ مطہرہ کے درمیان جنوبی دیوار کے مشرقی حصے میں واقع ہے یا یوں سمجھیے کہ حجرہ مطہرہ کی جالی مبارک کے غربی جنوبی گوشہ میں واقع ہے جب مسجد اقصیٰ کے بجائے کعبہ شریف کو قبلہ بنایا گیا تو قدیم دروازہ کو بند کر کے جانب شمال ایک نیا دروازہ کھولا گیا تھا۔

شمالی دروازہ

اس دروازے کو رسول اللہ ﷺ نے شمالی دیوار میں رکھا تھا جو جنوبی دروازہ کے متوازی تھا اور قبلہ تبدیل ہونے کے بعد اس کو بند کر دیا گیا تھا۔

محراب نبوی شریف ﷺ

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 144: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ کا ترجمہ ہے کہ: ہم آپ کے چہرے کا (یوں) بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لیے آپ کی مرضی ہے۔ پھر اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ شریف) کی طرف کیا کرو اور تم سب لوگ جہاں کہیں موجود ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو۔

قرآن کریم کی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد قبلہ کا رخ مسجد اقصیٰ سے کعبہ شریف کی جانب تبدیل کر دیا گیا تھا اور واقعہ عشرہ مبشرہ کی بنیاد بنا تھا۔ آپ کے ساتھ دس اصحاب نے عین نماز میں اپنے چہرے کعبہ کی طرف کر لیے تھے جس کی وجہ سے انھیں ان کی زندگی میں جنت کی بشارت دی گئی تھی اور وہ اصحابؓ عشرہ مبشرہ کہلائے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں محراب نبوی موجود نہیں تھی۔ اموی حکمران ولید بن عبدالملک کے عہد میں 91-88ھ/ 11-708ء کے دوران عمر بن عبدالعزیزؒ نے پہلی مرتبہ یہ محراب شریف تعمیر کروائی تھی۔ محراب نبوی کی موجودہ تعمیر اشرف قائتبائی کی تجدید و توسیع کی یاد دلاتی ہے۔

مصلّٰی شریف جس پر قبلہ رو ہو کر رسول اکرم ﷺ نماز ادا فرماتے تھے محراب کے درمیان جانب غرق واقع

ہے۔ اگر کوئی زائر وسط محراب کے بائیں طرف چلے اور منبر شریف سے چھ میٹر دور کھڑا ہو جائے وہ ٹھیک اس مقام پر ہوگا جہاں آقا نامدار ﷺ نماز کی امامت فرماتے تھے۔ اس جگہ یہ عبارت رقم ہے۔ "ہذا مصلی النبی علیہ السلام" (یہ نبی علیہ السلام کا مصلی ہے) زائر اگر اس مقام پر پہنچے تو موقع کو غنیمت جان کر دعا میں مشغول ہو جائے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ادعونی استجب لکم" "یعنی مجھ کو پکارو میں تمھاری درخواست قبول کروں گا۔

ایک اور جگہ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 186 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور جب تم سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں۔ منظور کر لیتا ہوں ہر عرضی درخواست کرنے والے کی جبکہ وہ میرے حضور میں درخواست دے۔"

مسجد نبوی ﷺ میں جانب القدس مصلی

رسول کریم ﷺ نے جنگ احد سے دو ماہ پہلے مسجد اقصی سے مسجد الحرام کو قبلہ بنالیا تھا۔ اس سے پہلے ہجرت کے بعد کے سولہ سترہ مہینے تک آپ ﷺ نے اور مسلمانوں نے القدس کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کی تھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ قبلہ تبدیل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلی نماز جو نماز ظہر تھی مسجد قبلتین میں ادا فرمائی تھی۔ یہ مسجد مدینہ منورہ میں بنی سلمہ مقام پر واقع ہے۔ کعبہ شریف کی طرف رخ کر کے ادا کی جانے والی نمازوں کی سمت تو محراب نبوی سے متعین ہو جاتی ہے مگر مسجد نبوی ﷺ میں القدس کی جانب رخ کر کے ادا کی جانے کی سمت کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ کچھ محققین نے اس کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی ہے۔ مسجد نبوی میں داخل ہو کر اگر اسطوانہ سیدہ عائشہؓ کو پشت پر چھوڑ کر سیدھے شمال کی جانب چلا جائے یہاں تک کہ باب جبرائیل سامنے آجائے تو زائر اس مقام پر پہنچ جائے گا جہاں حضور ﷺ مسجد اقصی کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا فرماتے تھے۔

مسجد نبوی کے کچھ تاریخ ساز ستون

مسجد نبوی شریف کے جنوبی حصے میں جو ستون موجود ہیں وہ سلطنت عثمانیہ کے زمانے میں سلطان عبدالحمید تجدید وتوسیع کے زمانے کے ہیں۔ان ستونوں کو تعمیر کرتے وقت عہد نبوی کے کھجور کے لٹھوں کو ان ستونوں میں تبدیل کیا گیا تھا۔ ان میں سے آٹھ ستون تاریخی حیثیت کے حامل ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(1) اسطوانہ مطیبہ معطرہ

مسجد نبویؐ خاص مصلی نبوی ﷺ پر واقع ہے۔اس کو اسطوانہ معطرہ بھی کہتے ہیں۔ایک صحابی حضرت مسلمہ ابن الاکواع رضی اللہ عنہ کو اکثر اس مقام پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اس جگہ نماز ادا فرمایا پسند کرتے تھے۔اس اسطوانہ کو بعد کے زمانے میں قبلہ کی جانب ہٹا دیا گیا اور اس کا کچھ حصہ محراب نبوی ﷺ کے اندر آ گیا ہے۔

(2) اسطوانہ سیدہ عائشہؓ:

یہ مسجد نبوی کے منبر شریف، مرقد اطہر اور قبلہ کی سمت سے تیسرا ستون ہے اور اسے ''اسطوانہ مہاجرین'' بھی کہتے ہیں کہ یہاں مہاجر جمع ہوتے تھے۔''اسطوانہ قرع'' بھی اسی کا نام ہے۔طبرانی نے اپنی کتاب ''الاوسط'' میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ''میری مسجد میں ایک ایسا بقعہ ہے کہ اگر لوگ اس کی اہمیت سے واقف ہو جائیں تو اتنا ہجوم کریں کہ اس جگہ نماز ادا کرنے کے لیے قرعہ اندازی کرنا پڑے۔'' حضرت عائشہؓ نے اس مقام کو مخفی رکھا تھا لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو خفیہ طور پر بتا دیا تھا۔مسجد اقصیٰ سے قبلہ کعبہ شریف کو قرار دیا جانے کے بعد اور منبر شریف پر قیام سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر کئی مرتبہ فرض نمازوں کی امامت فرمائی تھی۔اصحاب کرام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اسی مقام پر نمازیں ادا کرتے تھے۔

اسطوانہ توبہ

منبر شریف سے چوتھا، مرقد اطہر سے دوسرا اور قبلہ کی سمت سے تیسرا اسطوانہ ہے۔ اسے "اسطوانہ ابی لبابہ رضی اللہ عنہ" بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابی لبابہ رضی اللہ عنہ نے ایک راز نبوی بنی قریظہ کے یہودیوں کو بتا دیا تھا جس کی وجہ سے انھوں نے کئی دن تک خود کو سزا دینے کے لیے اس اسطوانہ سے لٹکائے رکھا تھا اور توبہ کی تھی۔ ان کے ضمیر نے ان سے اس فعل پر ملامت کی اور انھوں نے کئی دن تک بغیر کھائے پیے اپنے آپ کو اس ستون سے لٹکائے رکھا اور عہد کیا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ مجھے خود اپنے دست مبارک سے نہیں کھولیں گے میں اسی طرح لٹکا رہوں گا۔ ان کی بیٹی صرف نماز کے وقت یا رفع حاجت کے وقت ان کے ہاتھ پیر کھول دیتی تھی اور پھر ان کو واپس باندھ کر لٹکا دیتی تھی۔ آخر ابی لبابہ رضی اللہ عنہ کے حق میں قرآن مجید کی سورہ توبہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے دست مبارک سے اس ستون سے کھول دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس اسطوانہ پر نفل نمازیں ادا فرمائی تھیں اور آپ ﷺ اکثر نماز فجر کے بعد اس کے پیچھے تشریف فرما ہو کر غریب، مسکین، ضعیف اور نو مسلم لوگوں سے گفتگو فرماتے تھے اور گزشتہ شب نازل ہونے والی وحی سے ان کو آگاہ فرماتے تھے۔

اسطوانہ سریر

یہ اسطوانہ حجرہ مطہرہ کی کھڑکی سے ملحق ہے اور جانب مشرق اسطوانہ توبہ سے اگلا ستون ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس اسطوانہ کے قریب بستر بچھا کر استراحت فرماتے تھے۔ اسی لیے یہ استوانہ، اسطوانہ سریر کہلاتا ہے۔

اسطوانہ حرس

اسطوانہ توبہ کے عقب میں جانب شمال واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بطور محافظ بٹھایا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس اسطوانہ کے قریب نمازیں ادا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے یہ اسطوانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب بھی کہلاتا ہے بعد کے زمانے میں مدینہ منورہ کے امیروں نے اس مقام پر نمازیں ادا کیں۔

اسطوانہ وفود

یہ اسطوانہ حرس سے شمال کی طرف واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس جگہ تشریف فرما ہو کر قبائلی وفود سے ملاقات فرماتے تھے۔ اس جگہ بہت سے صحابہ کرامؓ نے قیام بھی فرمایا ہے۔

اسطوانہ مربعہ قبر

اسے مقام جبرائیل بھی کہتے ہیں۔ یہ حجرہ مطہرہ کے غرب میں واقع ہے۔ اکثر مورخین کے نزدیک حضرت سیدۃ النسا فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مکان اسی مربعہ کے سامنے واقع تھا۔

اسطوانہ تہجد

یہ سیدہ فاطمہ الزہرا کے مکان کی پشت پر جانب شمال واقع ہے۔ اس میں ایک محراب ہے جس کے پاس کھڑے ہو کر مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ نماز تہجد ادا فرماتے تھے۔ اسی لیے اسے مصلی تہجد بھی کہا جاتا ہے۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر بتایا تھا کہ نماز تہجد نفل ہے۔ میں اس خوف سے کہ یہ تم پر فرض نہ کر دی جائے اس کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔

منبر نبوی ﷺ شریف

ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میرے مکان اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔'' ایک دوسری حدیث شریف میں احمد سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''میرا منبر جنت کے حوضوں میں سے ایک حوض کے اندر ایستادہ ہے۔'' نسائی نے بعض ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''جس نے میرے منبر کے قریب کسی مسلمان کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کے لیے جھوٹا حلف اٹھایا تو اس پر اللہ، اس کے فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت۔''

کہاں میں اور کہاں منبر اقدس کا نظارہ
نظر اس سمت اٹھتی ہے مگر دزدیدہ دزدیدہ

منبر شریف کی تعمیر و ترقی

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے تھکان محسوس فرمائی تو آپ ﷺ نے ایک کھجور کے لٹھے سے جو لایا گیا تھا ٹیک لگالی۔ مدینہ منورہ کے ایک مسلمان نے جب یہ دیکھا تو اس نے کہا میں نبی کریم ﷺ کے لیے اس سے بہتر منبر بنا سکتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ یہ نئی چیز تیار کر کے لائے۔ اس شخص نے تین چار سیڑھیوں والا ایک لکڑی کا منبر تیار کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اس منبر پر تشریف فرما ہو کر آرام ملا۔ جب یہ نیا منبر آنحضرت ﷺ کے استعمال میں آیا تو کھجور کا وہ تنا جس سے پہلے آپ ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے بے چین ہو کر رونے لگا۔ آنحضرت ﷺ نے جب اس کی بے چینی محسوس کی تو اس کو بغل گیر فرمایا۔ جب اس کی بے چینی دور ہو گئی تو خندق کھود کر اس میں اسے دفن کر دینے کی ہدایت فرمائی۔ آنحضرت ﷺ اس منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اس کی تیسری سیڑھی پر قیام فرما ہوتے تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت آیا تو آپ اس کی دوسری سیڑھی پر خطبہ دینے لگے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو پہلی سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنے عہد

میں چھ سال تک حضرت عمرؓ کی طرح اس کی نچلی سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے مگر اس کے بعد آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کی قدیم جگہ یعنی تیسری سیڑھی پر خطبہ ارشاد فرمایا۔

خلافت بنو امیہ

اموی حکمران امیر معاویہؓ نے منبر کی سیڑھیاں جو پہلے تین تھیں بڑھا کر چھے کر دیں۔ 654ھ / 1258ء میں مسجد نبوی میں آگ لگنے کی وجہ سے یہ منبر بھی آگ میں جل گیا۔اس کے بعد حاکم یمن المظفر نے صندل کی لکڑی کا ایک نیا منبر بنوا کر بھیجا جو مسلسل دس سال تک مستعمل رہا۔ پھر 664ھ/1268ء میں سلطان مصر س نے ایک نیا منبر مصر سے بنوا کر مسجد نبوی میں رکھوا دیا۔ یہ منبر 797ھ/ 1397 تک استعمال ہوتا رہا پھر اس کی جگہ سلطان ظاہر برقوق کے بھجوائے ہوئے منبر نے لے لی جو 880ھ/ 1478ء میں شیخ مدثر المو ید کے نئے بنوائے ہوئے منبر سے تبدیل کیا گیا۔ مسجد نبوی میں ایک اور آتشزدگی کے رونما ہونے کے بعد اینٹوں کا منبر تعمیر کیا گیا جس کے کچھ سال بعد 888ھ/ 1468ء میں سلطان اشرف قائتبائی نے سنگ مرمر کا منبر بنوا کر اینٹوں کے منبر کی جگہ رکھوا دیا۔ 998ھ/1593ء میں عثمانی سلطان مراد نے سنگ مرمر کا ایک اور منبر بھجوایا جو اس وقت دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا تھا۔ یہ منبر جمالیاتی اصولوں کو مدنظر رکھ کر بنایا گیا تھا اور سونے کے کام سے بھی مزین تھا۔ سطان اشرف قائتبائی کا منبر مسجد قبا میں منتقل کر دیا گیا اور سلطان مراد کا بنوایا ہوا منبر زمانہ حال تک موجود ہے۔

سلطان سلیم عثمانی کی تزئین

سطان سلیم عثمانی متوفی 945ھ/ 1541ء نے سفید اور سرخ رنگ کے سنگ مرمر سے روضہ مطہرہ کے ستون بنوائے اور ان پر سونے کا کام کروایا۔ سلطان عبدالحمید نے جب مسجد نبوی کی تجدید و توسیع کروائی تو روضہ اقدس کی چھت تبدیل کروائی اور سنگ مرمر کے نئے ستون بھی لگوائے۔ امتداد زمانہ سے بعض ستونوں کا سنگ مرمر خستہ و خراب ہونے لگا۔ ان ستونوں پر جو تحریریں تھیں انھیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ستون سنگ مرمر سے بنوائے گئے تھے۔

مینار مسجد نبوی شریف

عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے عہد میں مسجد نبوی میں کوئی مینار نہیں تھا۔ امویوں کے عہد حکومت میں عمر بن عبدالعزیز، امیر مدینہ منورہ نے 91-88ھ میں توسیع مسجد کے دوران پہلی مرتبہ مسجد کے مینار تعمیر کروائے۔ انھوں نے مسجد کے چاروں کونوں پر چار مینار ایستادہ کیے۔

سلطان عبدالحمید کے تعمیر کردہ مینارے

سلطان عبدالحمید نے عہد عثمانی میں مسجد نبویؐ کی تجدید و توسیع کروائی جس کے دوران اس میں پانچ مینارے تعمیر کروائے۔ ان کے نام مندرجہ ذیل دیے جا رہے ہیں۔

(1) مینارہ شامیہ غربیہ

یہ مینارہ پہلے مسجد شریف کے شمال مغربی گوشے میں بنایا گیا تھا۔ جب سعودی حکومت نے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر نو کروائی تو اس مینارے کو منہدم کر دیا گیا۔

(2) مینارہ شرقیہ

اس مینارے کو سنجاریہ اور عزیزیہ بھی کہتے تھے۔ یہ مسجد کے شمال مشرقی گوشے میں تعمیر کیا گیا تھا۔ سعودی تعمیر نو کے دوران اس مینارے کو بھی منہدم کر دیا گیر۔

(3) مینارہ جنوب مشرقی

یہ مسجد نبوی کا سب سے بڑا مینارہ تھا اور اب بھی مینارہ رئیسہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسجد نبوی ﷺ شریف کے جنوبی گوشے میں گنبد خضریٰ سے متصل ہے۔ سلطان اشرف قائتبائی نے تین مرتبہ اس کی تجدید و تعمیر کرائی۔ 1486، 1484، اور 1490ء میں اس مینار کی تعمیر میں سنگ موسیٰ لگایا گیا تھا اور اس کی اونچائی 60 میٹر یا 180 فٹ ہے۔ اہل مدینہ نے گنبد خضریٰ کے ساتھ ساتھ بطور یادگار اس مینار کو بھی خود تعمیر کیا تھا۔

مینارہ غربیہ

یہ مینار باب الرحمۃ کے نام سے مشہور تھا۔ 888ھ/1486ء میں سلطان اشرف قائتبائی نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ یہ مینارہ مسجد نبوی کے دیوار کے باہر اس مکان سے متصل تھا جس میں مدرسہ محمودیہ کے اساتذہ قیام کرتے تھے۔ سعودی تعمیر نو میں یہ مینارہ بھی منہدم کر دیا گیا۔

سعودی عہد کے مینارے

مسجد نبوی کی سعودی تعمیر و توسیع کے دوران شمال مشرقی، شمال مغربی اور مغربی جنوبی مینارہ الرحمۃ منہدم کر دیا گیا۔ ان کی جگہ جو نئے مینارے جن کی بلندی 70 میٹر اور بنیاد 17 میٹر گہری ہے، فن تعمیر کے جدید طرز تعمیر پر بنائے گئے مینارے ہیں۔ ان میناروں کا مطاف جس کے چاروں طرف گھوم کر مؤذن اذان دینے کے لیے چڑھتا ہے بے شمار برقی قمقمے اس پر لگائے گئے ہیں۔ ان دونوں میناروں کی چوٹی پر اتنی تیز روشنی کی جاتی ہے کہ آسمان بقعہ نور بنا نظر آتا ہے۔

توسیع کنندگان مسجد نبوی شریف

جن حضرات نے مسجد نبوی شریف ﷺ کی توسیع و تجدید کرائی ان میں اولین خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اموی حکمران ولید بن عبدالملک، عباسی خلیفہ مہدی، سلطان مصر اشرف قائتبائی، سلطان عبدالحمید عثمانی اور سعودی شاہ عبدالعزیز ابن سعود کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد کی توسیع و تجدید

17ھ/639ء میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جنوبی سمت کی طرف ایک ستون، غربی جانب دو ستون اور شمالی جانب 45.9 میٹر کے بقدر مسجد نبوی کی توسیع و تجدید کرائی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی توسیع کا کل رقبہ گیارہ سو میٹر کے قریب تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی توسیع و تجدید

28ھ/سے 30ھ/650ء سے 652ء تک خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد کا رقبہ جنوب و مغرب کی طرف بقدر ایک ستون اور شمال کی جانب 4.5 میٹر تک بڑھایا بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شمال کی جانب توسیع کا رقبہ 22.5 میٹر تھا مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی تعمیر و توسیع میں منقش پتھر، لوہا اور سیسہ استعمال کرایا اور آپ کی توسیع کا کل رقبہ 496 مربع میٹر تھا۔

توسیع ولید بن عبدالملک

88ھ سے 91ھ/ 708ء سے 711ء تک اموی حکمران ولید بن عبدالملک نے مسجد نبوی شریف کی تجدید و توسیع کرائی۔ تعمیر و تجدید کا یہ کام امیر مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زیر نگرانی پایہ تکمیل کو پہنچا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی نے پہلی بار مسجد نبوی کے مینارے تعمیر کروائے تھے اور مسجد شریف میں محرابوں اور چھجوں کا اضافہ بھی کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد کو وسعت دینے کے لیے امہات المومنین کے حجروں کو منہدم کروا کر مسجد نبوی میں شامل کر دیا اور اس طرح دمشق و مغرب کی سمت میں مسجد شریف کافی وسیع ہوگئی۔ مورخین کے مطابق اس توسیع کے بعد مسجد نبوی شریف کا طول و عرض 90 میٹر ہوگیا۔ اس توسیع کے بعد اس کا کل رقبہ 2369 مربع میٹر ہوگیا۔ مسجد نبوی شریف کی اس تجدید و توسیع میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے شاہ رومہ سے معاونت حاصل کی تھی اور مورخ ابن قدامہ کے مطابق چالیس مصری معماروں اور مزدوروں کے علاوہ بھاری مقدار میں زر و جواہر اور منقش پتھر شاہ رومہ نے بھیجے تھے۔ اس تجدید کے دوران پہلی بار اندرونی حصوں کو سونے، سنگ مرمر اور دوسرے منقش پتھروں سے مزین کیا گیا۔ دروازے کی سیڑھیوں تک کو سنہری کام سے مزین کیا گیا۔ اس عہد کے ایک تابعی عالم سعید بن المسیب یہ چاہتے تھے کہ امہات المومنین کے حجروں کو منہدم نہ کیا جائے تاکہ آئندہ نسلیں بھی رسول اکرم ﷺ کی سادہ ازدواجی زندگی کے آثار دیکھ سکیں۔

خلیفہ مہدی العباسی کی توسیع

161ھ سے 165ھ/ 779ء سے 783ء تک عباسی خلیفہ مہدی العباسی نے مسجد نبوی شریف میں جانب شمال 45 میٹر وسعت دی۔ اس نئی توسیع کی بدولت مسجد شریف کا طول 135 میٹر اور عرض 48.6 میٹر ہوگیا۔ اس توسیع میں صحابہ کرام حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے مکانات کو مسجد میں شامل کر دیا گیا۔ اس توسیع کے بعد مسجد شریف کا رقبہ 2450 میٹر ہوگیا۔

سلطان اشرف قائتبائی کی تجدید و توسیع

خلافت عباسیہ کے خاتمے کے بعد مدینہ منورہ کے انتظامی امور مملوک مصر کے تصرف میں آ گئے۔ مملوک مصر اشرف قائتبائی نے اس سلسلے میں بڑی خدمات انجام دیں۔ دوسری آتش زدگی مسجد نبوی کے بعد سلطان اشرف قائتبائی نے 888ھ/ 1486ء میں مسجد کو از سر نو تعمیر کیا اور اس کی چھت بھی از سر نو بنوائی۔ 890ھ/ 1488ء میں تجدید و تعمیر کا یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ مشہور مورخ مدینہ البرزنجی نے اپنی کتاب "نزھۃ الناظرین" میں لکھا ہے کہ مسجد نبوی میں لکڑی کے لٹھوں کی چھت، اینٹوں کی چنائی، سنگ سیاہ کے ستون اور لوہے کے شہتیر تھے جن کو سیسہ اور دھات سے جوڑا گیا۔

سلطان عبدالحمید عثمانی کی توسیع وتجدید

مملوک مصر کی حکومت کے خاتمے کے بعد حجاز کی حکومت عثمانی سلاطین کے ہاتھوں میں آئی۔ عثمانی سلاطین نے مسجد نبوی کی طرف انتہائی توجہ دی اور اشرف قائتبائی کی تعمیرات کے تقریباً 400 سال بعد ہی 1265ھ/1848ء میں مسجد کی از سر نو تعمیر کا کام شروع کرایا۔ سلطان نے حلیم آفندی کو تعمیرات کا سربراہ بنا کر مدینہ منورہ بھیجا۔ اس کے ہمراہ انجینئر اور سنگ تراش اور معمار تھے۔ مسجد میں استعمال کیے جانے کے لیے جب پتھر تلاش کیے گئے تو وادی عقیق میں سنگ سرخ کی ایک کان دریافت ہوئی۔ مسجد شریف کے سارے ستون اور ڈاٹیں اسی پتھر سے تعمیر کی گئیں جبکہ چار دیواریں سنگ سیاہ سے تعمیر کی گئی جو اس سنگ سرخ سے بھی سخت تھا۔ اس تجدید وتعمیر میں مسجد کی چھت سے شہتیر وکڑیاں نکال کر گنبد تعمیر کیے گئے اور ان کے اندرونی حصوں کو نقش ونگار سے مزین کیا گیا۔ دیواروں پر چاروں طرف آیات قرآنی اور رسول اللہ ﷺ کے اسمائے حسنہ رقم کیے گئے۔ مسجد کے جنوبی حصہ میں سلطان عبدالحمید کے تعمیر کردہ دروازوں میں سے باب جبرائیل، باب السلام اور باب الرحمۃ اب تک موجود ہیں۔ منارہ رئیسہ بھی تعمیر مجیدی کا ایک حصہ ہے۔

عہد سعودی کی پہلی تجدید وتوسیع

بیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں جہاں زائرین کی تعداد بھی بہت بڑھ چکی تھی وہیں 1365ھ/1946ء میں مسجد نبوی کے شمالی حصے میں بعض شگاف بھی نظر آئے۔ ملک عبدالعزیز نے مسجد شریف میں تجدید وتوسیع کا کام محمد بن لادن کو تفویض کیا اور مسجد کے چاروں طرف سڑکوں کو بھی کشادہ کرنے کا حکم دیا۔

13 ربیع الاول 1372ھ/1951ء میں امیر سعود بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی کی توسیع کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس توسیع کے بعد مسجد نبوی شریف کا رقبہ 16326 مربع میٹر ہو گیا۔ شاہ سعود نے مسجد کی توسیع شدہ عمارت کا افتتاح 5 ربیع الاول 1375ھ/1955ء کو کیا مگر سفر کی سہولتیں بڑھ جانے کی وجہ سے حجاج کرام وزائرین کی تعداد اور بڑھ گئی اور مسجد شریف میں جگہ کم پڑنے لگی تو شاہ فیصل مرحوم نے مسجد کی مغربی سمت میں نمازیوں کے لیے مزید جگہ بنانے کا حکم دیا۔ لہٰذا 1393ھ/1972ء میں اس علاقے کے بازار اور مکانات کو خرید کر مسجد میں شامل کر دیا گیا اور پختہ عمارت کی بجائے پختہ سائبان نصب کر دیے گئے جن میں روشنی اور ہوا کا انتظام موجود تھا۔ یہ سائبان سعودی توسیع دوم تک باقی ہے۔

دوسری سعودی توسیع

1405ھ/تا1414ھ/1984 سے 1994 تک۔ خادمین حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود کو دیار مدینہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ ان کے اسی لگاؤ اور عقیدت نے مسجد نبوی شریف میں دوسری سعود توسیع کی صورت

اختیار کرلی۔ بروز جمعہ 9 صفر 1405ھ کو شاہ فہد نے اس دوسری توسیع کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھا۔ سنگ بنیاد کی یہ تختی باب اسلام کے دائیں طرف اور مقصورہ شریف کے مغربی دروازہ کے قریب نصب ہے۔ توسیع وتعمیر کا یہ کام باقاعدہ طور پر محرم الحرام 1406ء میں شروع ہوکر 1914ھ/1994ء میں اختتام پذیر ہوا۔ اس دن شاہ فہد نے عمارت کی توسیع کی آخری اینٹ نصب کی جو اس وقت باب النسا کے متصل 38 نمبر باب بلال اور باب النسا کے درمیان نصب ہے۔ اس توسیع میں چھ جدید میناروں کا اضافہ بھی کیا گیا ہے جو سعودیہ کی پہلی توسیع میں تعمیر ہونے والے دو میناروں جیسے ہیں اور ان میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یہ نئی عمارت سہ منزلہ ہے جس میں تہہ خانہ، گراؤنڈ فلور اور چھت شامل ہے۔ اس نئی توسیع میں جدید ضروری انتظامی تمام لوازمات موجود ہیں اور ٹیلی وژن کمرے، بجلی کا نظام اور ایر کنڈیشننگ کا نظام، امام مسجد کی آواز مسجد کے ہر حصے تک پہنچانے کے لیے ایک بہترین آڈیو سسٹم بھی موجود ہے۔ یہ مسجد نبوی شریف کی تاریخ کی سب سے بڑی توسیع تھی۔ اس میں قبلہ کی جانب کا ترکی عمارت کا حصہ اور پہلی اور دوسری سعودی توسیع شامل ہیں۔ کل رقبہ 16326 مربع میٹر ہے۔

مسجد نبوی کے دروازے دوسری توسیع کے بعد

دونوں سعودی توسیعات کے دوران مسجد میں داخلے کے لیے کافی دروازے رکھ دیے گئے تاکہ آنے جانے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ مسجد نبوی کے پہلے گیارہ دروازے جن میں سے بعض اس وقت توسیعی عمارت کے اندر آچکے ہیں یعنی باب ملک سعود، باب عمرؓ، باب عبدالمجید، باب عثمانؓ اور باب ملک عبدالعزیز۔ باقی دروازے جن کی تعداد حضرت عمر بن عبدالعزیز کی توسیع کے بعد 20 ہوگئی تھی اور بعد کی توسیعات میں ان میں مزید اضافہ ہوا تھا یہ دروازے نمبروں کے تسلسل میں توسیع کے دروازوں میں شامل ہوگئے جن کی ابتدا باب اسلام سے ہوتی ہے۔ اس طرح کل اکتالیس دوازے ہیں۔ بعض کا ایک اور بعض کے دو یا تین دروازے ہیں۔ کہیں پانچ دروازوں کا راستہ ہے۔ اس طرح مسجد نبوی شریف کے دروازوں کی تعداد پچاسی ہوجاتی ہے۔ بعض دروازے صرف گراؤنڈ فلور کے ہیں بعض چھت کی طرف جانے کے لیے جبکہ بعض دروازے گراؤنڈ فلور اور چھت دونوں کو جاتے ہیں۔ بعض دروازوں سے عام سیڑھیاں اوپر جاتی ہیں اور بعض سے خود کار برقی زینے مردوں اور خواتین کے لیے الگ الگ ہیں۔ دروازوں کی ترتیب اور نمبر شمار کچھ یوں ہے:

(1) باب اسلام، اس کا ایک ہی دروازہ ہے اور یہ ترکی عمارت میں ہے

(2) باب الصدیق، اس کے تین متصل دروازے ہیں۔ یہ بھی ترکی عمارت کی یادگار ہیں۔ اس کے تیسرے دروازے کے پہلو میں حرم شریف کی پولیس کا دفتر ہے۔

(3) باب الرحمۃ، اس کا ایک دروازہ ہے اور یہ بھی ترکی عمارت میں واقع ہے۔

(4) باب الہجرت، اس کے دو دروازے ہیں (ا۔ب)

(5) اس میں ایک دوسرے سے متصل تین دروازے ہیں (ا۔ب۔ج) اور دائیں بائیں دروازوں میں عام قسم کی سیڑھیاں ہیں جو چھت تک جاتی ہیں۔اس کا نام "باب قبا" ہے۔

(6) اس میں دو دروازے ہیں جن میں خودکار برقی زینے چھت پر جاتے ہیں۔اس دروازہ کا صرف نمبر ہے۔اسے کسی نام سے موسوم نہیں کیا گیا۔

(7) صرف ایک دروازہ ہے۔اس کا نام باب ملک سعود ہے۔

(8) اس باب میں پانچ دروازے متصل ہیں (ا۔ب۔ج۔د۔ھ) جن میں سے دو میں خودکار برقی زینے نصب ہیں۔

(9) صرف ایک دروازہ ہے۔8,7 اور 9 کے دروازوں کو باب ملک سعود کا نام دیا گیا ہے۔

(10) اس میں دو دروازے ہیں اور خودکار برقی زینے نصب ہیں۔

(11) اس کا نام باب العقیق ہے۔اس میں دو دروازے ہیں۔

(12) اس میں صرف ایک دروازہ ہے۔

(13) اس میں پانچ متصل دروازے ہیں جو خواتین کے لیے مخصوص ہیں۔

(14) یہ ایک ہی دروازہ ہے جس کے پہلو میں کچھ دفاتر واقع ہیں۔

(15) دو دروازوں پر مشتمل ہیں جن میں خودکار زینے نصب ہیں۔

(16) صرف ایک دروازہ ہے۔

(17) اس میں پانچ دروازے متصل ہیں جو خواتین کے لیے مخصوص ہیں۔

(18) ایک دروازہ ہے۔دروازہ نمبر 17,16 اور 18 کا نام باب عمرؓ بن الخطاب ہے۔

(19) باب بدر کے نام سے موسوم ہے۔یہ ایک ہی دروازہ ہے۔

(20) ایک ہی دروازہ ہے۔

(21) باب الملک فہد بن عبدالعزیز، اس میں پانچ دروارے متصل ہیں۔اس کے راستے پر سات کنکریٹ کے گنبد ہیں اور اس کے دونوں اطراف میں دو مینار ہیں جو 104 میٹر بلند ہیں اور پانچویں دروازے میں خودکار برقی زینے نصب ہیں۔

(22) دروازنمبر 20.20 اور 22 کا نام باب ملک فہد ہے۔

(23) اس کا صرف ایک ہی دروازہ ہے جو خواتین کے لیے مخصوص ہے۔اس کا نام "باب احد" ہے۔

(24) اس کا بھی ایک دروازہ ہے اور یہ بھی صرف خواتین کے لیے مخصوص ہے۔

(25) اس میں پانچ متصل دروازے ہیں ان میں سے پہلے اور پانچویں دروازے میں غیر مستعمل سیڑھیاں ہیں۔

(26) اس کا صرف ایک دروازہ ہے۔نمبر 25,24 اور 26 کا نام باب عثمانؓ بن عفان ہے۔

(27) اس میں دو دروازے ہیں جو مسجد شریف کا شمالی حصے کے آخری دروازے ہیں۔ان میں خودکار برقی زینے بھی نصب ہیں۔

(28) اس میں صرف ایک دروازہ ہے جو خواتین کے لیے مخصوص ہے۔

(29) اس میں پانچ متصل دروازے ہیں جو خواتین کے لیے مخصوص ہے۔ان میں سے پہلے اور پانچویں پر خودکار ایسکیلیٹر نصب ہیں۔

(30) اس میں صرف ایک ہی دروازہ ہے جو خواتین کے لیے مخصوص ہے۔دروازہ نمبر 29,28 اور 30 علیؓ بن ابی طالب کے نام سے موسوم ہے۔

(31) اس میں دو دروازے ہیں جن میں خودکار ایسکیلیٹر نصب ہیں۔درازے سے ملحقہ دو لفٹیں بھی ہیں جن کے ذریعے چھت پر نماز پڑھنے والوں کے لیے قالین اور پانی وغیرہ پہنچایا جاتا ہے۔

(32) باب ابوذرؓ کے نام سے موسوم ہے۔اس کے دو دروازے ہیں۔

(33) ایک دروازہ ہے جس میں حرم پولیس کا دفتر ہے۔

(34) اس میں پانچ متصل دروازے ہیں جن میں پہلے اور پانچویں میں سیڑھیاں ہیں۔

(35) اس میں صرف ایک ہی دروازہ ہے۔نمبر 34,33 اور 35 کا نام باب ملک عبدالعزیز ہے۔۔اس باب میں پانچ دروازے دوسری سعودی توسیع میں رکھے گئے ہیں۔

(36) اس میں دو دروازے ہیں جو متصل ہیں جن میں خودکار برقی زینے ہیں۔

(37) اس میں تین دروازے ہیں اور دائیں بائیں والے دروازوں میں سیڑھیاں ہیں۔

(38) باب بلال رضی اللہ عنہ اس کے دو دروازے ہیں۔

(39) باب النسا، یہ ترکی تعمیرات کی یادگار ہے۔

(40) باب جبرائیل، یہ بھی ترکی دور کی یادگار ہے۔

(41) باب البقیع ،ایک ہی دروازہ ہے۔یہ مشرقی جانب میں مسجد شریف کا آخری دروازہ ہے۔یہ 1408ھ میں کھول گیا تھا۔

کبھی تنک کے در کو کھڑے رہے کبھی آہ بھر کے چلے گئے
ترے کوچے میں جو آئے ہم تو ٹھہر ٹھہر کے چلے گئے

دوسری سعودی توسیع کے دوران یہ سب دروازے کنکریٹ سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ان کے اندرونی حصے میں سنگ مرمر اور بیرونی حصے میں گرینائٹ پتھر لگایا گیا ہے۔ان میں لکڑی کے دروازے ہیں جو عرض میں تین میٹر اور طول میں چھ میٹر ہیں۔ یہ عزیزی لکڑی سے بنائے گئے جو سوڈان سے درآمد کی گئی ہے ان پر پیتل چڑھا ہوا ہے اور ہر دروازہ کے درمیان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا ہے۔ ہر دروازے پر پتھر کی ایک تختی لگی ہوئی ہے جس پر ''ادخلوہا بسلام آمنین'' لکھا ہوا ہے۔جن درواروں میں خودکار برقی زینے لگے ہوئے ہیں وہ عام دروازوں سے نسبتاً چھوٹے ہیں۔

متحرک گنبد

قدرتی ہوا اور روشنی سے استفادے کے لیے گراؤنڈ فلور پر چھت میں کھلی جگہ رکھی گئی ہے جو ضرورت کے مطابق متحرک گنبدوں کے ذریعے کھولی بند کی جاسکتی ہے۔ یہ متحرک گنبد فولادی لائنوں پر پھسل کر آگے پیچھے ہوتے ہیں۔ جدید عمارت میں ان کی تعداد 27 ہے۔ ہر گنبد کے نیچے 18x18 میٹر کا رقبہ آجاتا ہے۔ یہ نیچے سے 16.6 میٹر بلند ہیں۔

جدید توسیعی حصے کی چھت

جدید چھت کا کل رقبہ 67000 مربع میٹر ہے جس میں سے 8750 مربع میٹر گنبدوں میں آگیا ہے اور نمازیوں کے لیے تقریباً 58250 مربع میٹر بچتا ہے جس میں سے نوے ہزار نمازیوں کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ چھت پر ایک دالان بھی ہے جس کا رقبہ گیارہ ہزار مربع میٹر ہے اور وہ پانچ میٹر اونچا ہے اور توسیعی حصے کے مغربی، مشرقی، جنوبی اور شمالی حصے پر پھیلا ہوا ہے۔اس کی چھت اور دیوارں پر مصنوعی منقش پتھر لگایا گیا ہے تاکہ توسیعی عمارت سے اس کا تناسب قائم رہے۔

برقی خودکار زینے

گراؤنڈ فلور میں نمازیوں کو چھت پر لے جانے کے لیے برقی خودکار سیڑھیاں یا زینے بنائے گئے ہیں جن کی کل تعداد چھ ہے جو مسجد شریف کے چاوں پہلوؤں میں جاری وساری ہیں۔

مینار (Tower)

توسیعی تعمیر میں چھ مینار تعمیر کیے گئے ہیں۔ چار توسیعی عمارت کے چاروں کونوں پر اور دو مرکزی دروازوں پر جسے باب الملک فہد بن عبدالعزیز کہا جاتا ہے۔ان میناروں کی اونچائی 104 میٹر یا 312 فٹ ہے۔ پہلی سعودی توسیع میں

جو دو مینار تعمیر کیے گئے تھے ان سے نئے مینار 32 فٹ زیادہ بلند ہیں۔ ہر مینار کے پانچ حصے ہیں۔ پہلا حصہ مربع شکل کا ہے جس کا ہر پہلو 5.5 میٹر بلند ہے اور اس کی بلندی 27 میٹر ہے اس پر گرینائٹ پتھر لگایا گیا ہے۔ اس حصے کے اوپر ایک چوکور گیلری ہے۔ دوسرا حصہ ہشت پہلو ہے جس کا قطر 5.5 میٹر ہے اور بلندی 21 میٹر ہے اس پر رنگین مصنوعی پتھر لگایا گیا ہے۔ اس کے زاویے پر گول ستون ہے۔ جن کے درمیان لکڑی کی کھڑکیاں (روشن دان) ہیں۔ اس کے اوپر ایک ہشت پہلو گیلری ہے تیسرا حصہ ستون کی شکل کا ہے۔ چوتھا حصہ بھی ستون کی شکل کا ہے۔ اس کا قطر 4.5 میٹر ہے۔ اس پر تین ڈاٹیں ہیں جو سفید پتھر کے ستونوں پر قائم ہیں۔ پانچواں حصہ مخروطی شکل کا ہے اور اس کے اوپر بیضوی شکل کا گنبد ہے جس کے اوپر کانسی کا ہلال ہے جس کی لمبائی 6.7 میٹر ہے اور وزن تقریباً ساڑھے چار من ہے جو تانبے کا ہے۔ اس پر 14 قیراط سونا چڑھایا گیا ہے۔

دیواریں

توسیع عمارت کی دیواریں دہری تعمیر کی گئی ہیں اور درمیان کے خالی حصہ میں ستون لوہے کے سریے رکھے گئے ہیں۔ اندرونی دیوار 30 سینٹی میٹر موٹی ہے جبکہ بیرونی دیوار اوپر سے 30 سینٹی میٹر اور نیچے سے 40 سینٹی میٹر موٹی ہے۔ تمام دیواریں ڈاٹیں اور چھتیں کنکریٹ کی تعمیر کی گئی ہیں۔ اندرونی دیواروں پر رنگین پتھر تین میٹر بلندی تک لگایا گیا ہے اور ان کے اوپر کی جانب قرآنی آیات رقم ہیں۔

زیبائش

دوسری سعودی توسیع کی عمارت میں پہلی سعودی توسیع کے انداز میں سجاوٹ کی گئی ہے۔ اس سجاوٹ اور زیبائش میں دیواروں کے کونوں کی خوبصورتی، فولادی جھروکے جالیاں، کھڑکیاں، لکڑے کی دروازے جن پر تانبا اور پیتل چڑھا ہوا ہے۔ نیز ستونوں کے تاج زیبائشی ہیں جن پر سونا چڑھا ہوا ہے۔

جالیاں اور جھروکے

قدرتی ہوا اور روشنی کا اس تعمیر میں خصوصی خیال رکھا گیا ہے۔ توسیعی عمارت کی بیرونی دیواروں میں فرو کی لکڑی کی جالیاں نصب کی گئی ہیں جن کے بیرونی حصے پر ان کی حفاظت کے لیے کانسی کی کھڑکیاں ہیں۔ ان کے اوپر گول جالیاں ہیں جو مصنوعی پتھر اور رنگین شیشہ کی ہیں۔ ہر جالی کے اوپر کی جانب اندر اور باہر مصنوعی پتھر کی تختی نصب ہے جس پر کلمہ طیبہ رقم کیا گیا ہے۔

صحن کی چھتریاں

دوسری سعودی توسیع میں ترکی عمارت کے شمال میں جو صحن ہے اس میں موسم سرما میں سردی سے اور موسم گرما میں گرمی سے نمازیوں کو محفوظ کرنے کے لیے ان صحنوں میں بارہ عدد مڑی چھتریاں نصب کی گئی ہیں جنھیں لوہے کے ستون اٹھائے ہوئے ہیں۔ انھیں ضرورت کے مطابق کھولا بند کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ چھتریاں کھلی ہوں تو پھول یا فوارہ کی مانند دکھائی دیتی ہیں جبکہ اگر بند ہوں تو چھوٹے مخروطی مینار محسوس ہوتی ہیں۔ ان چھتریوں کے ستونوں میں ایر کنڈیشننگ کے لیے سوراخ رکھے گئے ہیں۔

جنوبی مقصورہ شریف

توسیع دوم میں مینارہ رئیسہ سے مینارہ باب اسلام تک عمارت مجیدیہ کے باہر ایک لمبا ہال تعمیر کیا گیا ہے جو 87.5 میٹر لمبا اور 5 میٹر چوڑا ہے۔ اس کا کل رقبہ 437.5 مربع میٹر ہے۔ اس کے چار دروازے ہیں۔ اس کا ایک دروازہ ترکی عمارت کے قبلہ کی دیوار میں کھلتا ہے اور محراب عثمانی کے دائیں جانب ہے۔ اس جگہ نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے۔

مقام صفہ و اہل صفہ

مہاجر صحابہؓ جب مدینہ منورہ پہنچے تو جن لوگوں سے ان کے سابقہ تعلقات ہوئے وہ ان کے ہاں قیام کرتے تھے۔ جن کا کوئی جاننے والا یا عزیز نہ ہوتا وہ مسجد نبوی میں قیام کرتے تھے تا کہ نبی کریم ﷺ کی صحبت اور زیارت سے مسلسل مستفید ہوں اور دینی تعلیمات حاصل کر سکیں۔ آپ نے ایسے صحابہ کے لیے مسجد کی شمالی جانب ایک چھپر ڈلوا دیا تھا جو مسجد شریف کا اس زمانہ میں آخری حصہ تھا۔ یہ جگہ صفہ کے نام سے مشہور ہو گئی تھی۔ اہل صفہ عام حالات میں 70 کے قریب ہوتے تھے۔ امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ اہل صفہ کی تعداد 600 سے 700 کے قریب تھی تاہم ایک ہی وقت میں اتنے کبھی نہیں ہوئے۔

ریاض الجنۃ

وہاں مابین بیتی منبری کا ہے جو اک ٹکڑا
وہ ہے جنت کا روضہ اس کے ہم اسرار دیکھیں گے

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میرے گھر اور منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر قیامت کے دن حوض کوثر پر ہوگا۔"

علماء نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے ذکر واذکار سے جو سعادت حاصل ہوتی ہے اور نزول رحمت ہوئی وہ ایسے ہی ہے جیسے جنت کے باغیچہ میں ہوں۔ علامہ سمہودی نے لکھا ہے کہ حجرہ شریف کے قبلہ کی طرف منبر سے قبلہ کی جانب 58 ذراع یعنی 26.5 میٹر کا رقبہ ریاض الجنۃ ہے۔ آج کل ریاض الجنۃ کا کچھ حصہ پیتل کی جالیوں کے اندر آ گیا ہے۔ جس کی وجہ سے لمبائی 22 میٹر رہ گئی اور چوڑائی 15 میٹر ہے۔

حجرہ شریف

جب ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی تو دو کمرے یا دو حجرات اپنی دونوں ازدواج مطہرات کے لیے تعمیر کروائے یعنی ام المومنین سیدہ عائشہؓ اور ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ پھر جیسے جیسے آپ ﷺ نکاح فرماتے گئے اپنی ازدواج مطہرات کے لیے مزید حجرے تعمیر کرواتے گئے۔ یہ تمام حجرات مسجد سے ملحق تھے اور ان کی تعمیر میں کچی اینٹیں اور کھجور کی شاخیں استعمال کی گئی تھیں۔ ان تمام حجروں کے دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں داود بن قیس سے روایت کی ہے کہ میں نے حجرات نبویہ کو دیکھا۔ کھجور کی شاخیں استعمال کی گئی تھیں جنھیں باہر سے کمبل سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ ان حجرات کی اونچائی کے بارے میں حضرت حسن بصریؒ بیان فرماتے ہیں کہ میں قریب البلوغ تھا جب میں نے آپ ﷺ کے حجروں کی زیارت کی۔ میرا ہاتھ ان کی چھتوں کو لگ جاتا تھا۔ ہر گھر میں صرف ایک ہی کمرہ تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ازواج مطہرات کے ساتھ ان سادہ سے مکانوں میں اپنی حیات طیبہ گزاری تھی۔ ہم یہاں صرف ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مطہرہ کا ذکر کریں گے کیونکہ وہی دنیا میں واحد مقام ہے جہاں حضور ﷺ آج بھی محو استراحت ہیں۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کی تو حجرہ حضرت عائشہ کے علاوہ تمام حجرے مسجد شریف میں شامل کر دیے۔ حجرہ سیدہ عائشہؓ جہاں وصال شریف کے بعد آپ ﷺ کی تدفین ہوئی۔ بعد ازاں خلیفہ اوّل اور خلیفہ دوم بھی اسی میں مدفون ہوئے۔ روایت ہے کہ آئندہ زمانے میں جب حضرت عیسیٰؑ آسمان سے نزول کے بعد وفات پائیں گے تو اسی حجرے میں دفن کیے جائیں گے۔

حضرت عائشہؓ کی گود میں تین چاند

ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میری گود میں تین چاند آ گرے ہیں۔ میں نے یہ خواب اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سنایا۔ آپ اس وقت تو خاموش ہو گئے مگر جب وصال نبوی ہوا اور انھیں میرے حجرے میں دفن کیا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس خواب کی تعبیر کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا ”تیرے تین چاندوں میں سے ایک یہ ہے اور دوسرے دونوں سے بہتر ہے۔“

وصال وتدفین نبوی ﷺ

امام مالک سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال شریف دوشنبہ کے دن ہوا اور منگل کے دن آپ ﷺ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ ﷺ کی نماز جنازہ ادا کی گئی تو انبیاء کرام کی جنازوں کی طرح کسی نے نماز جنازہ کی امامت نہیں کی بلکہ لوگوں نے اکیلے اکیلے نماز جنازہ ادا کی۔ جب آپ ﷺ کی تدفین کے لیے مشاورت ہوئی تو بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کی تدفین آپ ﷺ کے منبر کے پاس ہو اور بعض نے بقیع غرقد میں دفنانے کو کہا۔ ایسے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے "نبی جس مقام پر وفات پائے اسے اسی مقام پر دفن کیا جائے" اسی لیے آپ ﷺ کی قبر مبارک حجرہ شریف ہی میں کھودی گئی۔ امام مالکؒ نے اپنی موطاء میں لکھا ہے جب آپ ﷺ کو غسل دینے کے لیے آپ کی قمیص شریف اتارنے کا ارادہ ہوا تو لوگوں نے آواز سنی، کوئی کہہ رہا تھا کہ آپ کی قمیص شریف نہ اتاری جائے بلکہ آپ ﷺ کو غسل آپ کے لباس کے ساتھ دیا جائے۔" اس کے بعد آپ کو غسل کپڑوں سمیت دیا گیا۔ حضور کے ایام بیماری میں تمام ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کو حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام کرنے کی اجازت دی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب وقت آخر حضور ﷺ کا قیام میرے ہاں تھا تو آپ میرے سینے اور گود میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔

لحد شریف کی تیاری

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو غسل دینے لگے اور حضرات صحابہ اکٹھے تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دو آدمی بلائے۔ ایک کو کہا کہ وہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بلا لائے۔ وہ مکہ میں سیدھی قبر بناتے تھے اور دوسرے کو کہا کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا لائے۔ وہ مدینہ منورہ میں بغلی لحد بنانے کے ماہر ہیں۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو روانہ کیا تو دعا کی: "یااللہ! تو ان دونوں میں سے اپنے نبی کے لیے پسند فرمالے۔" حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانے والے شخص کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نہ مل سکے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بلانے والے کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مل گئے تو انھوں نے آپ کی قبر بغلی والی تیار کی۔ (موطا امام مالکؒ حدیث نمبر 16:27,23:16) صحیح بخاری شریف کی حدیث نمبر 1889:23 طبقات ابن سعد جلد دوم)

تدفین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت سیدہ عائشہؓ کو وصیت کی تھی کہ انھیں اپنے حجرے میں رسول اکرم ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ اس لیے بعد از وفات جمادی الآخر 13ھ آپ کو وہیں دفن کی گیا۔

رفاقت پر میں تیری قرباں بدر و قبر کے ساتھی
نبی ﷺ کی زباں پر ہیں ترے ایثار کی باتیں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تدفین

26 ذی الحجہ 23ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں نماز فجر کی امامت فرمار ہے تھے کہ ابولولوء فیروز مجوسی نے آپ پر زہر میں بجھے خنجر سے حملہ کر کے آپ کو شدید زخمی کر دیا۔ آپ مصلی پر کھڑے نہ رہ سکے پھر خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور یکم محرم الحرام 24ھ کو حجرہ نبوی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں آپ کی تدفین ہوئی ع

ادھر افضل الخلق و صدیق اکبر
حبیب حبیب خدا اللہ اکبر
ادھر جانِ اسلام فاروق اعظم
نبوتؐ کے راز آشنا اللہ اللہ!

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ تیسرے چاند تھے جو ام المومنین حضرت عائشہؓ کے خواب کی تعبیر کے مطابق آپ کے حجرے میں مدفون ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ ام المومنین حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرو کہ حضرت عمر اپنے ساتھیوں کے قریب دفن ہونے کی آپ سے اجازت چاہتا ہے۔ اسے اجازت مرحمت فرمائیں" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ درخواست سیدہ کی خدمت میں پیش کی تو انھوں نے فرمایا کہ یہ جگہ تو میں نے اپنے لیے پسند کر رکھی تھی لیکن میں ایثار کرتے ہوئے آپ کو اجازت دیتی ہوں۔" اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے کو فرمایا کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے اٹھا کر حجرہ شریف کے دروازے پر لے جانا اور میرا اسلام عرض کر کے پھر کہنا کہ (حضرت) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اجازت کا طالب ہے۔ اگر اجازت دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ بقیع میں مسلمان کے ساتھ میری تدفین کی جائے (البخاری) ع

یہیں فاروق اعظمؓ ہیں رہیں گی جن سے وابستہ
قیامت تک عدالت اور حسن کار کی باتیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق کو بعد از وفات چار پائی پر لٹایا گیا تو صحابہ کرام نے ان کی چار پائی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ سب دعا کر رہے تھے۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔ ابھی جنازہ

اٹھایا نہیں گیا تھا کہ ایک شخص نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رحمت کی دعا کی اور فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ہاں میری حاضری ہو تو میں تمہارے جیسے اعمال لے کر میں بارگاہ الٰہی میں پیش ہوں۔ بخدا مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً آپ کو آپ کے ساتھیوں کے ساتھ ملا دے گا، اس لیے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے اکثر سنا تھا، میں اور ابوبکر و عمر گئے، میں اور ابوبکر و عمرؓ داخل ہوئے (یعنی ہمیشہ سے یہ تینوں نام ساتھ ساتھ تھے)۔

حضرت عائشہ کا پردہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حجرہ شریفہ میں دفن کر دیا گیا تو حضرت عائشہؓ نے اپنے مکان کے بقیہ حصہ میں اور قبروں کے درمیان پردہ قائم کر دیا۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے محرم نہیں تھے لہٰذا ان کی تدفین کے بعد انھوں نے اس پابندی کو قائم کر دیا۔ حضرت مالک بن انس سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد حضرت عائشہؓ نے اپنے حجرہ کے دو حصے کر دیے اور درمیان میں ایک پردہ یا دیوار قائم کر دی۔ ایک حصے میں ان کی رہائش تھی جبکہ دوسرے حصے میں قبریں واقع تھیں۔ جب کبھی وہ قبروں والے حصے میں جاتیں تو چادر لپیٹ لیتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ جب تک میرے اور قبروں کے درمیان دیوار تعمیر نہیں کر دی گئی میں نے چادر نہیں اتاری۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کا یہ اقدام مسلم خواتین کے لیے پردہ کے سخت اہتمام کا واضح پیغام ہے جس کی روشنی میں مسلم خواتین کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔

قبور مبارکہ کی ترتیب

نبی کریم ﷺ اور صاحبین کریمین کی قبور کی کیفیت جو مورخین نے بیان کیے ہیں وہ مختلف ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک بطرف قبلہ مقدم ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قبر شریف ہے۔ اس ترتیب سے کہ ان کا سر مبارک نبی کریم ﷺ کے شانہ مبارک کے برابر ہے۔ ان سے متصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر شریف ہے اور ان کا سر مبارک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شانہ کے برابر ہے۔ علامہ سمہودی نے اور اکثر علماء نے بھی قبور شریف کی اس کیفیت کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ زائر رسول کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں سلام عرض کرے۔ قبر مبارکہ کی دیوار کی طرف منہ ہو قبلہ کی جانب پشت وہ پھر ہاتھ برابر داہنی طرف ہٹ کر حبیب حبیب خدا کو یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام کہے اس لیے کہ ان کا سر مبارکہ نبی کریم ﷺ کے شانہ مبارکہ کے برابر ہے پھر ایک ہاتھ مزید داہنی طرف ہٹ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم ﷺ کے دوسرے زمینی وزیر کی بارگاہ میں سلام کہے کہ آپ مراد نبی ﷺ بھی ہیں۔

قبور شریف کی بیرونی کیفیت

قبور شریفہ کا ذکر ہوا ہے تو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ عہد صحابہ کرام میں ان قبور شریفہ کو نہ تو باہر سے پختہ کیا اور نہ ہی ان پر اینٹیں لگائیں بلکہ جیسے تھیں ویسے ہی رہیں۔ جسے بھی حجرہ شریف کی اندرونی زیارت کا موقع نصیب ہوا اس نے وضاحت کی مثلاً حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ''امی! مجھے نبی اکرم ﷺ اور صاحبین کرام کی قبور شریفہ دکھائیں۔'' تو انھوں نے مجھے تین قبور شریف دکھائیں جو نہ تو اونچی تھیں نہ زمین کے برابر۔ ان پر بطحا کی سرخ رنگ کی مٹی پڑی ہوئی تھی۔ ابن سعد نے بھی حضرت قاسم سے روایت کی ہے کہ میں چھوٹا سا تھا کہ قبور شریف کی زیارت کی۔ ان پر بطحا کی سرخ مٹی پڑی ہوئی تھی۔ ایک اور تابعی حضرت ابو بکر آجری غنیم بن بسطام مدنی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں قبور شریفہ کی زیارت کی تھی۔ وہ زمین سے صرف چار انگشت اونچی تھی۔ مشہور عالم رجاء بن حیوۃ کہتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک اموی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو جو گورنر مدینہ تھے حکم بھجوایا کہ ازواج مطہرات کی مکانات خرید کر مسجد نبوی شامل کر دیے جائیں۔ جب ان حجرات کی دیواریں گرائی گئیں تو قبور مبارکہ ظاہر ہو گئیں۔ ان کے اوپر ریت ڈھل چکی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حجرہ شریفہ

خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز والی مدینہ تھے۔ آپ نماز تہجد باقاعدگی سے مسجد نبوی ﷺ میں روضہ اطہر کے قریب ادا کرتے تھے۔ ایک رات جب آپ نماز تہجد کی ادائیگی کے لیے گھر سے نکلے تو آپ کو محسوس ہوا کہ مدینہ منورہ کی فضا پہلے سے کہیں زیادہ عطر بیز ہے اور ایک ملکوتی خوشبو مدینہ منورہ کی گلیوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ جوں جوں آپ مسجد نبوی کے قریب ہوتے گئے توں توں وہ ملکوتی خوشبو بڑھتی گئی۔ مسجد نبوی پہنچ کر آپ پر مدینہ منورہ کی فضاؤں کے عطر بار ہونے اور اس ملکوتی خوشبو پھیلنے کا راز کھلا۔ آپ نے دیکھا کہ حجرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک دیوار بوسیدگی کی وجہ سے زمین بوس ہو گئی ہے جس کی وجہ سے حجرہ شریف مبارکہ میں موجود ایک لحد مبارک کے کھل جانے کی وجہ سے حجرہ شریف کے تینوں عظیم ہستیوں میں سے کسی ایک کے پاؤں مبارک نظر آنے لگے تھے۔ مدینہ منورہ کی فضائیں انھیں پاؤں مباک سے ابھرنے والی ملکوتی خوشبوں سے معمور تھیں اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں ایک بھینی بھینی سی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو گمان گزرا کہ اس کی گورنری کے زمانے میں خود اس کی غفلت سے سرکار دو عالم ﷺ کے پاؤں مبارک لحد مباک سے ظاہر ہو گئے ہیں جو مدینہ منورہ کی فضائیں اتنی مہکی مہکی ہیں۔ ابھی وہ معمار زندہ تھا جس نے حجرہ شریفہ کی دیواریں تعمیر کی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فوراً اسے طلب کیا۔ آپ کے معلوم کرنے پر اس نے بتایا کہ یہ پاؤں حضرت عمر فاروقؓ کے ہیں جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نانا لگتے تھے۔ معمار نے مزید بتایا کہ چونکہ حضرت عمرؓ بن

خطاب کا قد غیر معمولی طور پر دراز تھا اس لیے آپ کی تدفین کے وقت آپ کے لیے لحد حجرہ شریفہ کی ایک دیوار میں نقب لگا کر بنائی گئی تھی جس کی وجہ سے یہ دیوار کمزور پڑ گئی اور پھر بوسیدگی بڑھ جانے کی وجہ سے یہ زمین بوس ہوگئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کو اس حادثہ کی خبر دی تو خلیفہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ وہ مسجد نبوی کی پرانی عمارت کو گرا کر اسے از سر نو تعمیر کرائیں۔ پھر خلیفہ نے قیصر روم کے پاس ایک خصوصی ایلچی بھیج کر وہاں سے ماہرین تعمیرات کو مدینہ منورہ بھجوایا اور مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کرائی۔ اسی تعمیر و توسیع میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے امہات المومنین کے مکانات کو خرید کر مسجد نبوی میں شامل کر لیا تھا۔

مورخ مدینہ علامہ سمہودی کی وضاحت

878ھ میں پھر حجرہ شریف کی دیواروں کی تجدید کی گئی تو علامہ سمہودی کو بھی شرف زیارت حاصل ہوا۔ انھوں نے زیارت کے بعد جو کیفیت بیان کی اس سے واضح ہوتا ہے کہ قبور شریف نہ تو پختہ تھیں نہ ان پر اینٹیں لگی ہوئی تھیں۔ ان کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ میں جب حجرہ شریف کی عقبی سمت سے اس میں داخل ہوا تو میں نے وہاں ایک ایسی خوشبو کا سامنا کیا جو میں نے ساری عمر کبھی محسوس نہیں کی تھی۔۔ پھر میں نے بارگاہ نبوت و صاحبین کرام کے حضور میں سلام عقیدت پیش کیا۔ سلام عقیدت پیش کرنے کے بعد میں نے قبور مبارکہ کو بغور دیکھا تا کہ مشتاقان دیدار کو قبور مبارکہ کی کیفیت کا تحفہ پیش کر سکوں۔ اس کے بعد علامہ سمہودی لکھتے ہیں کہ قبور مبارکہ کی زمین ہموار تھی البتہ ایک جگہ ابھار سا تھا شائد وہ حضرت عمر بن خطاب کی قبر ہو۔ اس کے بعد ان قبور مبارکہ کی زیارت کی کوئی صورت باقی نہ رہی کیونکہ حسب سابق حجرہ شریف کی دیواریں تعمیر کر کے اسے چاروں طرف سے بند کر دیا گیا۔ آج کل نیٹ پر ایسی تصاویر دکھائی جا رہی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قبور مبارکہ اینٹ پتھر سے تعمیر کی گئی ہیں اور بہت اونچی ہیں۔ ایسی تصاویر کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حجرہ شریف میں چوتھی قبر کی جگہ

احادیث و آثار سے پتہ چلتا ہے حجرہ شریفہ میں ابھی ایک اور قبر کی جگہ باقی ہے جہاں آئندہ زمانے میں حضرت عیسیٰ دفن ہوں گے۔ یاد رہے محققین کے مطابق یہ وہی جگہ ہے جو حضرت عائشہؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو پیش کی تھی جیسا کہ حفص بن عمر بن عبدالرحمٰن کی روایت ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت سیدہ عائشہؓ نے انھیں پیغام بھیجا کہ میں نے آپ کے لیے یہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں رکھی ہوئی ہے۔ آپ اسے لے لیجیے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا: ''یا سیدہؓ! میں نے سنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کی آپ کے حجرے میں تدفین کے بعد سے آپ نے چادر نہیں اتاری اس لیے میں نہیں چاہتا کہ آپ کو مزید تنگی کا سامنا کرنا پڑے اور نہ ہی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو قبرستان بنانا پسند کرتا ہوں نیز میں نے اپنے ایک دوست حضرت

عثمان بن مظعونؓ سے عہد کیا ہے کہ اس کی اور میری قبر اکٹھی بنے گی اور ایک دوسرے کے قریب ہوگی۔ (تاریخ مدینہ، مورخ ابن شبہ)

پھر کسی اور کو ایسی پیش کش نصیب نہ ہوئی جس کی وجہ سے محققین کے مطابق ایک چوتھی قبر کی جگہ ابھی باقی ہے۔ اس کی تائید صحیح بخاری شریف کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ مجھے حجرہ شریفہ میں ان کے ساتھ دفن نہ کرنا بلکہ دوسری ازواج مطہرات نبوی کے ساتھ بقیع غرقد میں دفن کر دینا کیونکہ میں ان سے جدا شان والی بننا نہیں چاہتی۔ امام مالکؒ سے روایت ہے کہ جب سیدہ عائشہؓ کو ان کی وفات سے قبل کہا گیا کہ اگر آپ حکم دیں تو آپ کو حجرہ شریف ہی میں دفن کر دیں۔ آپ نے فرمایا "تب تو میں بدعت کی مرتکب ہو جاؤں گی۔"

تدفین عیسیٰؑ

سیدہ عائشہؓ کی وفات کے بعد حجرہ شریفہ میں وہ جگہ خالی ہوگئی جہاں آپ رہائش پذیر تھیں اور یوں حجرہ شریفہ میں چوتھی قبر کی جگہ بچ گئی۔ ترمذی کی روایت عبداللہ بن سلام سے ہے کہ حضور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت توراۃ میں مذکور ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ان کے ساتھ دفن ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت عیسیٰؑ زمین پر اتریں گے، شادی کریں گے، ان کے ہاں اولاد بھی ہوگی، دنیا میں تقریباً پینتالیس سال گزاریں گے اور فوت ہو کر میرے ساتھ دفن ہوں گے۔ (قیامت کو) میں اور عیسیٰؑ ابوبکر و عمر کے درمیان ایک ہی جگہ سے اٹھیں گے۔ (الحدیث)

تجدید دیوار حجرہ شریفہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی تعمیر و توسیع کے بعد اگلے آٹھ سو سال تک حجرہ شریفہ اسی کیفیت میں رہا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا 881ھ میں بعہد قائتبائی اس کی دیواروں کی تجدید کی گئی۔ اس تجدید کا ذکر علامہ سمہودی نے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حجرہ شریفہ کی دیواروں میں خصوصاً مشرقی دیوار میں کچھ دراڑیں پیدا ہوگئیں اور شمال جانب یہ دیوار جھک گئی تو پہلے تو اس دیوار کی دراڑوں میں چونا بھرا گیا اور بعد ازاں 881ھ میں جب یہ چونا نکالا گیا تو ان سوراخوں سے مرجع حجرہ میں جو مخمس دیوار کے اندر ہے دکھائی دینے لگا۔ شعبان 881ھ میں بیرونی دیواروں کو منہدم کر کے دیکھا گیا تو اندرونی دیواروں میں بھی دراڑیں دکھائی دیں تو انھیں بھی منہدم کر دیا گیا تو حجرہ شریفہ کا اندرونی حصہ ظاہر ہوگیا۔ علامہ سمہودی کہتے ہیں کہ مجھے اس زمانے میں حجرہ شریفہ کی اندرونی کیفیت کی زیارت کرنے کا موقع نصیب ہوا۔ پھر 7 شوال 881ھ کو حجرہ شریفہ کی دیواروں کی تعمیر مکمل ہوگئی۔ سمہودی لکھتے ہیں کہ حجرہ شریفہ کی اندرونی عمارت کو میں نے پتھروں سے بنی ہوئی ایک

چوگوشہ عمارت پایا اور کعبہ شریفہ کے پتھروں کی طرح ان پتھروں کا رنگ بھی سیاہ تھا۔ صاحب ذوق پر وہاں ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور کشش محبت بھی۔ حجرہ شریفہ کا کوئی دروازہ نہ تھا اور نہ ہی دروازے کی کوئی جگہ رکھی گئی تھی۔ (وفا الوفا)

پنج گوشہ دیوار

یہ دیوار 91ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حجرہ شریفہ کے گرد تعمیر کرائی تھی۔ اس کے اندر وہ کمرہ مربع شکل میں موجود ہے جس میں نبی اکرم ﷺ اور صاحبین رضی اللہ عنہما آرام فرما رہے ہیں۔ چونکہ بیرونی کمرہ پانچ دیواروں پر مشتمل ہے اس لیے اسے حائز مخمس (پنج گوشہ کمرہ) کہا جاتا ہے جس کی دیواریں قریباً ساڑھے چھ میٹر بلند ہیں۔ اس کا بھی کوئی دروازہ نہیں ہے تا کہ حجرہ شریفہ کے اندر کوئی داخل نہ ہو سکے اور نہ اندر جھانک سکے۔ آج کل اس پنج گوشہ کمرہ کو ہی حجرہ شریفہ کہا جاتا ہے اور اسی پر غلاف چڑھا ہوا ہے۔ علامہ سمہودی لکھتے ہیں کہ اس کمرہ کو پنج گوشہ اس لیے بنایا گیا کہ مربع شکل میں یہ کہیں کعبہ شریف سے مشابہ نہ ہو جائے اور لوگ اسے سجدہ نہ کرنے لگیں۔ ابن حجر ہیتمی کہتے ہیں کہ مسجد شریف کی توسیع کرتے ہوئے حجرہ شریف کی شمالی جانب منہ کرتے ہوئے قبر شریف کی جہت نہ اختیار کر لیں۔ قبلہ کی طرف بیرونی دیوار کی لمبائی ساڑھے آٹھ میٹر ہے۔ مغربی دیوار قبلہ کی طرف مقام جبرائیل تک آٹھ میٹر ہے۔ یہاں سے یعنی مقام جبرائیل سے شمالی زاویے تک چھ میٹر لمبی دیوار ہے۔

علامہ برزنجی اور زیارت

1296ھ میں قبہ کی ایک جالی دار کھڑکی حجرہ شریفہ کے اندر گر گئی جس کی کیفیت کا جائزہ لینے کے لیے شیخ الحرم اپنے ساتھیوں سمیت جن میں علامہ برزنجی بھی شامل تھے مسجد کی چھت پر گئے تا کہ معلوم کیا جا سکے کہ کیا کیفیت ہے۔ علامہ برزنجی لکھتے ہیں اس وقت مجھے حجرہ شریفہ اور اس پر چھوٹے قبہ کو دیکھنے کا موقع نصیب ہوا۔ اوپر کی کھڑکی سے دیکھا تو حجرہ شریفہ اور اس پر چھوٹے قبہ کے اندرونی حصہ میں ایک پردہ پڑا ہوا تھا جس کی وجہ سے مرجع حجرہ شریف کے اندر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

مقصورہ شریفہ

اس لوہے و پیتل کی جالی لگے ہوئے اس مقام کو مقصورہ شریفہ کہا جاتا ہے جو پنج گوشہ کمرہ کے اردگرد ہے۔ اس جالی دار دیوار کی جنوب سے شمال تک لمبائی سولہ میٹر ہے اور مشرق سے مغرب تک پندرہ میٹر ہے۔ حجرہ شریفہ کے گرد یہ جالی سب سے پہلے سلطان رکن الدین بیبرس نے 668ھ میں بنوائی تھی وہ اولیں جالی چوبی تھی۔ اس کی بلندی دو آدمیوں کے قد کے برابر تھی۔ بعد میں شاہ زین الدین کتبغا نے 694ھ میں اس کے اوپر مزید جالی بڑھا دی جو چھت کے ساتھ جا لگی۔

دوسری آتش زدگی مسجد نبوی شریف میں جب یہ مقصورہ شریف بھی نذر آتش ہو گیا تو سلطان قائتبائی نے لوہے اور پیتل کی جالیاں تیار کر کے 888ھ میں مدینہ منورہ بھجوائیں جن کا وزن سترہ ہزار آٹھ سو کلوگرام تھا۔ ستر اونٹ ان جالیوں کو لے کر مدینہ منورہ لائے تھے۔ پیتل کی جالیاں سبز رنگ سے رنگی ہوئی تھیں۔ ہر جالی کے اوپر پیتل کی باریک جالی نصب کر دی گئی تھی تا کہ کبوتر ان جالیوں سے اندر داخل نہ ہوں۔ لوہے کی ایک جالی اندرونی مقصورہ شریفہ پر بھی نصب کر دی گئی جو کہ سیدہ عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے حجروں کے درمیان حد فاصل بن گئی۔ اس طرح حجرہ شریفہ سے متصل ایک علیحدہ جگہ مستقل طور پر وجود میں آ گئی جو جنوب شمال کی طرف چودہ میٹر لمبی اور شرقاً غرباً سات میٹر چوڑی ہے۔ پنج گوشہ کمرے کی مثلث کے دائیں بائیں دو دروازے بھی رکھے گئے ہیں۔ یہ مقصورہ شریفہ اپنی پرانی بنیادوں پر سلطان قائتبائی کے زمانہ کے پانسو سال گزرنے کے بعد آج بھی موجود ہے جیسا کہ مقصورہ شریفہ کے مغربی دروازے پر لکھا ہوا ہے "یہ مقصورہ شریفہ سلطان قائتبائی نے 888ھ میں بنوایا" بعد کے زمانے میں لوگ اس مقصورہ شریفہ کو ہی حجرہ شریفہ اور اس کے دروازوں کو حجرہ شریفہ کے دروازے کہنے لگے۔ مقصورہ شریفہ میں جو فانوس آویزاں ہے انھیں بھی حجرہ شریفہ کے فانوس کہا جانے لگا۔ اسی مقصورہ شریفہ کا قبلہ کی جانب کے حصے کو مواجہہ شریف کہتے ہیں اور اسی کے سامنے کھڑے ہو کر زائر مودبانہ طور پر صلواۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ سولھویں صدی میں سلطان سلیمان خان عثمانی نے 926ھ اور 948ھ کے درمیان اس حجرہ شریفہ کی تعمیر ومرمت کرواتے ہوئے سنگ مرمر استعمال کیا تھا۔ شاہ عبدالعزیز آل سعود نے بھی اس کی ضروری مرمت کروائی تھی اور ایک ہی رات میں از سر نو اسے روغن کروایا تھا۔

مقصورہ شریفہ کے دروازے

مقصورہ شریفہ کے چار دروازے ہیں۔ ایک قبلہ کی دیوار میں جسے باب التوبہ کہتے ہیں اور اس پر چاندی کی ایک تختی لگی ہوئی ہے جس پر اس کے تعمیر کیے جانے کی تاریخ 1026ھ لکھی ہوئی ہے اور یہ سلطان احمد اول عثمانی کی طرف سے ہدیہ آیا تھا۔ دوسرا دروازہ مغرب میں ہے جسے باب الوفود کہتے ہیں اس لیے کہ وہ اسطوانہ الوفود سے متصل ہے۔ تیسرا دروازہ مشرق میں ہے اسے باب فاطمہ کہتے ہیں اس لیے کہ وہ حضرت فاطمہ کے گھر کے قریب ہے۔ یہ تینوں دروازے 668ھ سے اب تک موجود چلے آ رہے ہیں۔ چوتھا دروازہ جو باب التہجد کہلاتا ہے وہ مصلی تہجد کے قریب واقع ہے۔ یہ شمالی دروازہ ہے جو 729ھ میں بنایا گیا تھا۔ مشرقی دروازے کے علاوہ باقی تینوں دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں۔ مشرقی دروازہ اس وقت کھولا جاتا ہے جو کوئی خاص شاہی مہمان آیا ہو یا سرکاری وفود کی حاضری ہو۔ یہ لوگ اگرچہ مقصورہ شریفہ میں داخل تو ہو جاتے ہیں لیکن پنج گوشہ کمرے کی دیوار سے آگے نہیں جا سکتے جو حجرہ سیدہ عائشہؓ کے گرد ہے کیونکہ اندر جانے کے لیے کوئی دروازہ نہیں ہے۔ مخمس دیوار پر جو پردہ لٹکا ہوا ہے اس کے اندر کی خبر تو اغوات کو بھی نہیں ہے جو خدام خاص

ہیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ پنج گوشہ کمرہ کا کوئی دروازہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی روشن دان یا کوئی کھڑکی ہے ماسوائے ایک سوراخ کے جو حجرہ شریف کے اوپر والے حصہ میں رکھا گیا ہے۔

گنبد خضریٰ

نمودِ گنبد خضریٰ پہ مدوجزر پنہانی
عجب کیفیتیں دل کی عجب آنکھوں میں نظارے

حجرہ شریفہ پر دو گنبد تعمیر کیے گئے ہیں۔ ایک تو بڑا گنبد شریف جس کا رنگ سبز ہے اور جسے گنبد خضریٰ کہا جاتا ہے۔ یہ مسجد شریف کی چھت پر واضح ہے۔ اس گنبد شریف کو سب سے پہلے سلطان منصور قلادون صالی نے ساتویں صدی ہجری کے آخر میں تعمیر کرایا تھا۔ 886ھ کی آتش زدگی کے بعد اسے سطان قائتبائی نے تعمیر کرایا پھر 1233ھ میں سلطان محمود عثمانی نے اسے تعمیر کرایا گویا گنبد خضریٰ شریف کی موجودہ تعمیر کو تقریباً دو سو سال ہونے والے ہیں۔اس بڑے گنبد شریف کے علاوہ ایک چھوٹا گنبد اور ہے جو حجرہ نبویہ کے عین اوپر تعمیر کیا گیا ہے اور وہ مسجد کی چھت کے نیچے ہے۔اسے حجرہ شریفہ کی لکڑی کی چھت کی بجائے سلطان قائتبائی نے تعمیر کروایا تھا۔یہ تقریباً نویں صدی ہجری کے آخر میں تعمیر کیا گیا تھا۔

گنبد (قبہ شریف)

پہلی چھ سے زائد صدیوں میں حجرہ شریفہ پر کوئی گنبد نہیں تھا صرف اینٹوں سے حجرہ شریفہ کی نشاندہی کی گئی تھی جو حجرہ شریفہ کو مسجد شریف کی باقی چھت سے علیحدہ کرتی تھی۔ 678ھ میں سلطان منصور قلادون نے حجرہ شریفہ پر گنبد تعمیر کرنے کا حکم دیا تو ان ستونوں پر جو حجرہ شریفہ کے گرد ہیں لکڑی کا گنبد بنایا گیا جو نیچے سے مربع اور اوپر سے مثمن (ہشت پہلو) تھا۔اس کے اوپر لکڑی کی تختیاں لگا کر سیسہ کی چادریں لگا دی گئیں تا کہ حجرہ شریفہ بارش سے محفوظ رہے۔یہ گنبد مسجد کی چھت کے اوپر تھا پھر سلطان ناصر حسن قلادون کے عہد میں اس گنبد کی تجدید کی گئی جب اس کی تختیاں بوسیدہ ہوئیں تو سلطان اشرف شعبان نے 765ھ میں اس کی تجدید کرائی۔

عہد قائتبائی

سلطان قائتبائی کے عہد میں 886ھ میں مسجد شریفہ میں دوسری بڑی آتش زدگی کا واقعہ پیش آیا جس میں حجرہ شریفہ کا قبہ جو لکڑی کا بنا ہوا تھا وہ جل گیا۔اب یہ رائے قرار پائی کہ گنبد بہت بلند بنایا جائے اور لکڑی کی بجائے اینٹوں سے اس کی تعمیر کی جائے۔سلطان قائتبائی کی تجدید و تعمیر کے دوران ہی مسجد شریفہ میں بڑے بڑے ستون اور بڑی بڑی ڈاٹیں تعمیر کی گئیں۔حجرہ شریفہ کی مثلث کے دائیں بائیں دو نئے ستون تعمیر کیے گئے۔جب یہ گنبد تعمیر ہو گیا تو اوپر کے حصہ میں

دراڑیں آ گئیں جو مرمت کے قابل نہیں تھیں۔ اسکے بعد سلطان قائتبائی نے مشہور انجینئر شحاعی شاہین جمالی کے ذمہ اس گنبد کی تعمیر لگا دی۔ ماہرین تعمیرات کی مشاورت سے گنبد کے اوپر کے حصوں کو ختم کر کے از سرِنو تعمیر کیا گیا اور اسکی تعمیر میں سفید چپس استعمال کیا گیا جو مصر سے درآمد کیا گیا تھا۔ 892ھ میں یہ دوسری تعمیر مکمل ہوئی۔

عہد سلطان محمود عثمانی میں

مورخ علامہ برزنجی نے لکھا ہے کہ تیرھوی صدی ہجری میں گنبد شریف کے اوپر والے حصوں میں پھر دراڑیں آ گئیں۔ یہ زمانہ سلطان محمود بن عبدالحمید خان عثمانی کی حکومت کا تھا۔ اس نے گنبد کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس مرتبہ انتہائی مضبوط اور پختہ تعمیر کی گئی۔ پرانے گنبد کے انہدام اور نئے گنبد کی تعمیر میں انتہائی ادب واحترام سے کام لیا گیا۔ حجرہ شریفہ کے چھوٹے گنبد کے اوپر لکڑی ے تختے لگائے گئے تاکہ انہدام وتعمیر کے دوران کوئی چیز حجرہ شریفہ میں نہ گرے اور نہ اس تعمیر سے نیچے والا گنبد کسی طرح متاثر ہو۔ کام بھی اس انداز سے کیا گیا کہ بارگاہ نبوت ﷺ میں کسی قسم کا شور یا آواز پیدا نہ ہو۔ اس تعمیر میں اہل مدینہ کی اکثریت نے رضا کارانہ طور پر بھی خدمات انجام دیں۔ جب عمدہ طریق پر یہ گنبد تعمیر ہو گیا تو سلطان نے بہت سی انعامی رقم اہل مدینہ میں تقسیم کرائی۔

گنبد کا سبز رنگ

نگاہ میں جب ہو سبز گنبد، لبوں پہ صلی علی محمد
جو سامنے ہوں حرم کے طائر ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا

678ھ سے 1253ھ تک گنبد کا رنگ گہرے سلیٹی رنگ کا تھا جو ان تختیوں کا اصل رنگ تھا جو سیسہ کی تھیں اور گنبد کے اوپری حصے میں لگائی گئی تھیں۔ اسی وجہ سے اس دور کی تاریخی کتب میں گنبد شریف کو القبہ البیضاء، القبہ الزرقا اور القبہ الفیحا کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ 1253ھ میں سلطان محمود عثمانی کے حکم پر گنبد شریف پر سبز رنگ کیا گیا اور اب اسے القبہ الخضریٰ کہا جانے لگا۔ موسمی تغیرات سے اگر رنگ پھیکا پڑتا ہے تو نیا رنگ کر دیا جاتا ہے۔ 1265ھ کی تعمیر میں ترکوں نے حجرہ شریف کے گنبد اور ستونوں کو تبدیل نہ کیا۔

گنبد شریف کی ایک کھڑکی کا سقوط

تیرھویں صدی ہجری کے آخریں گنبد خضریٰ کی ایک کھڑکی گر گئی تھی۔ مورخ برزنجی لکھتے ہیں کہ ماہ شعبان 1296ھ میں ایک زبردست آندھی آئی جس میں ہوا کی شدت کی وجہ سے گنبد خضریٰ کی کھڑکیوں میں سے ایک کھڑکی جو مشرق میں لگی ہوئی تھی اندر گر گئی۔ شیخ الحرم کے ساتھ خود مورخ بھی مشاہدہ کرنے والوں میں شامل تھا۔ اس نے جب گنبد خضریٰ کو قریب سے دیکھا۔ اس میں بڑے حسین نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ علامہ برزنجی لکھتے ہیں کہ کھڑکی میں سے میں

نے دیکھا کہ جلی قلم سے کچھ لکھا ہوا تھا اس میں سے میں صرف اتنا پڑھ سکا: انشاھذا القبہ الشریفہ العالیہ المعترف بالتقصیر الراجی عفور بہ القدیر قائتبائی۔'' علامہ نے لکھا ہے کہ میں نے بڑے گنبد کی کھڑکیاں اور روشندان شمار کیے تو وہ تعداد میں چھہتر تھے۔ان روشندانوں وغیرہ میں جو خرابی محسوس کی گئی اس سے سلطان عبدالحمید کو مطلع کیا گیا جس کے بعد سلطان کی طرف سے 1297ھ میں تعمیر ومرمت کا حکم جاری کر دیا گیا۔

گنبد حجرہ شریف (اندرونی گنبد)

881ھ میں سلطان اشرف قائتبائی نے مسجد نبوی شریف اور حجرہ شریف کی تعمیر و مرمت کرائی تھی۔اس تجدید کے دوران حجرہ شریفہ کی لکڑی کی چھت کی جگہ ایک چھوٹا سا نفیس قبہ بنانے کا حکم دیا تھا۔ماہرین تعمیرات نے لکڑی کے چھت کو ختم کر کے حجرہ شریف کے گرد ڈاٹیں تعمیر کر دیں اور گنبد بنا دیا جس میں منقش پتھر استعمال کیا گیا تھا اور اس کے اوپر سفید سنگ مرمر لگایا گیا اور پیتل کا ہلال نصب کیا گیا۔شوال 881ھ میں یہ تعمیر مکمل ہوئی تھی۔

دونوں قبوں کے درمیان ایک چھوٹا سا سوراخ

نیچے والے گنبد کے اوپر ایک ایسا سوراخ رکھ گیا ہے جس سے قبور شریف اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں رہتی۔اس پر ایک باریک جالی لگائی گئی ہے تا کہ کبوتر یا کوئی اور پرندہ اس میں داخل نہ ہو سکے اور بالکل اسی طرح اس کے عین اوپر گنبد خضریٰ میں بھی سوراخ رکھا گیا ہے۔جب بھی سورج اس کے اوپر آتا ہے تو ایک لمحہ کے لیے ان متوازن سوراخوں سے قبور مبارکہ پر اس کی روشنی پہنچتی ہے اور جب بھی بارش ہو تو انہی سوراخوں کے راستے سے قبر مبارکہ پر بارش کے قطرے بھی گرتے ہیں۔علاہ برزنجی نے اس سوراخ کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا تھا کہ یہ سوراخ گنبد خضریٰ کے اوپر قبلہ کی جانب ہے جسے اس سوراخ کے بالمقابل بنایا گیا ہے جو اندرونی گنبد میں واقع ہے۔(وفاالوفا)(نزھت الناظرین)

اہم تنبیہ

پہلی صدی ہجری 87ھ تک مسجد نبوی شریف کی مشرقی جانب حجرات شریفہ موجود تھے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز نے 87ھ میں مسجد کی تجدید و توسیع کی تو ان حجرات کو منہدم کر کے مسجد میں شامل کر دیا۔البتہ حجرہ حضرت عائشہ کو جوں کا توں رہنے دیا جس میں قبور شریفہ واقع تھیں۔حجرہ شریفہ کی اصل دیوار وں کی مرمت کروائی۔اب یہ حجرہ نو تعمیر شدہ مسجد شریف کے اندرونی حصہ میں آ گیا تھا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس کمال بصیرت کو سلام جس سے کام لے کر انھوں نے دو اہم کام کیے۔ایک تو حجرہ شریفہ کے ارد گرد پنج گوشہ دیوار تعمیر کی تا کہ حجرہ شریفہ کی شمالی جانب نماز ادا کرنے والوں کا رخ براہ راست اور سیدھا حجرہ شریفہ کی طرف نہ ہو۔نیز حجرہ شریفہ کے چوکور ہونے کی وجہ سے اس کی مشابہت کعبۃ اللہ

سے نہ ہو جائے۔ دوسرا اہم کام یہ کیا کہ مسجد کی چھت کا جو حصہ حجرہ شریف کے اوپر تھا اسے عام چھت کی سطح سے نمایاں اور بلند کر دیا تا کہ چھت پر جانے والے کسی شخص کا حجرہ شریفہ کی چھت پر سے گزر نہ ہو اور ادب کا تقاضا پورا ہو سکے۔

اگلے ساڑھے چھ سو سال تک حجرہ شریف کی چھت کی کیفیت یہی رہی۔ 668ھ میں سلطان بیبرس نے حجرہ کے گرد کچھ فاصلہ چھوڑ کر لکڑی کی جالیوں سے پہلی مرتبہ مقصورہ شریف تعمیر کرایا۔ پھر 888ھ میں سلطان قائتبائی نے دوسری بڑی آتش زدگی کے بعد لکڑی کی جالیوں کی جگہ پر پیتل اور لوہے کی جالیاں نصب کر دیں جو آج تک موجود ہیں۔ 678ء میں سلطان قلاؤون نے حجرہ شریف کی چھت کو نمایاں کرنے کے لیے اس کے اوپر پہلی مرتبہ گنبد تعمیر کرایا تھا۔

سرکار ﷺ کی مسجد دیکھ آئے ہم گنبد خضریٰ دیکھ آئے
صد شکر کہ اپنی آنکھوں سے ہم خلدِ مدینہ دیکھ آئے

چالیس نمازوں کی ادائیگی

واضح رہے کہ مسجد نبوی میں چالیس نمازوں کی ادائیگی اگر چہ حج وعمرہ کا کوئی رکن نہیں ہے مگر احادیث شریفہ میں مسجد نبوی میں نمازوں کی ادائیگی کی فضیلت کی وجہ سے زائر مسجد نبوی شریف میں چالیس نمازوں کی ادائیگی کی کوشش کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ زیارت مسجد کے آداب میں بھی شامل نہیں کیونکہ زیارت تو صرف دو رکعت تحیۃ المسجد کے بعد بارگاہ نبوی ﷺ اور صاحبین کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے اور عالم اسلام کے لیے دعا کرنے کو کہتے ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ جو زیارت کی غرض سے مسجد نبوی میں حاضر ہو وہ دو رکعت نماز ادا کر کے بارگاہ نبوی اور صاحبین کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں ادا کرے اور اس کی کوئی نماز نہ چھوٹے اس کے لیے آگ سے برأت ہے۔ اس حدیث کے راوی صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں ادا کی جانے والی چالیس نمازوں کا ثواب دوسری مسجد میں ادا کی جانے والی چالیس ہزار نمازوں کے برابر ہے جب کہ باجماعت ادا کرنے سے یہ ثواب پچیس گنا بڑھ جاتا ہے اور یوں یہ نمازیں پانچ سو سال میں ادا کی جانی والی نمازوں کے برابر ہے۔

مدینہ منورہ کی تاریخی مساجد

مسجد قبا

قرآن مجید کی سورہ توبہ کی آیت نمبر 109 میں ارشاد الٰہی ہے:

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

البتہ جس مسجد کی بنیاد (اول دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے (مراد مسجد قبا) وہ واقعی اس لائق ہے کہ تم اس میں (نماز کے لیے کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

بخاری شریف میں اور نسائی شریف میں دو معتبر راویوں سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتے کے دن پا پیادہ یا سوار ہو کر مسجد قبا میں تشریف لے جاتے تھے۔ ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد قبا میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب عمرے کے برابر ہے۔ (ترمذی شریف)

مسجد قبا کی تعمیر

رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد جب موضع قبا میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے کئی دن تک وہاں قیام فرمایا اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عوف کے ہاں ٹھہرے۔ اپنی مدینہ تشریف سے پہلے آپ ﷺ نے اسلام کی پہلی مسجد یعنی مسجد قبا کی تعمیر فرمائی۔ اس مسجد کی تعمیر میں بھی آپ ﷺ نے بنفس نفیس حصہ لیا اور آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ اینٹیں پتھر اور چٹانیں ڈھوتے رہے۔ الطبرانی نے شموس بنت نعمان سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد کی تعمیر میں حصہ لیتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ اپنی پشت مبارک پر پتھر، اینٹیں اور چٹانیں رکھ کر لے جاتے تھے یہاں تک کہ پشت مبارک

جھک جاتی تھی۔ اس تعمیر کے دوران میں آنحضرت ﷺ کے لباس اطہر پر اور جسم مبارک پر گرد دیکھی۔ جب اصحاب میں سے کوئی آپ ﷺ کی پشت مبارک سے وزن ہٹانے کی کوشش کرتا تو آپ ﷺ منع فرماتے تھے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کا قبلہ القدس تھا اس لیے مسجد قبا میں القدس کے رخ پر حضور ﷺ نے نمازیں پڑھائیں۔

توسیع اور تجدید

مسجد قبا کی پہلی توسیع و تجدید حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت میں کرائی اور اس کے رقبے کو وسیع کر دیا تھا۔ اس توسیع کے بعد دوسری توسیع حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی گورنری مدینہ کے دوران ولید بن عبدالملک کے زمانہ حکومت کے دوران کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سب سے پہلے اس مسجد کے مینارے اور چھجے تعمیر کرائے تھے اور انھیں نقش و نگار سے آراستہ کیا تھا۔

مسجد قبا کی دوسری تجدید و تعمیر 435ھ/1045ء میں ابویعلیٰ حسنی نے کرائی تھی۔ اس کے بعد مسجد قبا کی تعمیر و تجدید کرانے والوں میں سلطان نورالدین زنگی کے وزیر جمال الدین الاصفہانی کا نام آتا ہے۔ اس نے 555ھ/1162ء میں تعمیر و تجدید کرائی تھی۔

ان کے بعد سلطان الناصر ابن قلادون، سلطان مصر نے 733ھ/1335ء میں مسجد قبا کی تعمیر و تجدید کرائی۔ مصر کے ایک اور سلطان اشرف برسبائی نے بھی 840ھ/1439ء میں مسجد شریف کی چھت کو از سر نو تعمیر کرایا تھا۔ اس کے علاوہ عثمانی سلطان بایزید نے بھی (886ھ/ 918ھ) اس مسجد کی تعمیر کرائی تھی۔

موجودہ زمانہ میں 1406ھ/1985ء میں شاہ فہد بن عبدالعزیز نے مسجد قبا کی تعمیر نو اور توسیع کا حکم دیا۔ یہ تعمیر 1407ھ/1986ء میں مکمل ہوئی اور جدید توسیع شدہ مسجد کا افتتاح شاہ فہد کے ہاتھ سے عمل میں آیا۔ اس توسیع کے بعد اب مسجد قبا کا کل رقبہ 6100 مربع میٹر ہو گیا ہے۔ مسجد کے سامنے کا رقبہ صرف 1225 کا کھلا میدان بھی ہے۔ یاد رہے کہ پہلے مسجد قبا کا کل رقبہ صرف 1225 مربع میٹر تھا۔ ابتدائی مسجد کا صرف ایک مینار تھا۔ اب اس میں چار میناروں کے علاوہ 6 گنبدوں کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ 877ھ/1475ء میں مسجد قبا کا مینار منہدم ہو گیا تھا تو اس کے چار سال بعد سلطان قائتبائی نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ قریب زمانے میں مسجد قبا کی تعمیر 1844 میں سلطان محمود خان عثمانی نے بھی تعمیر کرائی تھی۔ یہ مسجد مدینہ منورہ سے تین کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور فی زمانہ مدینہ منورہ میں شامل ہو گئی ہے۔

مسجد الجمعہ

ایک دن رسول اللہ ﷺ موضع قبا سے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے کہ نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ اس وقت آپ ﷺ بنی سلم بن عوف کے مکانات کے قریب تھے۔ آپ ﷺ نے نماز جمعہ وادی رانونا کے دامن میں ادا فرمائی۔ بعد

ازاں اس مقام پر ایک مسجد تعمیر کردی گیی جو مسجد جمعہ کہلائی۔ مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں ادا کی جانے والی یہ پہلی نماز جمعہ تھی۔

مسجد جمعہ کی عمارت

اس مسجد کی عمارت نصف کے قریب پتھروں سے تعمیر کی گئی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر جو بیسویں صدی تک موجود تھی وہ سلطان بایزید عثانی نے نویں صدی میں کرائی تھی۔ موجودہ تعمیر ایک سعودی تاجر حسن الشربتلی نے کرائی تھی جس نے مسجد کے جنوب میں ایک باغ خریدا تھا۔ اس نے مسجد کو سنگ مرمر سے تعمیر کرایا تھا۔ اب مسجد جمعہ کا طول 8 میٹر اور عرض 4.5 میٹر ہے اور بلندی 2 میٹر سے کچھ زائد ہے۔ یہ مسجد وادی رانونا کے دامن میں کھجوروں کے ایک باغیچے اندر واقع ہے۔ وادی رانونا مسجد قبا سے نصف کلومیٹر کے فاصلے پر شمال میں واقع ہے۔

مسجد القبلتین

سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ہم آپ کے چہرے کا (یوں) بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کردیں گے جس کے لیے آپ کی مرضی ہے۔ پھر اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ شریف) کی طرف کیا کرو اور تم سب لوگ جہاں کہیں موجود ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر 144 القرآن)

یحیٰی بن محمد الاخنس کے بقول رسول اللہ ﷺ بنی سلمہ کے ام بشر علاقے میں تشریف لے جارہے تھے کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ آپ ﷺ نے حسب معمول مسجد الاقصیٰ کی طرف رخ کر کے نماز کی امامت شروع فرمائی۔ ابھی آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی تھی کہ کعبہ شریف کی سمت قبلہ بدلنے کا حکم نازل ہوا۔ اس حکم ربانی کی تعمیل میں آپ ﷺ نے دوران نماز ہی اپنا رخ مبارک کعبہ کی طرف کرلیا جو مسجد اقصیٰ کے بالکل برعکس سمت میں تھا۔ تحویل قبلہ کے اس واقعہ کے بعد اس مسجد کو مسجد قبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔

مسجد قبلتین کا مقام وقوع

یہ مسجد مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں بنی سلمہ کے مکانات کی سطح زمین پر تعمیر کی گئی۔ اس کے اطراف و جوانب میں وادی العقیق کے باغات ہیں جو جانب غرب دور تک چلے گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ مسجد پتھروں

،لکڑی کے لٹھوں اور کھجور کی شاخوں و پتوں سے تعمیر کی گئی تھی۔ مورخین کے مطابق 983ھ/1491ء میں شاہین جمالی نے اس مسجد کی تعمیر و تجدید کا کام کرایا اور اس کی چھت نئی تعمیر کرائی۔ پھر -95ھ/1546ء میں سلطان سلیمان عثمانی نے اس کی تجدید کرائی۔

سعودی حکومت کے قیام کے بعد ملک عبدالعزیز نے اس مسجد شریف کو از سرِ نو تعمیر کرایا اور اس کے مینارے بھی بنوائے۔ مسجد کا طول نو میٹر اور عرض وارتفاع 4.5 میٹر ہے۔ مسجد کے جنوبی حصے میں ایک محراب بھی بنی ہوئی ہے جو غالباً اس جگہ ہے جہاں دورانِ نماز آنحضرت ﷺ پر تبدیلی قبلہ کا حکم نازل ہوا تھا۔ اس کا رخ مسجد الاقصیٰ کی سمت میں ہے۔ تحویل قبلہ کی وحی کے نزول کے بعد مکہ مکرم کی سمت میں دوسری محراب بنی ہوئی ہے۔

مسجد الفتح

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد میں پیر، منگل اور بدھ تین دن تک احزاب کی فوجوں کی شکست کے لیے دعا فرمائی تھی۔ تیسرے دن یعنی بدھ کے دن اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ اس دن کے بعد جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی تو وہ مسجد میں حاضر ہو کر دعا میں مشغول ہو جاتے اور اجابت دعا کو محسوس کرتے تھے۔

مسجد الفتح، جبل سلع کے شمال مغرب کی جانب واقع ہے اور وادی بطحان (موجودہ وادی ابی جیدہ) یہاں سے صاف نظر آتی ہے۔ یہ غزوہ خندق میں کھودی جانے والی خندق کے جنوب میں مغربی حصہ کی جانب واقع ہے۔ اس مسجد کے دو نام ہیں۔ اسے مسجد الاحزاب اور مسجد الاعلیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ مسجد القبلتین کے جنوب میں کئی دیگر مساجد بھی بنی ہوئی ہیں اور ان سب کو مساجد الفتح کہا جاتا ہے۔

مسجد الفتح کی تعمیر

یہ مسجد بھی عہد نبوی کی دیگر مساجد کی طرح اینٹ، پتھروں، لکڑی کے لٹھوں اور کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی۔ اموی عہد حکومت میں 93ھ/713ء میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس مسجد کی اصلاح و تجدید کی۔ پھر سلطان مصر بن ابی الھیجا نے 575ھ/1182ء میں اسے از سرِ نو تعمیر کرایا تھا۔ سعودی حکومت نے بھی اس کی تعمیر و تجدید کرائی اور اس مسجد میں ایک پختہ زینہ بھی تعمیر کرایا۔

مصلی نبی ﷺ

کئی مورخین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ مسجد الفتح میں رسول اللہ ﷺ کا مصلی شریف اور مقام دعا ٹھیک اس

مقام پر ہے جہاں بتایا جاتا ہے۔۔جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ مسجد الفتح کے جانب جنوب چار مساجد بنی ہوئی ہیں۔ یہ مسجد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور مسجد حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے ناموں سے معروف ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ غزوہ خندق کے زمانے میں عرب قبائل نے ایک خیمہ اس علاقے میں نصب کیا تھا جس کے احاطے میں یہ چاروں مساجد واقع ہیں۔غزوہ خندق پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں مساجد میں نمازیں ادا کی تھیں۔

مسجد سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

یہ مسجد الفتح کے بالکل جنوب میں واقع ہے۔

مسجد علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب

یہ مسجد، مسجد حضرت سلمان فارسیؓ کے بعد جانب جنوب واقع ہے۔

مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

یہ مسجد، مسجد حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے مشرق میں واقع ہے۔

مسجد غیر معنون

یہ مسجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جنوب مشرقی سمت میں واقع ہے۔ یہ چاروں مساجد اور مسجد الفتح سمیت جبل سلع کے جانب غرب واقع ہیں جہاں سے وادی بطحان نظر آتی ہے۔

ایک مرتبہ مسجد حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب منہدم ہو گئی تھی تو اسے زین الدین ضیغم ابن حشرم المعصوری امیر مدینہ منورہ نے 876ھ/1474ء میں اس کو دوبارہ تعمیر کرایا۔اسی طرح بعض اہل مدینہ نے 902ھ/1499ء میں مسجد حضرت ابوبکرہ صدیق رضی اللہ عنہ کو دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔بعد کے زمانے میں ان مساجد کی تعمیر وتجدید عثمانی ترکوں کے عہد حکومت میں بھی کی گئی۔

مسجد المصلیٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المناخہ اور اس کے مضافات کی کھلی فضا میں نماز عیدین ادا کرتے تھے۔علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی نماز یہاں 2ھ میں ادا فرمائی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصلی کے قریب سے گزرتے تھے تو قبلہ رو ہو کر دعا میں مشغول ہو جاتے تھے۔

مسجد المصلی، جو اب مسجد الغمامہ کہلاتی ہے العریضہ کے رہائی علاقے کے جانب مشرق واقع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناخہ کے علاقہ میں مختلف مقامات پر نماز عید ادا فرمائی ہے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد مصلی تعمیر کرائی تو اس کے بعد عیدین کی نماز اسی مسجد میں ادا کرنے لگے۔

علامہ السمہودی نے لکھا ہے کہ یہ تینوں مساجد یعنی مسجد مصلی، مسجد حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور مسجد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ 93ھ 91ھ/713-711ء میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانہ گورنری مدینہ میں تعمیر کرائی تھیں۔ شیخ الحرم النبوی، عزالدین نے سلطان ناصر حسن قلاوون کے عہد میں مسجد مصلی کی تجدید و تعمیر کرائی تھی۔ یہ 748ھ/1350ء کے بعد کا واقعہ ہے۔ مسجد کی آخری تجدید و تعمیر عہد عثمانیہ میں سلطان عبدالحمید نے چودھویں صدی ہجری میں کرائی تھی۔

المناخہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات نماز

ابن زیالہ نے ابراہیم بن امیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالفطر کی پہلی نمار الاوس کے مقام پر ابی الجندب کے مکان کے قریب ادا فرمائی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم بن ابن العدا کے مکان کے صحن میں نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے عبداللہ بن ودہ المزنی، محمد ابن عبداللہ بن کثیر الصلت کے مکانات میں نمازیں ادا فرمائیں اور سب سے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد المصلی میں نماز عیدین ادا فرمائیں۔

مسجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب

مسجد الغمامہ یا مسجد المصلی کے جنوب میں اونچی سڑک نمبر 2 سے متصل ایک بڑی مسجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کے نام سے منسوب ہے۔ اس مسجد کے سامنے زمانہ حال میں ٹریفک کنٹرول کا مینارہ واقع تھا۔ اس مسجد کا ذکر تمام کتاب تاریخ میں نہیں ملتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد ابن درہ کے قدیم مکان کی جگہ تعمیر کی گئی تھی۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے اپنے عہد خلافت میں اس جگہ نمازیں ادا فرمائی تھیں اس لیے اس مسجد کا نام مسجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب پڑ گیا تھا۔

مسجد الشجرہ

مسجد ذوالحلیفہ کے علاقے میں کیکر کے ایک درخت سے منسوب ہے جس کی چھاؤں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے۔ اس مسجد کو مسجد ذوالحلیفہ بھی کہا جاتا ہے۔ ابن زبالہ کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ و حج کے لیے کہ معظمہ تسریف لے جاتے تھے تو اس کیکر کے درخت کی چھاؤں میں آرام فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الشجر ہ کے وسطی ستون کے قریب نماز ادا فرماتے تھے جو اس کیکر کی جگہ تعمیر کیا گیا تھا جس کے نیچے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تھے۔

مسجد کا محل وقوع

مسجد ذوالحلیفہ یا مسجد الشجرہ مدینہ منورہ کی اس شاہراہ کے کنارے جانب شرق واقع ہے جو مکہ معظمہ اور جدہ تک

چلی گئی ہے۔ یہ مدینہ منورہ کے لوگوں کے لیے مقام میقات بھی ہے۔ اہل مدینہ حج اور عمرہ پر جاتے ہوئے اس مسجد کی حدود کے اندر ہی احرام باندھتے ہیں۔

مسجد الفضیخ

ابن شبہ نے جابر ابن عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نے جب بنی نضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کیا تو آپ ﷺ نے اس مسجد کے قریب اپنا خیمہ نصب فرما کر چھ راتوں تک اس کے اندر نمازیں ادا فرمائیں۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور متعدد اصحابؓ الفضیخ نام کی ایک شراب استعمال کرتے تھے پھر جب قرآن کریم کی رو سے شراب حرام قرار دی گئی تو انھوں نے شراب کو مسجد کے اندر لنڈھا دیا۔ اس کے بعد سے یہ مسجد الفضیخ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ اس کو مسجد الشمس بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک اونچے مقام پر بنی ہوئی تھی اور قریب کے تمام مکانات سے پہلے اس کے اوپر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں۔

محل وقوع

مسجد الفضیخ، مسجد قبا اور موضع العوالی کے مشرق میں واقع ہے۔ مورخ المطری کے مطابق یہ مسجد، مسجد قبا کی طرز پر تعمیر کی گئی تھی۔ اس کے اندر 16 ستون تھے جو امتداد زمانہ سے بوسیدہ ہوگئے تو حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اس مسجد کو از سر نو تعمیر کرایا تھا۔ اس مسجد کا طول 19 میٹر اور عرض 4 میٹر ہے۔ اس کے اندر پانچ گنبد اور ایک محراب ہے۔

مسجد السقیاء

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے موقع پر اس جگہ نماز ادا فرمائی تھی اور اللہ تعالیٰ سے مدینہ منورہ اور اس کے مسلمانوں کے لیے دعا فرمائی تھی کہ مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ کی حرمت و تعظیم بھی مسلمانوں کے دلوں سے مقدم ہوجائے۔ مورخ السمہودی کے مطابق یہ مسجد بئیر السقیاء کے قریب اس مقام پر پائی گئی جہاں سے جدہ مدینہ منورہ والی سڑک گزرتی ہے۔ زمانہ حال تک یہ مسجد العنبریہ ریلوے اسٹیشن کے میدان میں واقع ہے۔ اس مسجد کو قبۃ الرؤس بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ترکوں نے کچھ رہزنوں کے سر قلم کرکے اس مسجد کے اندر رکھ دیے تھے۔ اس وقت یہ مسجد ویران ہے اور اس میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے۔

مسجد ابوذرؓ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں زیادہ طویل سجدہ فرمایا تھا۔ اصحاب نے آپ سے وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل یہ خوش خبری لائے تھے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ پر

چلی گئی ہے۔ یہ مدینہ منورہ کے لوگوں کے لیے مقام میقات بھی ہے۔ اہل مدینہ حج اور عمرہ پر جاتے ہوئے اس مسجد کی حدود کے اندر ہی احرام باندھتے ہیں۔

مسجد الفضیخ

ابن شبہ نے جابر ابن عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نے جب بنی نضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کیا تو آپ ﷺ نے اس مسجد کے قریب اپنا خیمہ نصب فرما کر چھ راتوں تک اس کے اندر نمازیں ادا فرمائیں۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور متعدد اصحابؓ الفضیخ نام کی ایک شراب استعمال کرتے تھے پھر جب قرآن کریم کی رو سے شراب حرام قرار دی گئی تو انھوں نے شراب کو مسجد کے اندر لنڈھا دیا۔ اس کے بعد سے یہ مسجد الفضیخ کے نام سے مشہور ہو گئی۔ اس کو مسجد الشمس بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک اونچے مقام پر بنی ہوئی تھی اور قریب کے تمام مکانات سے پہلے اس کے اوپر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں۔

محل وقوع

مسجد الفضیخ، مسجد قبا اور موضع العوالی کے مشرق میں واقع ہے۔ مورخ المطری کے مطابق یہ مسجد، مسجد قبا کی طرز پر تعمیر کی گئی تھی۔ اس کے اندر 16 ستون تھے جو امتداد زمانہ سے بوسیدہ ہو گئے تو حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اس مسجد کو ازسرنو تعمیر کرایا تھا۔ اس مسجد کا طول 19 میٹر اور عرض 4 میٹر ہے۔ اس کے اندر پانچ گنبد اور ایک محراب ہے۔

مسجد السقیاء

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے موقع پر اس جگہ نماز ادا فرمائی تھی اور اللہ تعالیٰ سے مدینہ منورہ اور اس کے مسلمانوں کے لیے دعا فرمائی تھی کہ مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ کی حرمت و تعظیم بھی مسلمانوں کے دلوں سے مقدم ہو جائے۔ مورخ السمہودی کے مطابق یہ مسجد بئیر السقیاء کے قریب اس مقام پر پائی گئی جہاں سے جدہ مدینہ منورہ والی سڑک گزرتی ہے۔ زمانہ حال تک یہ مسجد العیز یہ ریلوے اسٹیشن کے میدان میں واقع ہے۔ اس مسجد کو قبۃ الرؤس بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ترکوں نے کچھ رہزنوں کے سر قلم کر کے اس مسجد کے اندر رکھ دیے تھے۔ اس وقت یہ مسجد ویران ہے اور اس میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے۔

مسجد ابوذرؓ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں زیادہ طویل سجدہ فرمایا تھا۔ اصحاب نے آپ سے وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل یہ خوش خبری لائے تھے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ پر

صلوٰۃ وسلام بھیجے گا تو اللہ تعالی اس شخص پر سلامتی ورحمت بھیجے گا۔ مورخ السمہودی نے لکھا ہے کہ یہ مسجد اس مقام پر تعمیر کی گیی جہاں آنحضرت ﷺ نے طویل سجدہ فرمایا تھا۔

محل وقوع

یہ مسجد بستان الجیری کے شمال مشرقی جانب شارع ابوذرؓ کے آغاز میں سڑکوں کے 150 میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔اس کو سعودی حکومت نے از سر نو تعمیر کرایا ہے۔شمال وجنوب کی جانب یہ مسجد چھوٹے چھوٹے باغیچوں میں گھری ہوئی ہے۔

مسجد بنو ساعدہ

ابن شبہ نے عباس ابن سہل کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی تھی۔ یہ مسجد بنو ساعدہ کے اس مکان کے قریب واقع تھی جہاں مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خلیفہ منتخب ہونے پر ان کی بیعت کی تھی۔ اس مسجد کی قدیم جگہ مثلث السلطانیہ پر ہے جہاں اس وقت ایک پبلک لائبریری اور ایک لیکچر روم بنا ہوا ہے۔

بقیع غرقد، قبرستان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ایک بار تم لوگوں کو قبرستان میں جانے سے منع کیا تھا، اب تم وہاں جاسکتے ہو کیونکہ وہاں جانے سے عبرت حاصل ہوتی ہے اور روز آخرت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔'' (الحدیث)

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حوالے سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اکثر آخر شب جنت البقیع میں تشریف لے جاتے اور وہاں مدفون لوگوں کے لیے دعائے مغفرت فرماتے تھے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں مدفون لوگوں کی قبروں کے پاس سے گزرتے تو فرماتے ''اے اہل قبور! اللہ تم پر اپنی رحمت نازل کرے اور تمھارے اور ہمارے گناہوں کو بخش دے۔''

بقیع غرقد یا جنت البقیع وہ قبرستان ہے جہاں عہد نبوی سے مسلم شخصیات کو دفن کیا جا رہا ہے۔ یہ قبرستان شہر کے مشرقی حصہ میں مسجد نبوی ﷺ کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہ پہلے جھاڑیوں سے بھری ہوئی کھلی جگہ تھی۔ اس کے مغرب میں رہائشی علاقہ حارۃ الاغوات واقع ہے۔ اسے حارۃ سے وہ سڑک الگ کرتی ہے جو شارع ابوذر، مسجد ابوذر اور شارع العوالی تک جاتی ہے۔ جنت البقیع کے جنوب مشرق میں وہ جگہ ہے جہاں تدفین سے پہلے مردوں کو غسل دے کر تیار کیا جاتا ہے۔ اور جہاں محکمہ پولیس کے دفاتر واقع تھے۔

اہل بیت اطہار، صحابہ کرامؓ اور دیگر مسلمانؒ

مورخین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بہت سے صحابہؓ اور خاندانؓ کے لوگ جنھوں نے آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں یا بعد از وصال وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

قاضی عیاض نے امام مالک کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ تقریباً دس ہزار صحابہ کرام نے مدینہ منورہ میں انتقال

کیا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ باقی صحابہ جنھوں نے مدینہ منورہ سے باہر وفات پائی دیگر ممالک اسلامیہ کے مختلف علاقوں میں دفن ہوئے۔

پہلے مہاجر و انصار صحابہؓ

رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے انصار میں سے حضرت اسعد بن زرار رضی اللہ عنہ اور مہاجرین میں سے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ پہلے اشخاص تھے جو جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

جنت البقیع میں قبروں پر ایسے کتبات یا نشانات نہیں تھے جس سے وہاں مدفون شخصیات کے ناموں اور احوال کا پتہ چل سکے، لیکن مورخین کی تحقیق کی روشنی میں عوام کے علم میں ہے کہ ممتاز ہستیاں کن قبروں میں مدفون ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ درج ذیل دیا جا رہا ہے۔

حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، جنوب مغربی دروازہ سے تقریباً 40 میٹر کے فاصلے پر تین قبور ہیں جن میں سے ایک حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، ایک میں سفیان بن الحارث بن ابوطالب اور ایک میں حضرت عبداللہ بن جعفر الطیار رضی اللہ عنہ مدفون ہیں گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے ایک بھائی اور دو بھتیجے دفن ہیں۔

قبور ازواج مطہراتؓ

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی قبر سے پانچ میٹر کے فاصلے پر جنوب میں ایک چبوترے پر آنحضرت ﷺ کی آٹھ ازواج مطہرات مدفون ہیں جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

(1) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ۔

(2) اُمّ المؤمنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ العامریہ۔

(3) اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ بنت عمر بن خطاب۔

(4) اُمّ المؤمنین حضرت سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ الہلالیہ۔

(5) اُمّ المؤمنین حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ المخزومیہ۔

(6) اُمّ المؤمنین حضرت جویریہؓ بنت لحرث المصطلقیہ۔

(7) اُمّ المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ رملہ بنت ابوسفیانؓ

(8) اُمّ المؤمنین حضرت صفیہؓ بنت حی بن اخطب الاسرائیلیہ۔

جبکہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ، اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ مکہ معظمہ میں جنت المعلیٰ میں اور اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ مکہ معظمہ سے چھ میل دو مقام سرف میں مدفون ہیں۔

دختران رسول اللہ ﷺ

جنت البقیع میں مدفون انتہائی محترم شخصیات میں دختران رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہیں۔ ان کی قبور مبارکہ ازواج مطہرات کی قبروں سے بائیں طرف تقریباً دس میٹر کے فاصلے پر واقع ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(1) حضرت ام کلثومؓ بنت رسول اللہ ﷺ

(2) حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ

(3) حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ

قبور اہل بیت اطہار

دختران رسول اللہ ﷺ کی قبور مبارک کے جنوب مشرق میں پچیس میٹر کے فاصلے پر کچھ اہل بیت اطہار کی قبور شریف واقع ہیں جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

(1) حضرت امام حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب

(2) حضرت سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ

(3) حضرت امام باقرؒ بن زین العابدین

(4) حضرت حضرت زین العابدینؒ بن امام حسینؓ

(5) حضرت امام جعفر صادقؒ بن امام باقرؒ

(6) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک

(7) حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب (عم محترم رسول اللہ ﷺ)

مورخ السمہودی نے اپنی کتب ''الوفا الوفا'' اور ''الخلاصہ'' میں لکھا ہے کہ امیہ خاندان کے خلیفہ یزید بن معاویہؓ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ان کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ کے اس وقت کے گورنر عمر بن سعد بن العاص المعروف الاسدق کے پاس بھیج دیا تھا جنھوں نے غسل دے کر اور کفن میں لپیٹ کر جنت البقیع میں ان کی والدہ حضرت سیدہ فاطمہؓ کی قبر شریفہ کے پاس دفن کر دیا تھا۔

قبور صحابہ کرامؓ

قبرستان کے دروازے سے تقریباً پچاس میٹر کے فاصلے پر حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی قبر شریفہ سے شمال مشرق میں کچھ صحابہ کرام اور ائمہ کرامؒ کی قبور ہیں:

(1) حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ (مسلک مالکی کے امام)

(2) حضرت نافع رضی اللہ عنہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے خادم اور مالکی مسلک کے امام)

(3) حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ (جنت البقیع میں دفن ہونے والے پہلے مہاجر صحابی)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر جو حضرت اام مالک رضی اللہ عنہ کی قبر سے بیس میٹر کے فاصلہ پر ہے اس کے بائیں طرف ان عظیم شخصیات کی قبر واقع ہیں:

(1) حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، لخت جگہ رسول، ان کے انتقال پر جب آنحضرت سے پوچھا گیا کہ انھیں کہاں دفن کیا جائے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پہلو میں۔

(2) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پانچویں عظیم ترین صحابی۔ غزوہ تبوک کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امامت میں نماز فجر ادا فرمائی تھی۔

(3) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جلیل القدر صحابی رسول اور جنگ قادسیہ کے فاتح سپہ سالار۔ انھوں نے 50ھ/ 671ء میں وفات پائی تھی۔

(4) حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ

(5) حضرت خنیس بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ

(6) حضرت فاطمہؓ بنت اسد حضرت علی کرم اللہ وجہ کی والدہ

شہدائے جنگ حرہ کا مدفن

یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو شہداء الحرہ کی جنگ میں شہید ہوئے ان کی قبریں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر سے بائیں طرف کھڑے ہو کر تقریباً 80 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہ لوگ مدینہ منورہ کا دفاع کرتے ہوئے اس کی اعلیٰ قدروں کے تحفظ کے لیے شہید ہوئے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کی قبر

یہ قبر جنت بقیع کے آخری سرے پر واقع ہے اور شہدائے حرۃ کی قبور سے 135 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

قبور حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا وسعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کی قبر کے شمال میں تقریباً 50 میٹر کے فاصلے پر بالکل شمال مشرقی کونے میں یہ دو قبور واقع ہیں:

(1) حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ

(2) حضرت فاطمہ بنت اسعد۔ کئی مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت اسعد کی قبر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس واقع ہے۔

قبر حضرت سیدہ صفیہ (حضور ﷺ کی پھوپھی صاحبہ) البقیع کے دروازے سے 15 میٹر شمال مغرب میں مندرجہ ذیل قبور واقع ہیں۔

(1) حضرت سیدہ صفیہؓ بنت عبدالمطلب (حضور ﷺ کی پھوپھی)

(2) حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب (حضور ﷺ کی پھوپھی)

جنت بقیع کی یہ جگہ اسی نسبت سے ''بقیع العمات'' کہلاتی ہے جو پہلے الگ حصہ میں تھی لیکن سعودی حکومت میں جنت البقیع میں شامل کرلی گئی۔ ''الاصبہ فی تمیز صحابہؓ'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب حضرت ابوطالب کی سگی بہن تھیں اور حضرت عبداللہ بن اسعد کے کہنے پر انھوں نے اسلام قبول کیا تھا اور مدینہ منورہ ہجرت کر کے آ گئی تھیں۔

قبر حضرت اسمٰعیل بن جعفر صادقؒ

یہ قبر حارۃ الاغوات نامی رہائشی علاقے کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہ البقیع سے اس سڑک کے ذریعے الگ ہوتی ہے جو مسجد نبوی تک چلی گئی ہے۔ یہ قبر پہلے دیوار کے اندر تھی جو سعودی عہد میں گرادی گئی۔ اس قبر سے جنت البقیع کا فاصلہ 15 میٹر ہے۔ یہ تین میٹر اونچی چاردیواری میں واقع تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ چاردیواری کے اندر جو جگہ تھی وہ حضرت زین العابدین کی ملکیت تھی۔

قبر حضرت ابوسعید الخذریؓ

یہ قبر البقیع کے شمال مشرق میں اس سڑک کے کنارے واقع ہے جو حرۃ الشرقیہ کو جاتی ہے۔۔ اس جگہ تدفین کے لیے خود حضرت ابوسعید الخذریؓ نے وصیت کی تھی۔

قبر حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب، والد ماجد نبی کریم ﷺ

رسول اللہ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب نے بعمر 25 سال آنحضور ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے مدینہ منورہ (یثرب) میں ایک تجارتی سفر سے واپسی پر انتقال فرمایا تھا اور وہ مدینہ منورہ کے مضافات میں دفن ہوئے تھے۔ ان کی قبر شریف بزقاق الطوال نامی مقام پر ہے۔

قبر حضرت نفس الزکیہؓ (عرف مہدی)

یہ محمد بن عبداللہ بن حسنؓ تھے جو نفس الزکیہ کے نام سے معروف تھے۔ ان کی قبر شریف جبل سلع کے مشرق میں اور العین الزرقا نامی چشمے کے شمال میں ہے۔ عباسی خلیفہ المنصور نے حضرت نفس الزکیہ کے والد گرامی حضرت عبداللہ اور دیگر اہل خاندان کو گرفتار کر کے بغداد کے قید خانے میں ڈلوادیا تھا جس کے بعد حضرت نفس زکیہ نے مدینہ منورہ میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ اہل مدینہ نے ان کی اطاعت کی۔ المنصور نے چار ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج ان کی بغاوت کو کچلنے کے لیے مدینہ منورہ بھیجی۔ حضرت نفس زکیہ کے ساتھ صرف تین سو آدمی تھے۔ عباسیوں کی اس فوج سے لڑتے ہوئے حضرت نفس زکیہ شہید ہو گئے اور کچھ مورخین کے مطابق اس مقام پر دفن کیے گئے البتہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب ''ریاض الافہام'' میں لکھا ہے کہ ان کی بہن اور بیٹی فاطمہ نے انھیں جنت البقیع میں دفن کیا تھا۔

قبر حضرت مالک بن سنانؓ

ابن سنان حضرت ابوسعید الخدریؓ کے والد تھے۔ ان کی قبر المناخہ کے مشرق اور حوش المرزوقی کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ جنگ احد کے شہدا میں سے ایک تھے۔ انھیں وہاں سے لا کر یہاں دفن کیا گیا تھا۔

بنوامیہ کے عہد میں جنت البقیع کی توسیع

سب سے پہلے جنت البقیع کی توسیع کا کام بنوامیہ کے دور میں کیا گیا۔ کتاب ''خلاصۃ الوفا'' میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ بن عفان شہید ہوئے تو لوگوں نے ان کو حجرہ شریف، حضرت عائشہؓ میں دفن کرنا چاہا کیونکہ آپ نے اس سے پہلے حضرت عائشہؓ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ انھیں نبی کریم اور ان کے رفقاء کے قریب دفن کی جائے۔ سیدہ عائشہؓ نے انھیں اجازت بھی دیدی تھی لیکن مصریوں نے حضرت عثمانؓ کو حجرہ شریف میں دفن کرنے کی شدید مخالفت کی اور اعلان کیا کہ وہ ان کے جنازے اور نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوں گے۔

ایک مورخ الزہیری سے روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے دھمکی دی تھی کہ اگر حضرت عثمانؓ کو وہاں دفن کرنے کی مخالفت کی گئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک سے پردہ ہٹادیں گی۔ تب لوگوں نے اجازت دے دی کہ حجرہ شریف میں انھیں دفن کیا جائے۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ، حضرت حکیم ابن حزام اور حضرت عبداللہ بن زبیر دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت عثمان کا جنازہ جنت البقیع لے گئے مگر وہاں ابن بجرہ یا ابن نجدہ الساعدی نامی ایک شخص نے روک لیا۔ تب وہ جنازہ وحش کوکب نامی باغ میں لے گئے اور وہاں دفن کر دیا گیا۔ حضرت حکیم بن حزامؓ کے مطابق بعد ازاں عہد بنوامیہ میں حش کوکب کے اس حصے کو جنت البقیع میں شامل کر دیا گیا تھا۔

ابن سعد نے مالک ابن ابو عامر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس زمانے کے لوگ حش کوکب میں دفن ہونے کی شدید خواہش رکھتے تھے اور حضرت عثمانؓ وہاں دفن ہونے والے پہلے شخص تھے۔

سعودی عہد میں جنت البقیع کی توسیع

1924ء میں آل سعود کی پورے عرب پر حکومت قائم ہو جانے کے بعد سے جنت البقیع کی کئی بار توسیع و مرمت کی گئی۔قبرستان مشرقی حصے میں بھی توسیع کی گئی تھی۔

بقیع العمات کی شمولیت

سعودی حکومت نے بقیع العمات نامی قبرستان کو بھی جنت البقیع کا حصہ بنا دیا۔اس حصے کا رقبہ 3493 مربع میٹر ہے۔

قرب وجوار کے علاقے کی شمولیت

ایک راستہ جو پہلے جنت البقیع اور بقیع العمات کو الگ کرتا تھا اور حرۃ الشرقیہ تک چلا گیا تھا جنت البقیع میں شامل کر دیا گیا۔یہ حصہ 824 مربع رقبہ پر محیط تھا۔توسیع کا یہ کام 1373ھ/ 1953ء میں عمل میں آیا تھا۔وہ دیوار جو ان دونوں قبرستانوں کو علیحدہ کرتی تھی گرا دی گئی۔ جنت البقیع کے شمال میں واقع 1612 مربع میٹر کا ایک تکونا پلاٹ جو مدینہ منورہ میونسپلٹی کی ملکیت تھا اور تین طرف شمال،جنوب اور مشرق میں جنت البقیع سے گھرا ہوا تھا 1385ھ/ 1966ء میں جنت البقیع میں شامل کر دیا گیا تھا۔

سعودی حکومت نے جنت البقیع میں ایک تیس میٹر لمبا اور دو میٹر چوڑا سائبان تعمیر کرایا تھا تا کہ میتوں کی تدفین کو آنے والے لوگ دھوپ اور گرمی سے بچ سکیں لیکن اس سائبان کی وجہ سے حج کے موقع پر مدینہ منورہ آنے والے زائرین کو دشواری پیش آنے لگی۔اس وجہ سے اسے 1386ھ/1969ء میں ہٹا دیا گیا۔

مدینہ منورہ میونسپلٹی نے گورکنوں کی سہولت کے لیے ایک علیحدہ سائبان 1953ھ میں تعمیر کرایا تھا تا کہ وہ اپنے اوزار وغیرہ وہاں رکھ سکیں۔

جنت البقیع میں موسم برسات کے دوران آنے والے لوگوں کو تکلیف نہ ہو اس خیال سے جنوب مغرب کی سمت میں واقع دروازے سے آخری جنوبی سرے تک اور جنوب مشرقی کونے تک کی گزرگاہوں پر چھت ڈلوا دی گئی ہے۔اس کے علاوہ حج کے موسم میں آنے واے زائرین کی سہولت کے لیے دو نئے دروازوں کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

شہدائے احد

سید الشہداء حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداء

ہجرت کے تیسرے سال 625ء میں احد پہاڑ کے دامن میں لڑی جانے والی جنگ احد میں آنحضور ﷺ کے عم محترم حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب شہید ہوئے۔ وہ اسلام کی راہ میں شہید ہونے والے پہلے مسلمان تھے اس لیے ان کو سید الشہدا کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے انھیں مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ انھیں اسی طرح رزق فراہم کرتا ہے جس طرح تمھیں۔"

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہؓ کی نعش دیکھی تھی جو مثلہ کیے جانے کی وجہ سے مسخ ہو گئی تھی تو آپ ﷺ نے نہایت آزردہ ہو کر فرمایا تھا کہ "اس سے زیادہ دلی اذیت مجھے زندگی میں کبھی نہیں ہوئی۔"

جنگ احد کے دن جب حضور ﷺ بنی عبدالاشہل کے مکان کے پاس سے گزرے تو وہاں عورتوں کے نوحہ کرنے اور رونے کی آوازیں آرہی تھیں جو جنگ احد میں شہید ہونے والے اپنے مردوں کا ماتم کر رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ پر یہ منظر دیکھ کر رقت طاری ہو گئی اور آپ ﷺ نے آنسو بہاتے ہوئے فرمایا "آج حمزہؓ پر رونے والا کوئی نہیں۔"

حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت اسد بن حضیر بنی عبدالاشہل کے گھر گئے اور اپنی خواتین کو کہا کہ وہ حضرت حمزہؓ کا ماتم کریں لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں نوحہ کناں اور بین کرتے دیکھا تو انھیں مزید رونے دھونے سے منع کر دیا۔ بعد ازاں حضور ﷺ نے تمام مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ مردوں کے لیے سوگ مناتے ہوئے بلند آواز میں ماتم نہ کریں۔"

سید الشہدا کی قبر

رسول اللہ ﷺ نے اپنے عزیز ترین چچا جناب حضرت حمزہؓ کو وادی قناۃ کے کنارے جبل الرماۃ کے شمال مغرب اور جبل احد کے جنوب میں ایک ٹیلے پر دفن کیا تھا اور ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو ان کے ساتھ (قریب) دفن

فرمایا تھا۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ جنگ احد کے شہیدوں کی قبروں کی زیارت کو تشریف لے جاتے تو فرماتے: ''سلام تم پر، جنھوں نے انتہائی صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا جس کا اجر تمھیں آخرت میں ملے گا۔''

سعودی حکومت نے شہدائے احد کے قبور کے چاروں طرف جنگلا بنوایا اور اس پہاڑی راستے پر زائرین کے قبور تک پہنچنے کے لیے سیڑھیاں بنوادی ہیں۔ دیار کے جنوب میں لوہے کا دروازہ لگوایا ہے۔ وادی قناۃ کی وادی کو وادی سید الشہدا اور وادی حمزہؓ بھی کہتے ہیں۔

جنگ احد کے شہدائے کرام کی تعداد مورخین نے ستر بتائی ہے جن میں سے 64 انصار صحابی اور 6 مہاجر صحابہ تھے۔ ان میں سے زیادہ تر شہیدوں کی قبور حضرت حمزہؓ کی قبر شریف کے شمالی حصہ میں واقع ہیں۔ ان قبور کے چاروں طرف بھی جنگلا لگا دیا گیا ہے۔

دنیا کے مختلف حصوں سے آنے والے زائرین مدینہ منورہ میں جب سید الشہدا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور دوسرے شہداء کی قبور کی زیارت کرتے ہیں تو اس فیصلہ کن جنگ، جنگ احد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ جنگ مسلمانوں کو اپنے راہنما کی حکم عدولی نہ کرنے کا سبق دیتی ہے۔

1924ء سے پہلے مدینہ منورہ کے مزارات ومقابر

گنبد خضراء کا معجزاتی واقعہ

مشہور ومعروف فرنگی سیاح حجاز برکہارٹ جو 1815ء میں مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے گیا تھا اس زمانے میں حجاز اہل نجد کے ہاتھوں سے نکل کر دوبارہ ترکوں کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ اس نے گنبد خضراء کے بارے میں وہابیوں کے طرز عمل کے بارے میں ایک عجیب واقعہ اپنے سفرنامے میں رقم کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"1219ء میں وہابیوں نے جہاں اور بہت سے گنبد اور قبے منہدم کر دیے تھے وہیں انھوں نے گنبد خضراء کو بھی نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا تھا اور اس کے کلس وہلال کو توڑ ڈالا تھا لیکن اس گنبد کی مضبوط ساخت اور اس کے سیسے کے پتروں نے اس پر ارادہ بد سے چڑھنے والوں کے کام کو مشکل بنا دیا اور گنبد مبارک کی چکنی سطح سے دو کاریگر اوندھے منہ زمین پر آ گرے۔ اس واقعہ کے بعد گنبد خضراء کے انہدام کا ارادہ موقوف کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ایک معجزے کے طور پر بیان کیا جاتا ہے جو پیغمبر اسلام نے اپنی اس یادگار کو قائم رکھنے کے لیے ظاہر فرمایا تھا۔" (سفرنامہ برکہارٹ)

بہر حال اس واقعہ کے متعلق دیگر مورخین خاموش ہیں۔

جنت بقیع میں مقبرہ اہل بیتؓ

ایک زمانہ تھا کہ اہل بیت، حضرت سیدہ فاطمہ الزہراؓ، امام حسنؓ و امام زین العابدینؒ، امام محمد باقرؒ و امام جعفر صادقؒ کے مزارات کے متعلق بہت کم لوگوں کو علم تھا کہ جنت البقیع میں کس جگہ واقع ہیں اور اپنے زمانہ تدفین سے تقریباً تین سو سال بعد یہ بزرگان اہل بیت عوام کے علم واطلاع کے بغیر اپنی خواب گاہ بقیع میں محو استراحت رہے۔ 332ھ میں اس جگہ سے جہاں 1924ء سے پہلے مقبرہ اہل بیت واقع تھا ایک پتھر دریافت ہوا جس پر کندہ تھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ مبداء الامم ومحی الرحم ہذا قبر فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ، سیدۃ النسا العالمین وقبر حسن بن علیؓ وعلی بن حسین، علی و باقر محمد بن علی، جعفر بن محمد علیہم السلام" اس پتھریا کتبے کی دریافت کے بعد معلوم ہوا کہ اس بزرگ مقبرے میں جناب سیدہ اور چاروں امامؒ استراحت فرما ہیں۔ (جذب القلوب، شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

حکیم ناصر خسرو نے 442ھ میں مدینہ منورہ کا سفر کیا تھا مگر بعض وجوہ کی بنا پر وہ جنت البقیع کی زیارت سے محروم رہا تھا اس وجہ سے اس کا سفرنامہ مقبرہ اہل بیتؓ کے متعلق خاموش ہے۔امام محمد غزالیؒ جنھوں نے 487ھ میں مدینہ منورہ کی زیارت کی تھی وہ اپنی کتاب ''احیاء العلوم'' میں اس مقبرے کے مدفون میں صرف امام حسنؓ وامام زین العابدین وامام محمد باقر وامام جعفر صادق علیہم السلام کو شمار کرتے ہیں اور حضرت سیدہ فاطمہؓ کا کچھ ذکر نہیں کرتے۔(احیاء العلوم جلد دوم) ابن جبیر نے 581ھ اور ابن بطوطہ نے 726ء میں زیارت مدینہ کی مگر یہ دونوں اس مقبرے میں بجز امام حسنؓ اور حضرت عباسؓ عم رسول ﷺ کے کسی اور کا نام نہیں لیتے۔ پھر بعض روایتوں کی بنا پر یہ بھی کہا جانے لگا کہ امیر المومنین حضرت علیؓ اور سر مبارک حضرت امام حسینؓ بھی اسی مقبرے میں مدفون ہے۔البتہ تاریخ اس پر خاموش ہے کہ مقبرہ اہل بیت اطہار پر قبہ کب تعمیر کیا گیا۔عہد بنوامیہ میں تو اس کا امکان نہیں البتہ اس عہد کے بعد عہد عباسی میں خلیفہ المستر شد باللہ عباسی خلیفہ بغداد نے 519ھ کے بعد شائد اپنے مورث اعلیٰ حضرت عباسؓ کی قبر پر توجہ کی اور حضرت امام حسنؓ اور حضرت عباسؓ کی قبور مبارک پر ایک بڑا قبہ تعمیر کیا تھا۔اس قبے پر 1924ء میں منہدم ہونے سے پہلے ایک جگہ یہ کتبہ تحریر تھا۔المستر شد باللہ نے 519ھ میں تعمیر کا حکم دیا۔قبے کی عمارت تعمیر کی گئی۔قبر حضرت عباسؓ وحضرت امام حسنؓ کو اونچا کیا گیا۔اوپر غلاف ڈالنے اور پیتل کی چادر کی پھول پتی کی شکل کی جالی کو آویزاں کیا گیا۔(وفاء الوفا اخبار دار المصطفی جلد دوم)

اس کے بعد خلیفہ مستنصر باللہ کے عہد 623ھ میں اس مقبرے کی عمارت میں کچھ ترمیم واضافے کیے گئے اور بڑی محراب تعمیر کر کے اس کے اوپر مستنصر باللہ کے نام کا کتبہ بھی آویزاں کیا گیا۔(الوفاء جلد دوم) ابن جبیر نے اس کی زیارت کی تو اس قبے کو ویسا ہی پایا جیسا کہ کتبے میں تحریر تھا۔ابن بجار نے اپنی کتاب تاریخ بغداد میں اس قبے کا ذکر کیا۔727ھ میں ابن بطوطہ کے وقت بھی یہ قبہ اسی حالت میں موجود تھا۔سید نورالدین علی سمہودی نے اس قبے کی زیارت کر کے اسکے کتبے کو اپنی کتاب ''وفاء الوفا'' میں درج کیا مگر ان جیسے محقق نے بھی اس قبے میں سیدہ فاطمہؓ، امام زین العابدین، وامام محمد باقر وامام جعفر صادق کی قبور کی کوئی صراحت نہیں کی۔البتہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ''جذب القلوب'' میں ائمہ اطہار کی قبروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ائمہ ایک ہی قبر میں مدفون ہیں اور اس بڑے قبے میں جسے ''قبہ عباس'' کہتے ہیں۔(جذب القلوب)

خلیفہ مسترشد باللہ کا تعمیر کردہ یہ قبہ کوئی سات سو برس تک قائم رہا اور مورخین کے مطابق 1219ھ میں جب سعود ابن عبدالعزیز امیر نجد کا تسلط حجاز ومدینہ پر ہوا تو جنت البقیع میں موجود دوسرے قبوں کے ساتھ یہ قبہ شریف بھی منہدم

کر دیا گیا۔ 1232ء میں حجاز پر ترکوں کا دوبارہ قبضہ ہوا تو محمد علی پاشا نے اس قبے کو دوبارہ بمطابق مثل سابق تعمیر کرایا۔ نزہتہ الناظرین میں لکھا ہے کہ اس تعمیر میں اس قبے کے دو دروازے تھے مگر کوئی کتبہ آویزاں نہیں تھا۔ چودھویں صدی میں لکھے گئے سفرناموں اور جنت البقیع کی عکسی تصویروں سے معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان بقیع میں داخل ہوتے ہی زائر کے دائیں جانب یہ قبہ اہل بیت اطہار واقع تھا۔ یہ جنت البقیع میں موجود دوسرے قبوں سے بڑا تھا اور بلند بھی۔ اس میں پانچ اماموں کی قبور کے ساتھ سیدہ فاطمہؓ کی قبر بھی موجود تھی جو قبلہ کی جانب دیوار کے ایک گز اونچے چبوترے پر بنی ہوئی تھی۔ اس قبے کے دو دروازے بھی تھے جن میں ایک ہمیشہ بند رہتا تھا۔ ان مزارات پر لکڑی کے صرتح کٹہرے حلقہ کیے ہوئے تھے اور قبور پر غلاف بھی پڑے ہوئے تھے جن پر زردوزی سے اسماء مبارک کڑھے ہوئے تھے۔ حضرت سیدہ کے غلاف پر زیادہ کام کیا ہوا تھا۔ (سفر حرمین) آنریبل خواجہ غلام الثقلین 1329ء میں زیارت کو گئے۔ انھوں نے اپنے سفرنامے میں قبہ اہل بیت کا ذکر دوسرے سیاحوں سے زیادہ صراحت سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس مقبرے کی عمارت ایک مضبوط پتھر کا گنبد ہے جس کے دروازے پر لکھا ہے: ''لی خمسۃ اطفی ...... المصطفیٰ والمرتضیٰ ...... اندر موجود قبور مطہرہ پر قیمتی غلاف پڑے ہوئے ہیں اور باہر لوہے کی جالی پر بھی کام کیا ہوا ہے۔ اس مقبرے میں ایک جگہ حضرت امام حسنؓ، حضرت امام زین العابدینؒ، حضرت امام باقر و حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام مدفون ہیں۔ کٹہرے میں چاروں طرف الگ راستہ ہے یعنی شمالاً جنوباً ایک ایک گز اور شرقاً غرباً چار چار گز (روزنامچہ سیاحت) اس روضہ کا ایک سادہ گنبد ہے اور عمارت کچھ زیادہ عالیشان نہیں ہے اور یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اہل عرب و حجاز نے ائمہ اثنا عشریہ اور حضرت سیدہؓ کی شان کے مطابق یہ عمارت تعمیر نہیں کی۔ مگر قبے کے اندر نقاشی کا کام بھی کیا گیا ہے اور چھت پر بھی زربفت کا کپڑا آویزاں ہے۔ (روزنامچہ صفحہ 391) محمد علی پاشا کا تعمیر کردہ یہ قبہ تقریباً ایک سو برس قائم رہا اور 1334ھ میں ترکوں سے شریف حسین آف مکہ کی خودمختاری کے بعد جب 1342ھ میں سلطان عبدالعزیز آل سعود نے حرمین شریفین پر قبضہ کیا تو بقیع کے دوسرے قبوں اور قبور کے ساتھ 1344ھ میں مقبرے کو بھی منہدم کر دیا اور اونچی قبروں کو زمین کی سطح کے برابر کر دیا۔ 1329ھ میں اس مقبرے کی زیارت کرنے والے ہندوستانی زائر حاجی عبدالرحیم بنگلوری لکھتے ہیں کہ اس قبے میں ایک گوشہ میں مزار اقدس خاتون جنتؓ موجود ہے مگر صاحبان نجد نے کوئی احترام ملحوظ نہیں رکھا۔ 1345ھ میں مقبرے کے انہدام کے بعد مصنف ''مزارات حرمین''، علی شبیر نے اس مقبرے کی جگہ صرف ایک بالشت بلند ایک کچا چبوترہ دیکھا تھا جس پر اہل بیت کی قبروں کے نشان تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب جذب القلوب میں لکھا ہے کہ اہل بیت اطہار کی قبور کی زیارت کے وقت سلام پڑھا جاتا تھا۔ مولوی صبغۃ اللہ ساکن مدراس شافعی مذہب نے بھی اس کی تصدیق کی ہے اور امام جعفر صادقؒ کا ایک قول رقم کیا ہے کہ جو شخص اماموں میں سے کسی ایک زیارت کرے تو گویا اس نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔

بیت الحزن

حضرت علیؓ کا مکان جو جنت البقیع میں مقبرہ اہل بیت کے دائیں طرف کوئی بیس قدم پر واقع تھا اور جناب سیدہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد یہاں گریہ وزاری وعبادت الٰہی یں مصروف رہا کرتی تھیں امام غزالیؒ نے اس مکان کو سیدہ فاطمہؓ سے تعبیر کیا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کی ہدایت کی ہے۔۔ ابن جبیر نے بھی 580ھ میں بیت الحزن کا ذکر کیا ہے۔ 726ھ میں ابن بطوطہ نے صرف اس کے نام پر اکتفا کیا ہے۔ 886ھ میں علامہ سمہودی بھی اس کا دوسرا نام مسجد فاطمہؓ لکھتے ہیں۔ جذب القلوب میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی 1219ء میں جب مدینہ پر اہل نجد کا قبضہ ہوا تو جنت بقیع کے قبوں اور مزارات کے ساتھ یہ بیت الحزن بھی منہدم کر دیا گیا۔ محمد علی پاشا نے اسے بھی دوبارہ تعمیر کرایا مگر 1344ء میں یہ پھر اہل نجد کے ہاتھوں منہدم کر دیا گیا۔

مقبرہ بنات النبی ﷺ

آنحضرت کی صاحبزادیوں کے مدفن کے نام سے یہ مقبرہ مشہور ہے۔ اہل سنت والجماعت یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آنحضرت ﷺ کی چار صاحب زادیاں تھیں۔ حضرت رقیہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ۔ اس کے برعکس شیعہ حضرات عام طور پر یہ خیال کرتے ہیں کہ حضور کی اکلوتی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ تھیں لیکن ملا علی باقر مجلسی، مشہور شیعہ مورخ نے اپنی تصنیف "حیات القلوب" میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حقیقی صاحبزادیاں چار ہی تھیں۔ سید سمہودی مورخ مدینہ نے مقبرہ بنات النبی کو حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کا مقبرہ خیال کیا ہے۔ امام محمد غزالیؒ نے 487ھ میں زیارت جنت بقیع کی تھی مگر اپنی تصنیف "احیاء العلوم" میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا البتہ ابن جبیر کے زمانے میں ایک چھوٹا سا قبہ "اولاد النبی ﷺ" کے نام سے مشہور تھا جس کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ خلیفہ مسترشد باللہ نے 519ھ قبہ اہل بیت تعمیر کرایا تھا تو اس وقت قبہ بنات النبی بھی تعمیر کرایا ہوگا۔ چودھویں صدی کے ہندوستانی سیاح اپنے سفرناموں میں اس قبے کا ذکر کرتے ہیں مگر قبے کے اندرونی نقشے اور حالات کا

ذکر نہیں ملتا۔ مولوی صبغتہ اللہ مولف السکینہ اخبار مدینہ کا خیال ہے کہ مقبرہ بنات النبی میں حضور کی دو صاجزادیاں مدفون ہیں اور حضرت رقیہؓ کی قبر غالباً مقبرہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے قریب واقع ہے۔ 1219ھ میں اہل نجد نے اس مقبرہ کے قبہ کو منہدم کر دیا تھا تو گیارہ برس بعد محمد علی پاشا نے سلطان محمود خان عثمانی کے حکم پر اس قبہ کو از سر نو تعمیر کرایا تھا جسے اہل نجد نے 1342ھ میں دوبارہ شہید کر دیا۔ علی شبیر نے لکھا ہے کہ اس نے اس قبہ کے مقام پر 1345ء میں ایک چبوترہ دیکھا جن پر تین قبروں کے نشانات تھے اور یہ صرف ایک بالشت سطح زمین سے بلند تھا۔ (مزارات حرمین از علی شبیر)

مقبرہ ازدواج النبی ﷺ

مقبرہ بنات النبی ﷺ کے بالمقابل جانب شمال مقبرہ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ سے متصل مقبرہ ازدواج النبی واقع تھا۔ اس کے متعلق عام طور پر یہ مشہور تھا کہ بجز حضرت خدیجہؓ اور حضرت میمونہؓ کے علاوہ جن کے مزارات مکہ میں ہیں باقی تمام امہات المومنین کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی اور ان کا مدفن یہی مقبرہ تھا۔ البتہ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ ازدواج رسول اللہ ﷺ کی قبور مقبرہ اہل بیت کے قریب واقع تھیں۔ ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ حضرت عقیل اپنے مکان واقع بقیع غرقد میں ایک کنواں کھدوا رہے تھے کہ اس کھدائی سے ایک پتھر برآمد ہوا جس پر قبر ام حبیبہؓ بنت صخر بن حرب لکھا ہوا ملا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ پتھر حضرت امام زین العابدینؒ کے گھر میں نکلا تھا۔ اسی طرح حضرت ام سلمہؓ کی قبر حضرت سیدہ فاطمہؓ کی قبر سے متصل بھی بیان کی جاتی ہے۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بقیع میں مدفون امہات المومنینؓ کی قبور کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ واللہ اعلم اس زمانے میں یہ مقبرہ تعمیر ہوا بھی کہ نہیں البتہ ابن جبیر نے لکھا ہے کہ ایک روضہ میں ازدواج النبی ﷺ کی قبور واقع ہیں۔ علامہ سمہودی نے اس مقبروں میں قبروں کی تعداد چار بتائی ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ کن بیبیوں کی قبور تھیں۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ایک روضہ میں امہات المومنین کی قبور ہیں مگر تعداد نہیں بتائی۔ علامہ سمہودی نے "وفاء الوفا" میں لکھا ہے کہ اس مقبرے میں اندر زمین بالکل مسطح ہے۔ قبروں کی علامت نہیں ہے البتہ ایک بلند سنگین احاطہ سا بنا ہوا ہے جس پر 853ھ میں ایک امیر "دمکہ المعمار" نے قبہ تعمیر کرایا تھا۔

انیسویں صدی عیسوی میں فرنگی سیاح برکہارٹ اور برٹن نے مسلمانوں کے بھیس میں سفر حجاز کیا تھا۔ انھوں نے صرف یہ لکھا ہے کہ اس مقبرے میں ازدواج رسول ﷺ مدفون ہیں۔ مولوی سید انور علی نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ اس میں گیارہ بیبیاں مدفون ہیں۔ 1287ھ میں اس مقبرے کا ذکر سید جعفر برزنجی نے نزہتہ الناظرین میں کیا ہے۔ خواجہ حسن نظامی جو 1911ء میں زیارت پر گئے تھے انھوں نے اپنے سفرنامے میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ مولوی محی الدین حسین نے اپنے سفرنامے حرمین میں لکھا ہے کہ سوائے حضرت خدیجہؓ اور حضرت میمونہؓ کے اس مقبرے میں سب امہات المومنین

مدفون ہیں۔ عبدالرحیم بنگلوری نے اپنے سفرنامہ میں یہ صراحت کی ہے کہ اس قبے میں حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت سودہؓ، حضرت ام حبیبہؓ حضرت حفصہؓ اور حضرت ام سلمہؓ مدفون ہیں۔ یہ مقبرہ اغلب ہے کہ نویں صدی ہجری میں تعمیر کیا گیا تھا اور اہل نجد نے اپنے پہلے قبضے 1219ء میں اسے شہید کر دیا تھا۔ محمد علی پاشا نے اسے بھی دوبارہ تعمیر کرایا بعد میں یہ دوبارہ 1342ء میں مسمار کر دیا گیا۔ 1345ء میں علی شبیر نے اس مقبرہ کی جگہ ایک چبوترہ دیکھا جس پر چھ قبور تھیں اور اس چبوترے کو مقبرہ ازوواج النبی ﷺ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اور زائرین اس چبوترے کے نزدیک کھڑے ہو کر ''السلام علیک یا ازواج النبی ﷺ'' کہہ کر سلام پڑھتے تھے۔ (مزارات حرمین از علی شبیر)

مقبرہ عقیل بن ابی طالب

مقبرہ ازواج النبی ﷺ کے قریب مقبرہ عقیل واقع تھا۔ اس مقبرے میں تین قبور بیان کی جاتی تھیں جن میں سے ایک تو حضرت عقیل کی تھی۔ دوسری عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ جو جنابہ سیدہ زینبؓ بنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شوہر تھے۔ اس مقبرے میں تیسری قبر آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کی تھی۔ علامہ سمہودی نے لکھا ہے کہ حضرت عقیلؓ اور ان کے بھتیجے حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی قبر کا ذکر بقیع میں مدفون شخصیات میں ملتا ہے۔ یہ مقبرہ بھی 1219ء میں مسمار کیا گیا اور دوبارہ تعمیر کے بعد اسے پھر دوبارہ 1342ھ میں منہدم کر دیا گیا تھا۔ علی شبیر نے جب اس کی زیارت کی تھی تو یہاں صرف دوؓ قبور کے نشان پائے تھے۔

مقبرہ امام مالکؒ

حضرت عقیلؓ سے کوئی دس گز آگے بقیع غرقد کے عین وسط میں امام مالکؒ بن انس کا مزار تھا۔ ان کی وفات 179ھ میں ہوئی تھی۔ اس مقبرے کو بھی خلیفہ مسترشد باللہ نے تعمیر کرایا تھا۔ امام غزالیؒ نے اس مقبرے کا ذکر نہیں کیا۔ بعد میں جو حالات بقیع میں واقع دوسرے قبوں کے ساتھ گزرے وہی قبہ امام مالکؒ کو پیش آئے تھے۔

مقبرہ نافعؒ

امام مالکؒ کی قبر کے پیچھے یہ مقبرہ واقع تھا مگر اس میں واقع قبہ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نافع مولائے ابن عمرؓ کی قبر تھی جن کی وفات 117ھ میں ہوئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قبر امام نافعؒ قاری مدینہ کی تھی۔ ایک روایت کے مطابق یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمٰن اوسط کا مزار تھا۔

مقبرہ ابوسحمہ بن عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب

ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کے قبے اور امام مالک کے قبے کے درمیان عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کی قبر واقع ہے۔ چودھویں صدی کے بعض ہندوستانی زائرین نے بھی اس کا

ذکر کیا ہے البتہ اس قبر پر گنبد کا پتہ کسی زمانے میں نہیں لگتا ہاں اگر حضرت نافع کی قبر کو ان کی قبر مان لیا جائے تو پھر یہ بھی قبے دار تھی علی شبیر نے 1345ء میں اس نام سے موسوم کوئی قبہ نہیں دیکھا تھا۔ (مزارات حرمین از علی شبیر)

مقبرہ سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ

مقبرہ امام مالکؒ و مقبرہ نافع کے کوئی بیس گز کے فاصلے پر بقیع کے بیچوں بیچ میں یہ مقبرہ واقع تھا۔ اس مقبرے میں صرف ایک قبر ہی بنی ہوئی تھی۔ اس مقبرے کا گنبد کا ذکر سب سے پہلے اندلسی سیاح ابن جبیر نے کیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ: مزار سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ پر سفید قبہ واقع ہے اور قبر پر لکڑی کے تختے بھی لگے ہوئے ہیں جن پر خوبصورت برنجی کا کام ہے۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ یہ صرف ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کا مزار ہے۔ علامہ سمہودی نے اس مقبرے میں دو اور قبروں کا ذکر کیا ہے جو غالباً حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور حضرت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بتائی جاتی تھیں۔ 1219ء میں اسے بھی شہید کر دیا گیا۔ اس کی دوبارہ تعمیر ہوئی جو 1343ء میں اہل نجد نے پھر مسمار کر دی۔ اس مقبرے پر کھڑے ہو کر لوگ السلام علیک من حولک من اصحاب رسول اللہ" پڑھتے تھے۔

قبر سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ

مقبرہ ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ میں حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ کی قبر بھی بیان کی جاتی تھی۔ انھوں نے ابتدائی سن ہجری میں وفات پائی۔

قبر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

مقبرہ ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کے مدفونین میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وہ بزرگ تھے جو سب سے پہلے بقیع غرقد میں بعد از ہجرت مدفون ہوئے۔ یاد رہے کہ اسلام لانے والوں میں ان کا نمبر چودھواں تھا۔ ان کو دفن کرنے سے قبل آنحضرت ﷺ نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور فرمایا تھا کہ آئندہ اہل بیت میں سے جو انتقال کرے گا اسے یہیں دفن کیا جائے گا۔ اس قبر کے سرہانے حضور نے اپنے دست مبارک سے ایک پتھر بھی کھڑا کیا تھا اور اسے ان کی قبر کی نشانی قرار دیا تھا۔ بعد ازاں چالیس سال بعد یہ پتھر زمانہ خلافت امیر معاویہؓ میں گورنر مدینہ مروان بن حکم نے یہ کہہ کر میں مناسب نہیں سمجھتا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قبر تو بلا امتیاز کے رہے اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر نشان امتیاز ہو، اٹھا لیا تھا۔

قبر خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ

یہ بزرگ مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے یہ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔ احد کی لڑائی میں کاری زخم لگنے سے شہادت پائی اور شوال 3ھ میں رحلت کی اور جوار حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ میں دفن ہوئے۔

قبر حضرت فاطمہ بنت اسد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد بھی مقبرہ سیدنا ابراہیم بن رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن تھیں۔

قبر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

یہ جلیل القدر صحابی عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ان کی رحلت کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہؓ نے انھیں کہلا بھیجا کہ اگر آپ رسول اللہ اور حضرت ابوبکر و عمر کے ساتھ دفن ہونا چاہیں تو حجرہ شریف میں آپ کے دفن کا انتظام کر دیا جائے مگر انھوں نے اس کو مناسب نہ سمجھا۔حضرت عائشہ ؓ کا مکان مزید ان کے لیے تنگ ہو جائے اور 32ھ میں جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

قبر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

ان کا مدفن بھی مقبرہ ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی خیال کیا جاتا ہے۔ان کی وفات 36ھ میں کوفہ میں ہوئی تھی۔یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ آپ کوفہ میں مدفون ہیں۔

قبر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

ان کا شمار بھی صحابہ عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔یہ فاتح ایران ہیں۔ان کا جب وقت رحلت آیا تو ایک دن یہ بقیع میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے پاس ایک قبر کھودنے کا کہا اور جب قبر کھد چکی تو وصیت فرمائی کہ مجھے اس قبر میں دفن کیا جائے۔

مقبرہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا مزار مبارک بقیع کے آخر میں دیوار سے متصل تھا۔یہ جانب شمال واقع تھا۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ ان کے مزار پر قبہ موجود تھا۔اس کی نسبت وہ "جذب القلوب" میں لکھتے ہیں کہ "ایک چھوٹا سا قبہ حضرت فاطمہ بن اسد کے قبے کے راستے میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی طرف منسوب ہے مگر مورخین نے اس کا ذکر نہ کیا۔انیسویں اور بیسویں صدی کے سیاحوں نے بھی اس قبے کی نشاندہی کی ہے۔یہ غالباً دسویں صدی ہجری میں تعمیر ہوا تھا۔یہ قبہ بھی اہل نجد کے ہاتھوں دو مرتبہ منہدم ہوا۔1345ء میں علی شبیر نے اس قبے کی جگہ صرف ایک قبر دیکھی اور فاتحہ پڑھی تھی۔(مزارات حرمین)

مقبرہ ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ

حضرت حلیمہؓ کے مزار کے قریب جانب مشرق حضرت ابی سعید الخدریؓ کا مزار تھا۔ یہ صحابی رسول تھے اور ان کے والد عبداللہ اصحاب بدر میں سے ایک تھے۔ انھوں نے وصیت کی تھی کہ ان کا جنازہ جلدی جدی لے جایا جائے تا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ ہو مگر لوگ ان کا جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے ان کے جنازے کے منتظر تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کی قبر پر کسی قبے کا ذکر نہیں کیا البتہ جعفر برزنجی نے لکھا ہے کہ یہاں جدید مقابر میں سے ایک ہے جو علامہ سمہودی کے بعد تعمیر کیے گئے تھے۔ بہرحال اس کا مقدر بھی دو مرتبہ اہل نجد کے ہاتھوں مسمار ہونا لکھا تھا۔

مقبرہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن معاذ الاشہلی آنحضرت ﷺ کے جلیل القدر صحابی تھے۔ غزوہ خندق میں انھیں ایک زخم لگا تھا جس کے صدمے سے جانبر نہ ہو سکے تھے اور رحلت فرمائی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور بقیع کی آخری حد میں دفن کیے گئے تھے۔

مقبرہ حضرت فاطمہ بنت اسد

مقبرہ ابی سعید الخدرتؓ سے جانب مشرق کوئی بیس پچیس گز کے فاصلے پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کا مقبرہ واقع تھا۔ وہ آنحضرت ﷺ کی شفیق چچی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی وفات کے وقت انھیں ''اے میری ماں کے بعد ماں'' کے خطاب سے یاد فرمایا تھا اور لحد میں بھی اپنے دست مبارک سے اتارا تھا اور ان کی قبر میں لیٹ کر تدفین سے پہلے دعا فرمائی تھی اور اپنی قمیص کفن کے لیے عطا فرمائی تھی اور صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا کہ حضرت ابی طالب کے بعد مجھ سے نیکی کرنے والا ان کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔

امام غزالیؒ، ابن جبیر اور ابن بطوطہ نے ان کے مزار کی زیارت کی تھی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی ''جذب القلوب'' میں اس مزار اور قبے کا ذکر کیا تھا۔ یہ قبہ 1219ھ تک قائم رہا اور دوبار اہل نجد کے ہاتھوں مسمار کیا گیا۔ علی شبیر نے لکھا ہے کہ بعض اہل کشف نے بذریعہ مکاشفہ حضرت علیؓ کو اپنی والدہ کے پاس اسی مقبرے میں موجود دیکھا تھا اور بعض بزرگ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا جسد کوفہ سے لا کر یہاں سپرد خاک کیا گیا تھا۔

مقبرہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، خلیفہ سوم

بقیع غرقد کے کنارے مشرقی میں سب کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ کا مقبرہ واقع تھا۔ حضرت عثمانؓ کی

فسادیوں کے ہاتھوں شہادت کے بعد لوگوں نے چاہا تھا کہ انہیں آنحضرت ﷺ کے روضہ مطہرہ میں دفن کریں مگر اس کی شدید مخالفت ہوئی اور بالآخر ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے سمجھانے پر ان کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ وہاں بھی مخالفت ہوئی اور بقیع کے ایک کونے کوکب میں دفن کیے گئے۔ مروان بن حکم نے جیسا کہ پہلے ذکر آیا اپنی گورنری کے زمانے میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے سرہانے سے رسول اللہ ﷺ کا نصب کردہ پتھر اکھاڑ کر حضرت عثمانؓ کی قبر پر نصب کردیا تھا۔ اس قبر پر قبہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ایک امیر اسامہ بن سنان الصالحی نے 861ھ میں تعمیر کرایا تھا جو تیرھویں صدی ہجری تک قائم رہا اور 1219ھ میں پہلی بار اور 1343ھ میں دوسری مرتبہ اہل نجد کے ہاتھوں منہدم کردیا گیا تھا۔

یہاں بڑے دکھ سے لکھنا پڑتا ہے کہ اقوام عالم اپنے ماضی کے یادگارروں کی حفاظت کرتی ہیں اور انھیں برقرار رکھتی ہیں مگر اہل نجد نے اپنی قومی یادگاروں کو مسمار اور منہدم کردیا اور یہ سلسلہ توسیعات حرم کے ذریعے زمانہ حال تک جاری ہے۔ (مزارات ومقابر حرمین شریفین از علی شبیر)

مدینہ منورہ کے تاریخی کنوئیں

بیئر بضاعۃ

ابن شبہ نے سہیل بن اسعدؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اس کنوئیں کا پانی رسول اللہ ﷺ کے نوش کرنے کے لیے لے جاتے تھے۔ سہل بن اسعدؓ نے مزید بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کنوئیں کا پانی نوش کر کے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ پانی پاک وصاف رہتا ہے اگر اس میں باہر کی کوئی آلودگی شامل ہونے کا احتمال نہ ہو۔

محل وقوع

یہ کنواں حاء نامی کنوئیں کے مغرب میں واقع تھا۔ مورخ المطری کے بیان کے مطابق یہ الشامی باغ کے قریب اور دو باغوں کے درمیان واقع تھا جو اس کے شمال اور جنوب میں لگے ہوئے تھے۔ ان دونوں باغوں کی آبپاشی بھی اسی کنوئیں سے ہوتی تھی۔ اس کنوئیں کا پانی شفاف اور میٹھا تھا

المطری کے بیان کے مطابق مسجد نبوی کا خادم خاص شجاع شاہین جمالی نے وہ کنواں اور دونوں باغ خرید لیے تھے اور کنوئیں کو محفوظ کرنے کے لیے اس پر ایک مکان بنا دیا۔ آب پاشی کے لیے انھوں نے ایک دوسرا کنواں کھدوایا تھا۔

ابن النجار کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے جب اس کنوئیں کی پیائش کی تو معلوم ہوا کہ اس کی گہرائی ساڑھے چار میٹر تھی اور کنوئیں کے اندر پانی کی سطح آدھ میٹر گہری تھی۔

یہ کنواں الشامی نامی علاقے میں تھا۔ دور جدید میں عمارتیں تعمیر کرنے کے مقصد کی خاطر یہ باغات صاف کر دیے گئے۔ یہ بہذا نامی باغ کے وسط میں تھا۔ جب باغ کی جگہ تعمیرات ہوئیں تو یہ کنواں ایک عمارت کے وسط میں آ گیا۔ اس کے مالکوں نے اس کنوئیں میں ایک ٹیوب ویل نصب کر لیا تھا جس کے ذریعے سامنے ایک باغ کی سینچائی ہوتی تھی۔ بعد ازاں اس کنوئیں کو ایک پختہ کمرے میں محفوظ کر دیا گیا تھا اور زیارت کے لیے کھول دیا گیا تھا۔

بئیر حاء

ابوطلحہ بن سہل انصار مدینہ میں سب سے زیادہ باثروت صحابی رسول تھے۔ یہ کنواں ان کی ملکیت تھا اور مسجد نبوی

کے انتہائی قریب واقع تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کنوئیں کا پانی بھی نوش فرمایا کرتے تھے۔

جب قرآن کریم کی وہ آیت نازل ہوئی جس میں مال دار لوگوں کو غربا و مساکین کی مدد کرنے کی ہدایت دی گئی تو ابوطلحہ نے یہ کنواں اپنے عم زاد بھائیوں حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت حسان بن ثابتؓ کو عنایت کر دیا۔

محل وقوع

ابن النجار کے بیان کے مطابق یہ کنواں مدینہ منورہ کی فصیل کے پاس ایک چھوٹے سے باغ کے عین وسط میں واقع تھا اور اس کا پانی بہت صاف اور میٹھا تھا جو پینے کے لیے برتنوں میں بھر کر رکھ لیا جاتا تھا۔

حالیہ زمانے میں

یہ کنواں زمانہ حال تک موجود تھا اور اس میں پمپ لگا دیا گیا تھا تاہم بعد ازاں یہ کارآمد نہ رہا۔ اب وہاں باغ کے آثار بھی نہیں بچے۔ مورخ مدینہ علی حافظ لکھتے ہیں کہ اس کنوئیں کی جگہ وہ عمارت تعمیر کر دی گئی تھی جو الکردی خاندان کی ملکیت تھی۔ یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی تھی جو غیر آباد تھی۔

بئیر البصہ

حضرت ابوسید الخدریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ غسل کے لیے پانی دے سکتے ہیں تو انھوں نے بئیر البصہ سے بالٹی بھر کر پانی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور آنحضرت ﷺ نے اس پانی سے اپنا سر مبارک دھونے کا اہتمام کیا۔

محل وقوع

ابن النجار کے قول کے مطابق بئیر البصہ جنت بقیع کے قریب واقع تھا۔ اس کی گہرائی 4.9 اور قطر 2.7 میٹر تھا۔ ان کے بیان کے مطابق اس کنوئیں کے برابر میں ایک اور چھوٹا کنواں بھی واقع تھا جس کی وجہ سے لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی تھی کہ اصل بئیر البصہ کون سا ہے؟ مورخ العباسی نے لکھا ہے کہ یہ دونوں کنوئیں ایک باغ میں تھے اور مدینہ منورہ کے معمر افراد کی یقین تھا کہ جنوب میں جو بڑا کنواں ہے وہی اصل بئیر البصہ ہے۔

زمانہ حال میں

مورخ العباسی اور علی حافظ نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں البصے نامی ایک باغ تھا۔ یہ باغ موضع قبا اور سربان والی شارع پر تھا جہاں لوگ جنت البقیع کے جنوبی سرے سے دائیں طرف مڑ کر شارع العوالی سے ہو کر آتے تھے۔ اس باغ کی اینٹوں کی چہار دیواری اور ایک تالاب بھی تھا۔ باغ کے اندر دو کنوئیں تھے جن میں سے بڑا کنواں البصہ تھا۔ مورخ علی حافظ نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کنوئیں کی پیائش کی تھی تو اس کنوئیں کا قطر چار میٹر تھا۔ مورخ

علی حافظ کے زمانے میں یہ کنواں شکستہ حالت میں موجود تھا اور اس کے گرد اگے ہوئے جنگلی جھاڑ جھنکار اس کی زبوں حالی میں اضافہ کرتے تھے۔

بئیر اریس یا الخاتم

صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق ایک دن آنحضرت ﷺ اس کنوئیں پر اپنی ٹانگیں لٹکائے تشریف فرما تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ بن خطاب وہاں آگئے اور آنحضرت ﷺ کے قریب بیٹھ گئے۔ پر جب حضرت عثمانؓ بن عفان وہاں پہنچے تو ان تینوں کے قریب جگہ نہ پا کر بالمقابل تشریف فرما ہوئے۔ تب اس جگہ تشریف رکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان تینوں اصحاب کو جنت الفردوس میں جگہ پانے کی بشارت دی تھی۔ (اریس ایک یہودی نام ہے جس کے معنی کسان کے ہیں)

رسول اللہ ﷺ نے جو انگوٹھی شاہان عرب عجم کو ارسال کردہ خطوط پر مہر ثبت کرنے کے لیے بنوائی تھی آپ ﷺ کے وصال کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ کو ملی۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کو اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کو بحیثیت خلیفہ سوم ملی تھی۔ ایک دن حضرت عثمانؓ اسی کنوئیں پر بیٹھے تھے کہ وہ انگوٹھی ان کی انگلی سے نکل کر کنوئیں میں جا گری۔ حضرت عثمانؓ نے تین دن تک مسلسل اس کنوئیں کے اندر وہ انگوٹھی تلاش کرائی مگر نہ مل سکی۔ اسی دن سے اس کنوئیں کو بئیر الخاتم (انگوٹھی) کے نام سے یاد کیا جانے لگا تھا۔

محل وقوع

یہ کنواں مسجد قبا کے مغرب میں صدر دروازے سے ٹھیک 42 میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کنوئیں میں پانی کی سطح بارش کی اوسط پر منحصر تھی۔ بعد ازاں اس کی مزید کھدائی کر کے اس کی گہرائی ساڑھے آٹھ میٹر کر دی گئی تا کہ پانی کی مقدار بڑھ جائے۔ 714ھ/1317ء میں اس کنوئیں کی تہہ میں اترنے کے لیے سیڑھیاں بھی نصب کر دی گئی تھیں لیکن یہ سیڑھیاں کس نے تعمیر کرائی تھیں اس بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ یہ شیخ صفی الدین ابن ابوبکر ابن احمد السلامی نے تعمیر کرائی تھیں جبکہ کچھ دوسروں کے خیال کے مطابق ان کی تعمیر نجم الدین یوسف الرومی نے کرائی تھی جو امیر طفیل کے وزیر تھے۔ عہد عثمانی میں اس کنوئیں پر کھریا مٹی کا گنبد تعمیر کیا گیا اور ایک دوسرا گنبد اس کی جنوبی سمت میں بنایا گیا تھا۔ یہ دونوں گنبد بعد ازاں شکستہ ہو کر گرنے کی حالت کو پہنچ گئے تھے۔ جب 1384ھ/1964ء میں مسجد قبا کا چوک تعمیر کیا گیا تھا تو مدینہ میونسپلٹی نے ان گنبدوں کو منہدم کرا دیا تھا۔ مدینہ میونسپلٹی اس کنوئیں کی مرمت کرانے کا عزم بھی رکھتی تھی تاہم اس کنوئیں کا پانی خشک ہو گیا تھا اس لیے مسجد قبا کے چوک کی تعمیر کے دوران یہ کنواں زمین میں دفن ہو گیا تاہم اس کو دریافت کیا جا سکتا تھا۔

بئیر الغرس

ابن ماجہ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے انتقال کے بعد مجھے بئیر الغرس کے پانی سے بھری سات مشکوں سے غسل دیا جائے۔'' حضرت علیؓ کے قول کے مطابق آنحضرت اسی کنوئیں کا پانی نوش فرماتے تھے۔

محل وقوع

یہ کنواں مسجد القبا کے مشرق میں تقریباً نصف میل کے فاصلے پر واقع تھا اور کھجوروں کے باغات میں گھرا ہوا تھا۔ المطری کے بیان کے مطابق اسے آٹھویں صدی ہجری میں دوبارہ کھودا گیا تھا۔

مورخ مدینہ علی حافظ نے لکھا ہے کہ اس نے خود بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں اس کنوئیں کی پیائش کی تھی تو اس کی گہرائی 11 میٹر اور چوڑائی تین میٹر تھی۔ اس کا پانی شیریں تھا اور اس کنوئیں سے اس زمانے میں 37000 مربع میٹر کے قریبی باغ کو سینچا جاتا تھا۔

بئیر السقیا

مورخ السمہودی نے حضرت ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بئیر السقیاء کا پانی بھی نوش فرماتے تھے۔ اسی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا خادم رباح آنحضرت ﷺ کے پینے کے لیے پانی بئیر السقیا اور بئیر الغرس سے لے کر آتا تھا۔

محل وقوع

المطری کے بیان کے مطابق یہ کنواں حرم مدینہ میں آخری سرے پر ذوالحلیفہ میں بئیر علی کے مشرق میں واقع تھا۔ السمہودی کے مطابق فارس کے کچھ باشندوں نے 878ھ/1476ء میں اسے دوبارہ کھودا تھا اور تب سے اسے فرسیوں کا کنواں کہا جانے لگا تھا۔ جدید زمانے میں یہ کنواں میدان العنبریہ سے 100 میٹر کے فاصلے پر ریلوے اسٹیشن کے مشرق میں واقع تھا۔ جب شارع العنبریہ تعمیر ہوئی تو یہ کنواں بند کر دیا گیا تھا۔

بئیر رومہ (حضرت عثمانؓ)

یہ کنواں ہجرت کے بعد ایک یہودی کی ملکیت تھا جو اس کے پانی کی بھاری قیمت مسلمانوں سے وصول کرتا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان نے بیس ہزار درہم میں اسے خرید کر تمام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

محل وقوع

السمہودی کے مطابق یہ کنواں وادی العقیق کے وسط میں واقع تھا اور مسجد قبلتین کے شمال میں تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ ابن النجار نے اس کنوئیں کی گہرائی 8 میٹر اور چوڑائی 3.6 میٹر بتائی ہے۔ مورخ المطری کے مطابق مکہ معظمہ کے قاضی محمد ابن الجب نے اسے 750ھ/352ء میں ٹوٹ جانے کے بعد دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔

مورخ علی حافظ کے زمانے (بیسویں صدی کے نصف میں) اس کنوئیں میں پانی نہ ہونے کے برابر تھا اور یہ ایک باغ کے وسط میں وادی العقیق کے کنارے بڑے بڑے سیاہ پتھروں سے ڈھکا ہوا تھا۔ یہ باغ مسجد نبوی کے اوقاف کی ملکیت تھا۔

بئر العھن ۔ الیسیرہ

السمہودی کے بیان کے مطابق ایک بار آنحضرت ﷺ نے اس کنوئیں کے پانی سے وضو فرمایا تھا۔ علی حافظ نے بیسویں صدی کے وسط میں اس کی پیائش کی تھی۔ اس کا قطر 3.6 میٹر اور گہرائی 16.5 میٹر تھی۔ یہ کنواں بعد میں استعمال میں نہیں رہا تھا۔

السقیفہ بنی ساعدہ

السقیفہ پتھروں اور انیٹوں سے بنی ہوئی تین دیواروں والی وہ عمارت تھی جس کی چھت کھجور کے پتوں اور لکڑی سے بنی ہوئی تھی۔ یہ عمارت خاص طور پر اہل مدینہ کے مجلسی اجتماع کے لیے استعمال ہوتی تھی۔

پہلی اسلامی کانفرنس

پہلی اسلامی کانفرنس جو مدینہ منورہ میں منعقد ہوئی وہ اسی عمارت میں آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے بعد منعقد ہوئی تھی اور اس میں مہاجرین وانصار نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ اول منتخب کیا تھا۔ ابن زبالہ نے سہل بن سعد بن عبادہؓ کی روایت بیان کی کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مسجد کے قریب اسی السقیفہ کی عمارت میں تشریف فرما تھے جب آپ نے وہی کی لسی سے حضرت ابن عبادہؓ کی خاطر تواضع فرمائی تھی۔ مورخین میں السقیفہ کی عمارت کے جائے وقوع میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ السمہودی کے بیان کے مطابق السقیفہ کی عمارت بئیر بضاعہ کے قریب واقع تھی۔ عبدالقدس انصاری نے اپنی کتاب "آثار المدینہ" میں بھی یہی محل وقوع بیان کیا ہے۔ المطری نے بھی ان دونوں مورخین کی تصدیق کی ہے۔ الانصاری نے لکھا ہے کہ السقیفہ برآمدوں والی عمارت تھی جس میں ایک بند دروازہ اور شیخ النمل نامی گنبد تھا۔ عمارت کھریا مٹی کی بنی ہوئی تھی اور باسیمی نامی شارع پر الشامی چوک کے قریب تھی۔ یہ 1030ھ/1620ء میں علی پاشا کے عہد حکومت میں تعمیر ہوئی تھی۔ اس بات پر عام اتفاق ہے کہ السقیفہ اسی مقام پر واقع تھی۔ اگر بالکل عین اسی جگہ نہیں تو یقیناً اس کے قریب ترین کسی جگہ پر ہوگی۔

مثلث السلطانیہ

السقیفہ کا محل وقوع مدینہ منورہ کے جس حصے میں تھا اسے مثلث السلطانیہ کہا جاتا ہے۔ یہ ایک باغیچہ تھا جس کے جنوب میں ایک دومنزلہ عمارت تھی۔ باغیچہ اور عمارت ایک وقف سے تعلق رکھتے تھے جو محکمہ اوقاف کے انتظام میں تھا۔

1383ھ/1963 میں مدینہ میونسپلٹی نے اس جگہ کو حاصل کرنے کی پیشکش کی تھی جہاں السقیفہ واقع تھا۔ اس کی قیمت اس وقت بیس لاکھ ریال اندازہ کی گئی تھی۔ میونسپلٹی کی تجویز وہاں ایک لائبریری اور مسجد بنانے کی تھی۔ اس

لائبریری میں السقیفہ بنی ساعدہ نامی ایک آڈیٹوریم تعمیر کرنے کا منصوبہ بھی تھا تا کہ اس نام سے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد اس عمارت میں منعقد ہونے والی پہلی اسلامی کانفرنس کی یاد قائم کی جائے جس میں حضرت ابو بکرؓ کا چناؤ عمل میں آیا تھا۔

السقیفہ کی تاریخی حیثیت

المورخ علی حافظ المدنی لکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں السقیفہ عمارت کا پرانا رواج ہے۔ یہاں لوگ اجتماعی محفلوں کے لیے تین دیواروں والی عمارتیں تعمیر کرتے رہے ہیں۔ یہ دیواریں مشرق، مغرب اور جنوب کی سمت میں تعمیر کی جاتی تھیں اور شمالی سمت خالی چھوڑ دی جاتی تھی تا کہ موسم گرما میں ہوا کی آمد و رفت رہے اور گرمی کی شدت کم محسوس ہو۔ رمانہ جدید میں ایسی عمارتیں جدید سامان تعمیر سے بنائی جاتی رہی ہیں۔ ایسی عمارتوں کا طول و عرض ضرورت کے اعتبار سے رکھا جاتا تھا۔

مثلث السطانیہ جہاں سقیفہ بنی سعد کی عمارت واقع تھی شارع السحیمی کے شروع ہی میں واقع تھی۔ اس مثلث کی طرف مسجد نبوی سے تقریباً ہر سڑک جاتی ہے اور یہ باب الشامی سے کچھ زیادہ فاصلے پر واقع نہیں تھی۔ یاد رہے باب الشامی مدینہ منورہ کا وہ علاقہ ہے جہاں دور جدید میں کئی ہسپتال بن گئے ہیں۔ پہلے پرانی فصیل میں ایک دروازہ تھا جو باب الشامی کہلاتا تھا۔

عین الزرقا (نیلا چشمہ)

عین الزرقا 51ھ (673ء) میں بنی امیہ کے پہلے حکمران حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے عہد حکومت میں گورنر مدینہ مروان بن الحکم نے ان کے حکم پر تعمیر کرایا تھا۔ اس کا نام الزرقا اس لیے پڑ گیا تھا کہ گورنر مروان بن الحکم کی آنکھیں نیلی تھیں۔

اس چشمے کو ارزق نامی کنوئیں سے پانی مہیا کیا جاتا تھا جو مسجد قبا کے مغرب میں الجعفر یہ نامی علاقہ میں واقع تھا۔ بعد میں مسجد قبا کے پاس نو کنوئیں کھودے گئے تا کہ ان سے اس چشمہ کو وافر مقدار میں پانی فراہم کیا جائے۔

آب رسانی کی سہولت

جدید دور میں مدینہ منورہ کے رہائشی علاقوں میں آب رسانی کے کے لیے کئی نل لگا دیے گئے جن میں پائپ کے ذریعے اس چشمے کا پانی فراہم کیا جاتا تھا۔ اس چشمے کا پانی کئی مقامات پر فراہم کیا گیا تھا جن میں المناخہ (المصلی مسجد کے قریب) الساحد، داخل القلعہ، باب اسلام، باب بصری، حارۃ الاغوات درب الجنائز اور الزکی وغیرہ۔

سعودی عہد حکومت میں اس چشمے کو بڑی اہمیت دی گئی تا کہ شہریوں کو صاف اور میٹھا پانی فراہم کیا جاسکے۔ 1344ھ/1926ء میں العین الزرقا کا نظام بہتر بنانے کے لیے ایک اسپیشل انتظامی کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے صدر زین العابدین مدنی مقرر کیے گئے تھے۔ 1379ھ/1959ء میں العین الزرقا کے محکمے میں کام کرنے والوں کی تعداد 69 تھی اور اس کا بجٹ معمولی تھا جبکہ 1385ھ/1965 میں اس کا بجٹ بڑھا کر 2.3 ملین سعودی ریال ہوگیا۔ 1398ھ/1978ء میں مدینہ منورہ میں پانی اور سینچائی کا محکمہ قائم کیا گیا جس میں العین الزرقا نے اپنی انفرادی شناخت کھودی لیکن اس کی تاریخی اہمیت آج بھی باقی ہے۔ بعد ازاں سمندر کے کھاری پانی کو پینے کے قابل بنانے کے لیے پلانٹ نصب کیے گئے جو آج بھی کام کر رہے ہیں۔

مدینہ منورہ کے اردگرد کی وادیاں اور پہاڑ

عربی زبان میں ''وادی'' سے ندی کے آس پاس کی زمین مراد ہے مگر عام طور پر اس سے مراد ندی ہی لی جاتی ہے۔ یہ ندی عموماً بارشوں کی زیادتی کی وجہ سے بہنے لگتی ہے جبکہ عام دنوں میں یہ خشک رہتی ہے۔ مدینہ منورہ کے گرد ایسی کئی وادیاں ہیں جن میں وادی عقیق، وادی رانونا، وادی قنات، وادی بطحان زیادہ معروف ہیں۔ یہ وادیاں مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں جا کر آپس میں مل جاتی ہیں۔ ان وادیوں کے سنگم کے اس مقام کو مجمع الاسیال کہا جاتا ہے۔ مدینہ منورہ کے مغرب میں وادی عقیق اور وادی بطحان بہتی ہیں جبکہ وادی رانونا اور عقیق جنوب سے شمال کی سمت میں بہتی ہیں جبکہ قنادہ جنوب مشرق سے مغرب کو بہتی ہے۔ درج ذیل میں ان وادیوں میں سے چند ایک کا تذکرہ بطور تبرک پیش ہے۔

وادی عقیق

وادی عقیق مدینہ منورہ کے مغرب میں واقع ہے۔ اس وادی اور شہر کے درمیان حرۃ الوبرہ حائل ہے۔ یہ شمال کی سمت میں بڑھتی ہوئی وادی الحمد سے جا ملتی ہے۔ اس وادی کا نام قدیم تذکروں میں 'اضم'' لکھا جاتا تھا۔ یہ الوجہ کے جنوب میں بحیرہ احمر میں جا گرتی ہے۔ جبل عیر مدینہ منورہ کے جنوب میں وادی عقیق کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ یہ وادی اپنا پانی آس پاس کے برساتی نالوں سے حاصل کرتی ہے۔ زور کی بارش کے بعد اس وادی میں ایک وسیع وعریض دریا وجود میں آ جاتا ہے جسے محققین دریائے فرات کی مثل بتاتے ہیں جبکہ بارش میں کمی کی وجہ سے اس وادی میں پانی کے ذخیرے صرف کنوئیں تک محدود ہو جاتے ہیں جن سے انسان، حیوان اور درخت اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ عہد نبوی میں مدینہ سے مکہ جانے والی شاہراہ کی پہلی منزل یہی وادی عقیق تھی۔ یہ شاہراہ اس وادی سے گزر کر ذوالحلیفہ پہنچتی تھی جو اہل مدینہ کے لیے مقام میقات ہے۔ یاد رہے کہ آج کل بھی یہی راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔ کئی حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وادی عقیق کو ''مبارک وادی'' کہا ہے۔ آپ ﷺ اس وادی سے شوق شگفتگی رکھتے تھے۔ اللہ کے ایک فرشتہ نے آپ

ﷺ کو ایک مرتبہ اس وادی میں خدا کی عبادت کرنے کے لیے کہا تھا۔ وادی عقیق کی لمبائی 150 کلومیٹر ہے اور یہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ وادی صغیر کہلاتا ہے جبکہ دوسرا وادی کبیر۔ وادی صغیر والے حصہ میں وہ مشہور کنواں واقع ہے جسے بئیر رومہ کہا جاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کنوئیں کو ایک یہودی سے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے یہ کنواں بعد ازاں بئیر عثمانؓ بھی کہلاتا تھا۔ وادی عقیق کا پانی اس قدر شیریں اور شفاف تھا کہ خلیفہ ہارون الرشید عراق جیسے دور دراز ملک میں رہتے ہوئے بھی اس وادی سے پینے کا پانی منگواتا تھا۔

وادی بطحان

مدینہ منورہ کے جنوب میں واقع مقام عوالی کے قریب مشرق و جنوب سے بہہ کر آنے والی تین وادیوں کا سنگم واقع ہے۔ اس سنگم سے وادی بطحان وجود میں آتی ہے جو یہاں سے شمال مشرق کی سمت میں بہنے لگتی ہے اور مدینہ منورہ کے مغرب میں واقع مسجد الفتح کے قریب سے بہتی ہوئی مجمع الاسیال کی طرف چلی جاتی ہے۔ اس کے مشرق میں جرف، عرصہ، بدائع اور جبل سلع واقع ہیں جبکہ مغرب میں ثنیۃ الوداع، ثنیۃ النور، راس الشنیہ اور حرۃ الوبرہ کے مقامات واقع ہیں۔ اس وادی کے جنوب مغرب میں انصار بنو ساعدہ، بنو باضہ او بنو سالم بن عوف کی گڑھیاں یا محلے واقع تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے وقت قبا سے مدینہ منورہ تشریف لے جاتے ہوئے بنو سالم بن عوف اور بنو بیاضہ کے محلوں کے مشرق سے گزر کر وادی بطحان عبور کی تھی اور پھر بنو نجار کے محلے کی طرف تشریف لے گئے تھے جو اس وقت یثرب کے شرق میں تھا۔

وادی رانونا

یہ وادی مدینہ منورہ کے جنوب میں واقع پہاڑ جبل عیر کے بائیں جانب واقع ایک اور پہاڑ سے شروع ہوتی ہے اور قرن صریح کے علاقے سے گزرتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ اس کے ایک جانب سد عبداللہ بن عمرو بن عثمان تھا جو سد عنتر کے نام سے مشہور تھا۔ وادی رانونا کے دائیں طرح قبا کا علاقہ ہے جہاں بنو عوف اور بنو انیف آباد تھے۔ قبا کے شمال میں آنحضرت ﷺ نے بوقت ہجرت وادی رانونا کو عبور کر کے نماز جمعہ ادا فرمائی تھی جو سرزمین مدینہ میں بنو بیاضہ اور بنو ساعدہ اور بنو عوف کے محلوں میں ادا کی جانے والی پہلی نماز جمعہ تھی۔

وادی مذینیب

اس وادی کے روضہ بنو امیہ کے پاس سے گزرنے والے مقام پر بنو امیہ کا باغ تھا۔ اس ندی کا پانی آگے چل کر زغابہ کے مقام پر جمع ہو جاتا تھا۔ مشرق سے ایک اور ندی وادی مہرور بہتی ہوئی آتی تھی اور وادی مذینیب میں فضا کے مقام پر مل جاتی تھی۔ ان دونوں ندیوں کے اس سنگم کے مشرق میں یہود بنو قریظہ کی آبادی تھی جبکہ یہود بنو نضیر وادی مذینیب کے جنوب میں آباد تھے۔ یہاں کعب بن اشرف نامی یہودی کا قلعہ تھا۔ یہ علاقہ العالیہ کہلاتا تھا۔

وادی مہزور

اس کے شمال میں یہود بنوقینقاع اور بنو واقف کے محلے واقع تھے جبکہ بستی بنوقریظہ اس کے جنوب میں تھی۔ یہ ندی حرۃ شرقیہ یا حرۃ واقم کے علاقے شوران سے چلتی تھی اور مدینہ منورہ کے جنوب میں بنوقریظہ کے علاقے تک آتی تھی اور فضا کے مقام پر وادی مذینیب سے مل جاتی تھی۔ بقیع غرقد کے اردگرد واقع کھجوروں کے باغات اسی وادی کے پانی سے سیراب ہوتے تھے۔ وادی مہزور کا ایک دھارا مروان بن حکم، بنو امیہ کے چوتھے خلیفہ کے قصر کے گرد سے ہوکر قصر بنو یوسف تک جاتا تھا اور پھر بقیع کا رخ کر لیتا تھا۔ پھر یہ مدینہ منورہ کے مشرق میں بنوحذیلہ کے علاقے سے گزر کر شمال میں وادی قناۃ میں شامل ہو جاتا تھا۔ ابن شبہ نمیری کے بیان کے مطابق عہد حضرت عثمان غنیؓ میں ایک مرتبہ اتنا شدید سیلاب آیا تھا کہ مدینۃ النبی ﷺ کے زیر آب آ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے مدینہ شریف کی حفاظت کے لیے ایک بند پتھروں اور مٹی سے بئیر مدری نامی کنوئیں کے نزدیک تعمیر کرایا تھا۔

وادی قناۃ

یہ ندی مدینہ منورہ کے شمال مشرق اور پھر شمال سے گزرتی تھی جہاں جبل احد اس کے شمال کی سمت میں آتا تھا۔ یاد رہے یثرب قدیم کی یہی وادی تھی جس میں یمن کا حمیری بادشاہ تبع داخل ہوا تھا اور اس کی وسعت دیکھ کر اس کے منہ سے نکلا تھا "ہذا قناۃ الارض" یعنی یہ تمام روئے زمین کی نہر ہے۔ کہتے ہیں اسی تاریخی وجہ کی بنا پر اس وادی کا نام قناۃ پڑ گیا تھا۔ اسے وادی سطاۃ بھی کہتے ہیں۔ مورخ المدائنی کے مطابق وادی قناۃ طائف سے آنے والے راستے میں پڑتی تھی اور ارحضیۃ اور قرقرۃ الکدر کے علاقوں سے گزر کر بئیر معاویہ نامی کنوئیں تک آتی ہے پھر شہدائے احد کی قبور کے قریب سے گرتے ہوئے یہ زعابہ کے علاقہ میں مجمع الاسیال میں آ گرتی ہے۔

جغرافیہ دانوں کے مطابق وادی قناۃ کا شمار حجاز کی بڑی وادیوں میں ہوتا ہے۔ اس میں سیلاب عموماً طائف کی طرف سے آتا تھا۔ 690ھ میں وادی قناۃ میں اتنا شدید سیلاب آیا تھا کہ جبل عینین کے سامنے واقع جبل الرماۃ کے آس پاس گہرے گڑھے پڑ گئے تھے اور چار ماہ تک مسلسل سیلابی پانی بہتا رہا تھا۔ یاد رہے کہ یہ جبل الرماۃ وہ تاریخی پہاڑی ہے جس پر غزوہ احد کے موقع پر آنحضور ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کو لشکر اسلام کے عقب کی حفاظت کے لیے متعین کیا تھا اور ان کی حکم عدولی سے لشکر اسلام کو شدید جانی نقصان پہنچا تھا۔ ایک غزوہ کے موقع پر وادی قناۃ کے جنوب میں خندق بھی کھودی گئی تھی۔

جیل الحرم النبوی شریف ﷺ

عثمانی سلطان عبدالحمید خاں (1861-1839ء) نے حرم نبوی شریف کی توسیع و تعمیر کا کام شروع کرایا تو

ترک ماہرین تعمیرات نے مدینہ منورہ کے نزدیک واقع ایک پہاڑ کے خوبصورت سنگ سرخ کو اس توسیع و تعمیر میں استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ پہاڑ وادی عقیق کے ایک جانب واقع ہے۔ پتھروں کو استعمال کے قابل بنانے کے لیے اس پہاڑ کے دامن میں پتھروں کو تعمیر کے قابل بنانے والے ماہرین اور کاریگروں کی ایک پوری بستی آباد کی گئی تھی۔ اس پہاڑ کی سنگلاخ چٹانوں سے حرم نبوی شریف میں نصب کرنے کے لیے بغیر جوڑ کے ستون بھی تیار کیے گئے تھے۔ سنگ سرخ کے یہ ستون آج بھی مسجد نبوی شریف کے اندرونی حصوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس پہاڑ کے پتھروں کے حرم نبوی شریف کی تعمیر میں استعمال کیے جانے کے بعد اس پہاڑ کا نام جبل الحرم نبوی شریف پڑ گیا۔

جبل الصھوہ

یہ وادی عقیق کا وہ حصہ ہے جو مدینہ منورہ کی سمت میں واقع ہے۔ اس حصے میں سے کچھ زمین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو عطا کی گئی تھی۔

جبل حبشہ

یہ پہاڑ وادی عقیق کی مغربی سمت میں واقع ے۔ اس کے نزدیک غزوہ احزاب کے موقع پر قریش کے حبشی غلاموں نے قیام کیا تھا۔ شاید اسی نسبت سے اس کا نام جبل حبشہ پڑ گیا تھا۔

جبل سلع

مدینہ منورہ کے شمال میں واقع مشہور پہاڑ غزوہ خندق کے موقع پر اس کا ذکر آتا ہے۔

جبل الرماۃ

جبل احد سے متصل ایک چھوٹا پہاڑ غزوہ احد کے موقع پر جیسا کہ پہلے ذکر آیا رسول اللہ ﷺ نے اسی پہاڑ پر تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا تھا۔

جبل احد

مدینہ منورہ کے مضافات میں واقع مشہور پہاڑ جہاں 3 ہجری میں غزوہ احد ہوا تھا۔ یہ پہاڑ مشرق سے مغرب کی سمت 6 کلومیٹر طویل ہے اور دور سے دیکھنے پر کئی پہاڑوں کا مجموعہ دکھائی دیتا ہے۔ مدینہ منورہ اور جبل احد کے درمیان تقریباً تین یا چار میل کا فاصلہ ہے۔ اس پہاڑ کے بارے میں ارشاد نبوی ہے: "یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور یہ جنت کے دروازوں میں ایک دروازہ پر ہے۔" (صحیح بخاری شریف)

زغابہ

یہ مقام وادی عقیق اور وادی الصغیر کے عقب میں واقع ہے۔ اس مقام پر حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی قبر واقع

ہے۔ یہاں حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی زمین میں مدینہ منورہ کی برساتی ندیوں کا پانی جمع ہو جاتا تھا جسے "مجمع الاسیال" کہتے تھے۔ اس جگہ کو وادی اضم بھی کہا جاتا تھا۔

وادی جن

وہ وادی جہاں ہموار زمین اور چڑھائی پر گاڑیاں خود بخود رواں دواں ہو جاتی ہیں۔ یہ وادی مدینہ منورہ سے 35 کلومیٹر کے فاصلے پر شمال مغرب میں واقع ہے اور ایک سڑک اس وادی کے درمیان سے گزرتی ہے۔ اس وادی کا نام وادی بیضا یا سفید وادی ہے۔ یہ نیم دائرے کی شکل کی ہے اور اس کے اطراف میں سیاہی مائل پہاڑی سلسلہ ہے جس میں بیچوں بیچ یہ وادی ایک سفید پیالے کی شکل کی دکھائی دیتی ہے۔ اس وادی میں جب گاڑی کو نیوٹرل گیئر میں ڈالا جاتا ہے تو گاڑی خود بخود چلنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ وادی جن یا وادی بیضا میں گاڑیاں صرف ایک ہی سمت میں خود بخود چلتی ہیں یعنی جانب مدینہ جبکہ مخالفت میں وہ ہرگز حرکت نہیں کرتیں۔ ایک صاحب نے اس کا آنکھوں دیکھا حال کچھ یوں لکھا ہے کہ جیسے ہی ہم اسی سمت میں آئے جس میں گاڑی خود بخود چلتی تھی تو تھوڑا آگے جا کر ڈرائیور نے گاڑی کو نیوٹرل گیئر میں ڈال دیا اور بریک پر سے پیر ہٹا لیا تو گاڑی خود بخود آہستگی کے ساتھ آگے بڑھنے لگی اور گاڑی کی رفتار بتدریج بڑھنے لگی اور 10 کلومیٹر فی گھنٹہ تک جا پہنچی۔ ہم حیران تھے کہ یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ گاڑی خود بخود چڑھائی پر بھی چڑھ رہی ہے مگر کچھ دور جانے کے بعد گاڑی کی رفتار ٹوٹ گئی اور گاڑی بالآخر ٹھہر گئی۔ اس طرح گاڑی کے خود بخود چلنے کو کچھ لوگ کرشمہ قدرت اور کچھ لوگ اسے جنات کا کام بتاتے ہیں۔ تیسرا مکتب فکر ان لوگوں کا ہے جن کا خیال ہے کہ اس وادی کے اطراف و جوانب میں کچھ ایسے پہاڑ واقع ہیں جن میں خاص طرح کی مقناطیسی کشش پائی جاتی ہے جو گاڑی کے ایک ہی سمت میں خود بخود چلنے کی وجہ ہے۔ سائنس دان ایسے مقامات کو گریوٹی ہلز (Gravity Hills) کا نام دیتے ہیں اور ایسے مقامات دنیا میں کئی دوسری جگہ پر بھی پائے جاتے ہیں۔ وہاں یہ بات مشترک ہے نیوٹرل گیئر میں گاڑی نہ صرف خود بخود چلنے لگتی ہے بلکہ چڑھائی پر بھی چڑھ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ان مقامات پر اگر پانی ڈالا جائے تو وہ بھی نشیب کی بجائے بلندی کی طرف جاتا ہے۔ ایسے مقامات سعودی عرب کے علاوہ بھارت، چین اور انگلستان وغیرہ میں بھی ہیں۔

عہد نبوی ﷺ میں مدینہ منورہ کے دفاعی جنگیں

معرکہ احد

جنگ احد تاریخ اسلام کی خوفناک جنگوں میں سے ایک اہم اور بڑی جنگ تھی جو اسلام اور مدینہ منورہ کے دفاع میں لڑی گئی تھی۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو عارضی طور پر شکست ہوئی تھی جس کی وجہ ماہرین حرب اور مورخین نے سپہ سالاری غلط حکمت عملی یا غلط منصوبہ بندی کو قرار نہیں دیا بلکہ ایک درے پر متعین تیر اندازوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم عالی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جنگی اعتبار سے بڑی اہم پہاڑی کو محض مال وغنیمت کے حصول کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ اس جنگی غلطی کے سرزد ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ بذات خود اس جنگ میں زخمی ہوئے اور سر مبارک و چہرہ انور پر زخم آئے تھے مگر پھر آپ کے استقلال و پامردی اور اللہ تعالی کی مہربانی سے مسلمانوں کی یہ عارضی شکست ان کی فتح میں بدل گئی۔

جنگ احد، معرکہ بدر میں قریش کی شکست اٹھانے کے بعد انتقامی کارروائی تھی اور انھوں نے اسلام اور مدینہ منورہ کو ختم کرنے کے لیئے یہ حملہ کیا تھا۔

جنگ بدر میں شکست کھانے کے بعد دوبارہ اپنی فوج کو کفار مکہ نے منظم کیا اور بے دریغ دولت اس مقصد کے لیے خرچ کی۔ مورخین کے اندازے کے مطابق کفار مکہ کی یہ فوج 3000 سپاہیوں، 3000 اونٹ اور 200 گھوڑوں پر مشتمل تھی۔

جب کفار کی فوج نواح مدینہ منورہ میں پہنچی تو آنخضرت ﷺ نے صحابہ سے مشاورت کے لیے مجلس شوریٰ طلب کی جس میں صحابہ کرام کی اکثریت نے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر دفاعی جنگ لڑنے کی رائے دی جبکہ خود آنخضرت ﷺ مدینہ منورہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی رائے رکھتے تھے تاہم آنخضرت ﷺ نے صحابہ کرام رائے کو قبول فرمایا۔

آنخضرت ﷺ نے جنگ کا لباس زیب تن فرمایا تو صحابہ کو مدینہ منورہ سے باہر نکل کر دفاعی جنگ لڑنے کے اپنے مشورے پر ندامت ہوئی اور انھوں نے مدینہ منورہ میں رہ کر دفاع کرنے کی تجویز کو تسلیم کرلیا۔ اس پر آنخضرت ﷺ

نے فرمایا کہ جب ایک پیغمبر جنگی لباس زیب تن کر لیتا ہے تو وہ اسے اس وقت تک نہیں اتارتا جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان کوئی فیصلہ نہ کر دے۔

احد کے دامن میں کفار کا لشکر مسلمانوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی مورچہ بند ہو چکا تھا تاہم آنحضرت ﷺ نے اپنی عسکری بصیرت سے کام لیتے ہوئے اپنے ایک ہزار سپاہیوں اور صرف دو گھوڑوں پر مشتمل لشکر اسلام کو بہتر طور پر مورچہ بند کیا۔ آپ نے جبل الرمہ کی چوٹی پر پچاس تیر اندازوں کو متعین کیا تا کہ کفار مکہ لشکر اسلام پر عقب سے حملہ نہ کر سکیں۔ ساتھ ہی ان تیر اندازوں کو ہدایت فرمائی کہ فتح ہو یا شکست وہ کسی صورت میں اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔

جنگ کا دن

ہفتہ کے دن 15 شوال 3ھ/625ء کو دونوں فوجوں میں جنگ کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں نے بہت بہادری سے مقابلہ کیا اور قریش کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے مگر ابوسفیان کی ایک جنگی چال اور خالد بن ولید کے مسلمانوں پر عقبی طرف سے حملہ کرنے جس کی وجہ یہ تھی کہ جبل الرحمہ پر متعین تیر اندازوں نے جب مسلمانوں کو فتح پا کر مال غنیمت اکٹھا کرتے ہوئے پایا تو وہ بھی اپنی جگہ کو چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے لگ گئے جس کی وجہ سے خالد بن ولید نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو عارضی طورر پر شکست کا سامنا کرنا پڑا مگر اس صورت حال میں بھی آنحضرت ﷺ ایک پہاڑ کی مانند ثابت قدم رہے۔ اس جنگ میں آپ ﷺ کے چار دندان مبارک شہید ہوئے اور سر مبارک اور چہرہ مبارک پر زخم آئے مگر بالآخر مسلمان آپ کی اس شجاعت کی وجہ سے کامیاب رہے اور دشمنوں کو شکست ہوئی۔ دیگر مسلمان بہادروں کے ساتھ حضرت حمزہؓ بھی اس جنگ میں شہید ہو گئے اور مسلمانوں کا کافی جانی نقصان اٹھانا پڑا۔

غزوہ خندق والاحزاب

جب بنونضیر کے یہودی قبیلے کو آنحضرت ﷺ نے ان کی دغابازی اور سازشوں کی سزا کے طور پر مدینہ منورہ سے نکالا تو اس قبیلے کا سردار حی بن اخطب اور دیگر دشمنان خدا مستقل طور پر اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے اور انھوں نے قریش مکہ اور عرب کے ایک جنگجو قبیلے بنوغطفان اور دوسرے کئی قبیلوں کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تیار کر لیا۔

متحدہ افواج

یہودیوں نے قریش مکہ، بنوغطفان، بنی سلیم فزارہ، اشجع، مرہ اور کئی دوسرے عرب قبیلوں سے گٹھ جوڑ کر کے ایک متحدہ فوج ترتیب دی جس کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی۔ اس متحدہ فوج نے بالآخر مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس

جنگ میں مدینہ منورہ کا دفاع کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ کے گرد ایک خندق تیار کرائی اور اس کی تیاری میں خود بھی شرکت فرمائی۔ اسی خندق کی وجہ سے یہ معرکہ غزوہ خندق کہلاتا ہے۔

ادھر متحدہ افواج نے مجمع الاسیال نامی مقام پر اپنا کیمپ لگایا۔ یہ مقام آج کل البرکہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس جنگ کا آغاز تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ سے ہوا۔۔ دشمنوں نے مسلمانوں کے دفاع کو توڑنے کے لیے ایک کمزور اور کم حفاظتی مقام تلاش کرلیا اور اس طرف سے دشمن کے کچھ آدمی اندر داخل ہوئے۔ انھیں حضرت علیؓ اور دیگر بہادران اسلام نے روکا اور کچھ کو قتل کیا تو باقی واپس پلٹ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس جنگ میں متحدہ افواج نے مدینہ میں آباد ایک دوسرے یہودی قبیلے بنو قریظہ کو مسلمانوں سے غداری کرنے پر تیار کیا جس سے صورتحال بہت نازک ہوگئی مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس حربے کو ناکام بنادیا۔ طویل محاصرے سے خود کفار کی فوجوں میں بے چینی پھیل گئی اور ایک رات شدید آندھی سے ان کی ہمت پست ہوگئی جس کے بعد ابوسفیان اور اس کی متحدہ فوج نے خاموشی سے مکہ کی طرف کوچ کیا اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے مدینہ منورہ کا محاصرہ ختم ہوگیا۔

مدینہ منورہ ہم عصر عہد میں

المدینہ یونیورسٹی

مسجد نبوی شریف نے ایک طویل عرصہ تک اسلامیہ یونیورسٹی کا کردار ادا کیا۔ اس یونیورسٹی میں اسلامیات، عربی زبان، تاریخ وفلکیات، ریاضی اور فلسفہ اور کئی دوسرے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔

بہت سے عالم، سائنس دان، فلسفی، ریاضی دان، ہیئت دان، ادیب اور شاعر اس مسجد سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ عام طور پر یہ مضامین پانچوں وقت نماز کے بعد یا ان کے درمیانی وقفوں میں پڑھائے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ امام مالکؒ نے سوائے حج کے لیے مکہ معظمہ جانے کے علاوہ کبھی مدینہ منورہ سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ فلکیات پر بھی انھوں نے ایک کتب لکھی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مضمون مسجد نبوی میں پڑھایا جاتا تھا۔

عثمانی ترکوں کے عہد حکومت میں مدینہ منورہ میں باقاعدہ اسکول کھولے گئے اور لوگ رفتہ رفتہ تعلیم کے لیے مسجد سے ان اسکولوں کی طرف منتقل ہونے لگے۔ اس طرح مسجد نبوی کا کام تعلیم کی طرف راہنماء کرنے والی یویورسٹی کی حیثیت سے کم ہوتا چلا گیا۔ پھر جب سعودی حکومت قائم ہوئی تو مدینہ منورہ میں ایک یونیورسٹی قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور 1961-1956 المدینہ اخبار نے مدینہ منورہ میں ایک یونیورسٹی کے قیام کے لیے باقاعدہ مہم چلائی جس کے نتیجہ میں شاہ ابن سعود بن عبدالعزیز نے 25 ربیع الاول 1380ھ/ 1961ء کو مدینہ منورہ میں ایک یونیورسٹی قائم کرنے کے لیے ایک شاہی فرمان جاری کر دیا اور یوں مدینہ منورہ کی جامعہ اسلامیہ وجود میں آ گئی۔ مفتی اعظم شیخ محمد بن ابراہیم اس یونیورسٹی کے صدر مقرر ہوئے اور بیرونی ممالک کے سفارت خانوں کو مطلع کر دیا گیا کہ مدینہ یونیورسٹی ہر ملک کے طلبہ کی ایک محدود تعداد کو داخلہ دینے کے لیے تیار ہے۔ طالب علموں کو رہائش کے علاوہ دیگر سہولتیاں بھی فراہم کی گئی ہیں جس کے بعد ملکی اور غیر ملکی طلبہ اس نئی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کے لیے اُمڈ پڑے۔

اس یونیورسٹی کا مقصد طلبہ کو اسلامیات اور عربی زبان کی تعلیم دے کر عالم وفاضل بنانا ہے تا کہ وہ دین اسلام کی اشاعت میں اہم کردار ادا کر سکیں۔

مدینہ منورہ میں اسکولوں کا نظام

1385ھ/1965ء میں مدینہ منورہ میں صرف 31 اسکول تھے جن میں سے 24 ابتدائی تعلیم کے تھے جبکہ سات اسکول انٹرمیڈیٹ، سیکنڈری اور ٹیکنیکل تعلیم کے تھے۔ ان کے علاوہ ایک اسکول ٹیچر ٹریننگ کے لیے وقف تھا۔ مدینہ منورہ کے اسکولوں میں طلبہ کی تعداد ان دنوں 11394 تھی جبکہ مضافات مدینہ میں 69 اسکول تھے جن میں سے 60 ابتدائی تعلیم کے تھے اور ان میں طلبہ کی تعداد 11077 تھی۔

1403-04ھ/1983-84ء میں مدینہ منورہ میں اسکولوں کی تعداد بڑھ کر 198 تک پہنچ گئی جن میں ابتدائی تعلیم کے 119 اسکول تھے جن میں طلبہ کی تعداد 3594 تھی۔ 55 انٹرمیڈیٹ اسکولوں میں 9432 اور 17 سیکنڈری اسکولوں میں 3016 طالب علم زیر تعلیم تھے۔ دو اسکول ٹیکنیکل تعلیم کے لیے وقف تھے جن میں طلبہ کی تعداد 710 تھی۔

مدینہ منورہ میں کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی کالج

1404ھ/1984ء میں وزیر برائے اعلیٰ تعلیم حسن عبداللہ شیخ الشیخ نے حکومت کی اجازت سے مدینہ منورہ میں کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی سے ملحق کالج کھولا۔ کالج کے پہلے سال میں طلباء کی تعداد 60 تھی بعدازاں اس کالج میں 1061 طالب علم زیر تعلیم تھے۔ بعدازاں طالبات کے لیے ایک خواتین کالج بھی کھولا گیا جہاں 619 لڑکیاں تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔

مدینہ منورہ میں اسکول برائے طالبات

1385ھ/1965ء تک مدینہ منورہ میں طالبات کے لیے صرف گیارہ اسکول تھے جن میں سے نو ابتدائی تعلیم کے۔ ایک انٹرمیڈیٹ اور ایک ٹیچر ٹریننگ اسکول تھا۔ طالبات کی تعداد 4738 تھی۔

1403ھ/1983ء میں لڑکیوں کے اسکولوں کی تعداد بڑھ کر 102 ہو گئی اور مضافات مدینہ میں مزید 104 اسکول مصروف تعلیم تھے۔ اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں طالبات کے لیے پرائیویٹ اسکول بھی قائم تھے جن میں مدرسہ تہذیب الاخلاق، مدرسہ فاطمہ بانم اور دیگر اسکول شامل تھے۔

ریگستان میں تعلیم مدرسہ الصحرا

المسیجید مدینہ منورہ سے 83 کلومیٹر کے فاصلے پر مدینہ منورہ جدہ شارع پر واقع ہے۔ یہ صحرا میں قائم کیے جانے والا پہلا جدید اسکول تھا اور جدید نصاب رکھنے والا پہلا ابتدائی تعلیم کا اسکول تھا۔

یہ اسکول مورخ مدینہ علی حافظ مدنی اور ان کے بھائی عثمان حافظ نے قائم کیا تھا۔ انھوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ صحرا کے بدوؤں کو تعلیم کی سخت ضرورت ہے انھیں زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے صحرا میں یہ اسکول قائم کیا تھا۔ پہلے ایک کیفے کے ایک کمرے میں ایک کلاس لگائی گئی۔ بعدازاں اسکول کے لیے ایک علیحدہ عمارت کا انتظام کیا گیا۔ شروع میں دونوں بھائیوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اسکول کے قیام کے علاوہ ایک اور مشکل صحرانشینوں کو اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کا عادی بنانا تھا کیونکہ وہ شہروں سے دور ہونے کی وجہ سے تعلیمی ماحول سے بالکل غیر مانوس تھے۔ تاہم سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ اس صحرائی اسکول میں پڑھانے کے لیے ایک معلم ملنا بہت دشوار تھا۔ ایسے بہت کم اساتذہ تھے جو ریگستان میں رہنا منظور کریں لیکن بہرحال مدینہ منورہ کے ایک بڑے تعلیم دان، استاد سالم داغستانی نے یہ چیلنج قبول کیا اور وہ اپنے خاندان سمیت المسیجید چلے گئے اور انھوں نے ریگستانی زندگی کی تمام مشکلات انتہائی پامردی سے برداشت کیں۔

اس اسکول نے بڑی شہرت اور کامیابی حاصل کی اور صحرانشین بدو دور دور سے اپنے بچوں کو اس اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجنے لگے۔ پندرہ سال تک کامیابی سے چلانے کے بعد بانیان اسکول نے اس اسکول کو گورنمنٹ کے انتظام میں دے دیا۔ گورنمنٹ نے اس اسکول کے طلبہ کو ریلوے کی ٹریننگ کے لے نہ صرف دمام بھیجا بلکہ اس اسکول کے طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ بھی بھجوایا۔ امریکہ تعلیم حاصل کر کے واپس آنے والوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا۔

مدینہ لائبریری

21 دسمبر 1990ء شاہ فہد نے مدینہ لائبریری کی دس منزلہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ ملٹی ملین ریال کے اس منصوبے کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے خادم حرمین شریفین نے کہا تھا کہ سعودی حکومت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جیسے مقدس شہروں کی ترویج و ترقی کے لیے ہر وقت کوشاں ہے اور اسے اپنا فرض اولین سمجھتی ہے۔

مسجد نبوی شریف کے جنوب مغرب میں تعمیر کی جانے والی لائبریری کی اس شاندار عمارت میں رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مطہرہ سے ملنے والے آثار و تبرکات رکھے گئے اور حرم لائبریری کو اس میں ضم کر دیا گیا تھا۔ ان تبرکات کا نمائش کا انتظام اس عمارت کی پہلی، دوسری اور تیسری منزل پر کیا گیا تھا جبکہ اس عمارت کی چوتھی اور پانچویں منزلیں لائبریری کے

لیے مخصوص ہیں۔اس عمارت کی زیر زمین تین منزوں میں دو میں سے کانفرنس ہال اور دفاتر رکھے گئے جبکہ تیسری منزل میں طباعت کی سہولت رکھی گئی۔

مدینہ منورہ کی لائبریریاں

مدینہ منورہ میں بہت سی لائبریریاں ہیں جو نایاب کتب اور قلمی نسخوں سے بھری ہوئی ہیں جن سے طلبہ اور محققین مختلف حوالوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ چند لائبریریوں کا ذکر مندرہ ذیل سطور میں کیا جارہا ہے۔

شیخ الاسلام عارف حکمت لائبریری

یہ لائبریری 1270ھ/1847ء میں مسجد نبوی کے جنوب مشرقی گوشے کی جنوب میں قائم کی گئی تھی۔اس لائبریری میں کتابوں کی تعداد 6726 تھی جن میں سے 2008 کتابیں طبع شدہ اور باقی 4718 قلمی نسخے تھے۔ لائبریری کے بانی شیخ الاسلام عارف حکمت نے اس لائبریری کا ایک عوامی وقف قائم کیا تھااوراس کا اندراج مدینہ منورہ اور استنبول کی عدالتوں میں کرادیا تھا۔

محمودیہ لائبریری

یہ لائبریری عثمانی سلطان محمود نے 1272ھ/-185ء میں مسجد نبوی کے جنوب میں قائم کی تھی۔اس میں 7790 کتب تھیں جن میں سے 3072 طبع شدہ اور باقی قلمی نسخے تھے۔اس کا انضمام بعدازاں مدینہ منورہ کے ایک ہائشی علاقے مناحہ میں واقع کنگ عبدالعزیز لائبریری سے ہوگیا تھا۔

مسجد نبوی لائبریری

یہ لائبریری سعودی حکومت نے 1359ھ/1939ء میں قائم کی تھی۔اس لائبریری میں 4809 طبع شدہ کتابیں اور 554 قلم نسخے تھے۔

مدینہ پبلک لائبریری

سعودی گورنمنٹ نے 1380ھ/1966ء میں مسجد نبوی کے جنوب میں شرعی عدالت کے قریب قائم کی تھی۔ اس لائبریری میں کل 14748 کتابیں تھیں جن میں قلمی نسخے بھی شامل تھے۔اس لائبریری کو قائم کرتے ہوئے اس میں مدینہ منورہ کی 13 لائبریریوں کو ضم کردیا گیا تھا۔

مدینہ منورہ کی شاہراہیں

مسجد نبوی شریف تک پہنچنے والی مدینہ منورہ کی دس اہم شاہراہوں کا تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

(1) شاہراہ باب اسلام

یہ اہم شاہراہ مناخہ اور عوالی سے مسجد نبوی کی طرف جاتی ہے اور مسجد شریف کے جنوب میں واقع ہے۔

(2) شاہراہ ملک عبدالعزیز

یہ مسجد نبوی کے مشرق میں اقع ہے اور جنۃ البقیع کے قریب شاہراہ ابوذر سے مل جاتی ہے۔ اس شاہراہ اور شاہراہ عبدالسلام کے درمیان بہت سی گلیاں ہیں جو مسجد نبوی تک پہنچتی ہیں۔

(3) شاہراہ سنبلیہ

یہ شاہراہ مسجد نبوی کے شمال مشرق میں واقع ہے اور شاہراہ ابوذر کی ایک شاخ ہے۔ یہ شاہراہ مسجد نبوی کے شمالی میدان سے ہوتے ہوئے باب حضرت عثمان اور باب حضرت عمر تک پہنچتی ہے اور یہاں سے باب المجید تک بھی جاتی ہے۔

(4) شاہراہ باب المجیدی

یہ سڑک مسجد نبوی کے شمال میں واقع ہے اور ہوائی اڈے تک جانے والی سڑک کا ایک حصہ ہے جو مسجد نبوی کے شمالی میدان تک جاتی ہے۔ اس سڑک اور شاہراہ سنبلیہ کے درمیان دو گلیاں ہیں جو بئیر حاء سے آتی ہیں۔

(5) شاہراہ التحیمی

مسجد نبوی کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ شاہراہ باب الشامی اور باب المناخہ سے چل کر اس راستے پر آیا جاسکتا ہے۔ مسجد نبوی کے شمالی میدان والے حصے اور دروازے پر یہ راستہ شاہراہ مجیدی سے متصل ہو جاتا ہے۔

(6) شاہراہ الساحۃ

مسجد نبوی شریف کے شمال مغرب میں ایک نئی سڑک ہے جو شمال میدان تک پہنچتی ہے۔ شاہراہ المناخہ سے اس سڑک پر پہنچا جاسکتا ہے۔

(7) شاہراہ العینیہ

مسجد نبوی کے مغرب میں واقع ہے اور صرف پیدل چلنے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ یہ مسجد نبوی کے باب السلام اور باب الرحمۃ تک پہنچاتی ہے۔ شاہراہ مناخہ اور شاہراہ عینیہ کے درمیان دو گلیاں پڑتی ہیں جن میں ایک شاہراہ سعود اور دوسری شاہراہ باب الرحمۃ تک پہنچا دیتی ہے۔

(8) شاہراہ سویقہ

مسجد نبوی کے غرب میں واقع ہے اور پیدل چلنے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ یہ شاہراہ المناخہ کی ایک شاخ ہے اور شاہراہ الشونہ سے بھی اس شاہراہ تک پہنچا جاسکتا ہے۔ اس شاہراہ کو شاہراہ جوہ المدینہ اور شاہراہ الحدرہ بھی کہا جاتا ہے۔

(9) شاہراہ الشونہ

یہ مسجد نبوی کے جنوب مغرب میں واقع ہے اور پیدل چلنے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ یہ شاہراہ المناخہ کی ایک شاخ ہے جو میونسپلٹی کے قریب ہے اور باب السلام تک پہنچاتی ہے۔

(10) شاہراہ ابوذرؓ

مسجد نبوی کے مشرق میں ہے اور مسجد ابوذرؓ سے شروع ہو کر مسجد نبوی تک پہنچتی ہے۔

بیرونی شاہراہیں

زائر مندرجہ ذیل چار شاہراہوں سے ہو کر دیار مدینہ تک پہنچ سکتا ہے۔

جنوبی سڑک

یہ ایک بڑی شاہراہ ہے اور جدہ، ینبوع، مکہ معظمہ اور مملکت سعودیہ کے جنوبی علاقوں سے مدینہ آنے والوں کے لیے ایک اہم راستہ ہے۔ یہ سڑک ذوالحلیفہ سے گزرتی ہے جو اہل مدینہ کے لیے مقام میقات ہے۔ اس سڑک پر عروہ اور میدان عنبریہ پڑتے ہیں۔ جب زائر مفرحات پہنچتا ہے جو مدینہ منورہ سے 18 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے تو اسے مسجد نبوی کے مینارے صاف نظر آنے لگتے ہیں۔ ع

جب مسجدِ نبوی کے مینار نظر آئے
اللہ کی رحمت کے آثار نظر آئے

(1) ذوالحلیفہ مدینہ منورہ کی جنوبی حد ہے۔ جب زائر مدینہ منورہ کی طرف جانے والی شاہراہ پر چلے گا تو اس کے داہنے ہاتھ پر جبل عیر ہوگا۔ اس علاقے میں مدینہ منورہ کا کہربائی اسٹیشن واقع ہے۔

(2) مفرحات مدینہ منورہ سے 22 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مفرحات ایک پہاڑی کا نام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مقام پر مدینہ منورہ قریب ہونے کی وجہ سے زائر کے قلوب بڑی مسرت اور شادمانی محسوس کرتے ہیں۔

شمالی سڑک

یہ سڑک شام، اردن اور ترکی سے براستہ تبوک مدینہ منورہ آنیوالے زائرین کے لیے ایک خاص اور پختہ راستہ ہے۔ ہوائی اڈے پر یہ سڑک نجد، حائل، بریدہ، عنیزیہ اور عراق سے آنے والی مشرقی سڑک سے مل جاتی ہے۔ یہ دونوں سڑکیں ہوائی اڈے کی اس سڑک سے مل جاتی ہیں جو مسجد ابوذرؓ اور شفاخانہ عام سے گزر کر مدینہ منورہ پہنچتی ہے۔

العلا سڑک

بیسویں صدی کی آخری دہائیوں تک یہ سڑک پختہ نہیں ہوتی تھی اور جدہ اور تبوک جانے والی سڑکوں کی طرح اہم نہیں تھی۔ اس سڑک پر چل کر مسافر سلطانہ روڈ (جامعہ اسلامیہ) پر اپنا راستہ ختم کرے گا جو وسط مدینہ منورہ میں باب الشامی تک پہنچتی ہے۔

مدینہ ریلوے لائن

یہ ریلوے لائن ماضی میں مدینہ منورہ کو شام اور اردن سے ملاتی تھی۔ اس ریلوے لائن کو از سر نو تعمیر کرنے کا منصوبہ بھی کئی بار زیر غور آچکا ہے تاہم اس پر عمل درآمد نہیں ہوسکا۔

شاہراہ الہجرۃ

یہ تیز رفتار گاڑیوں کے لیے تعمیر کی جانے والی نسبتاً ایک نئی شاہراہ ہے جو مدینہ منورہ سے میدان مسجد قبا تک جاتی ہے۔ اس سڑک کا افتتاح شاہ فہد بن عبدالعزیز نے کیا تھا مندرجہ بالا پانچوں شاہراہیں بیرونی مقامات سے مدینہ منورہ تک پہنچتی ہیں جبکہ ہم اندرون مدینہ کی شاہراہوں کا ذکر اس سے پہلے کر چکے ہیں۔

شاہراہ مکہ المدینہ

شاہراہ مکہ المدینہ ایک جدید سڑک ہے جو دونوں مقدس شہروں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے۔اس شاہراہ کی لمبائی 418 کلومیٹر ہے اور چوڑائی 51.7 میٹر ہے۔ سڑک کو منقسم کرنے والی جگہ 20 میٹر چوڑی ہے۔ سڑک پر گاڑیوں کی آمدورفت کے لیے چھ لکیریں ڈالی گئی ہیں اور 29 فلائی اوور پل تعمیر کیے گئے ہیں۔ یہ شاہراہ پرانی سڑک کی جگہ نہیں بنائی گئی بلکہ پرانی سڑک بھی اسی طرح قائم رکھی گئی ہے تاکہ وہ ایام حج میں ٹریفک رش کو کم کرنے اور عام دنوں میں جدہ سے مکہ معظمہ تک ٹریفک کی بھیڑ کو کم کرنے کے لیے ایک متبادل سڑک کا کام دے سکے۔ اس کے علاوہ یہ پرانی سڑک زائرین کو میدان بدر تک لے جانے کی سہولت بھی بہم پہنچائے گی۔ شاہراہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا افتتاح بھی شاہ فہد کے عہد میں شاہ نے خود اپنے ہاتھوں سے کیا تھا۔

طریق دائرہ ثانی

وزارت مواصلات کے زیر نگرانی یہ سڑک بھی تعمیر کی گئی ہے۔ اس منصوبے پر تقریباً 190 ریال خرچ آیا ہے۔ اس سڑک کی تعمیر کا افتتاح 8 صفر 1405ھ/ s نومبر 1984ء بروز جمعرات کو ساحتہ سلطانیہ، وادی عقیق میں منعقد کی گئی ایک تقریب میں خادم الحرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اس سڑک کا سنگ بنیاد رکھ کر کیا تھا۔

مدینہ منورہ میں طباعت قرآن پاک

چونکہ مدینہ منورہ ہی دنیا میں وہ واحد شہر ہے جہاں قرآن مجید کے پاروں کو یکجا کیا گیا اور تدوین قرآن عمل میں آئی تھی اس لیے سعودی حکومت نے دور جدید میں طباعت قرآن کے لیے ایک اسلامی پرنٹنگ پریس مدینہ منوہ میں ہی لگایا ہے۔

یہ پرنٹنگ پریس تبوک روڈ پر 25 ڈگری شمال اور 39 ڈگری مشرق میں واقع مقام پر لگایا گیا ہے اور اس چھاپہ خانے میں قرآن پاک کے 7500000 نسخے اور 100000 مصحف کے ریکارڈ شدہ کیسٹ بنانے کی گنجائش ہے۔ ان نسخوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(1) 500 نسخے درجہ اول، 3505x31.5 سینٹی میٹر تین رنگوں میں سونے کی پالش کے ساتھ سوائے پہلے اور آخری چار صفحات کے جو آٹھ رنگوں میں چھاپے گئے ہیں۔ ان پر ریکسین کی جلد چڑھی ہے اور بہترین غلاف میں لپٹے ہوئے تھے۔

(2) دس لاکھ نسخے 25x17.5 سائز میں، دو یا تین رنگوں میں سنہرے رنگوں کے ساتھ بہترین مصنوعی چمڑے سے مجلد کاغذ کے لفافوں میں پیک۔

(3) 3500000 نسخے 40x130 سینٹی میٹر، دو رنگوں میں سنہری حروف کے ساتھ بہترین ریکسین سے مجلد اور ملائم کاغذ کے لفافوں میں پیک۔

(4) دس لاکھ نسخے 25x17.5 سینٹی میٹر کے سائز میں۔ یہ نسخے انگریزی، فرانسیسی، روسی، جرمنی، چینی، اردو، بنگلہ اور دنیا کی اور بہت سی زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم کے ساتھ چھاپے گئے ہیں دنیا کے ان مسلمانوں اور غیر مسلم، لوگوں کے لیے جو عربی زبان سے ناواقف ہیں۔ یہ نسخے دو رنگوں میں بہترین مصنوعی چمڑے سے مجلد اور کاغذ کے لفافوں میں پیک تھے۔

(5) پچاس ہزار نسخے 20x14 سینٹی میٹر سائز میں، ان کے کچھ حصے ڈیزائن سے مزین اور بغیر سنہری رنگ کے ہیں۔

(6) ایک لاکھ سے زائد ریکارڈ شدہ کیسٹ کے نسخے، جن کی ریکارڈنگ مطبع کی عمارت میں ہوئی ہے۔ اس مقصد کے لیے ایک عمارت میں ایک آڈیو سٹوڈیو قائم کیا گیا ہے۔ نسخے پر 25 گھنٹے کی ریکارڈنگ والے 24 کیسٹ تھے جن کی جگہ اب سی ڈیوں نے لے لی ہے۔ ان نسخوں پر قاری کا نام لیبل پر شائع کیا گیا تھا۔

کتابیات

ابواب تاریخ المدینہ المنورہ — علی حافظ مدنی

مسجد نبوی شریف — ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی

حجاز ریلوے عثمانی ترک اور شریف مکہ — نسیم احمد

مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات — امتیاز احمد

گنبد خضریٰ اور اس کے مکین — شیخ الحدیث محمد معراج

آثار المدینہ المنورہ — عبدالقدوس انصاری

وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ — علامہ السمہودی

سفرنامہ ارض القرآن — محمد عاصم

معجم البلدان — یاقوت

دائرہ المعارف اسلامیہ اردو بذیل مادہ المدینہ منور — پنجاب یونیورسٹی

عہد نبوی کے میدان جنگ — ڈاکٹر حمید اللہ

HISTORY OF ARAB — HITTI

CAMBRIDGE HISTORY OF ISLAM

تاریخ الکامل — ابن الاثیر

السیرۃ النبویہ — ابوالحسن علی ندوی

المدینہ منورہ میں توسیعی منصوبوں کے متعلق نیٹ سے مختلف ویب سائٹ پر معلومات

الحرم الاشرف، بیت القدس، قبلہ اوّل

الارض فلسطین، جغرافیائی خدوخال

محل وقوع اور حدود اربعہ

ارض فلسطین کا جھکاؤ شمال مشرق اور جنوب کو ہے۔ اس کے شمال میں لبنان، مشرق میں شام اور اردن، جنوب میں خلیج عقبہ، مغرب میں جزیرہ نما سینا، مصر اور بحیرہ روم مشرقی واقع ہیں۔ یہ تین براعظموں کے بیچ میں سرحدہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

کشادگی

جغرافیائی خدوخال میں ارض فلسطین دنیا کے کسی خطے سے مماثلت نہیں رکھتی۔ مستند کتب کے حوالے سے اس کا طول دان سے بئیر اسبع تک 140یا150 میل ہے اور عرض زیادہ سے زیادہ پچاس میل ہے۔ ارض فلسطین کے جنوبی حصے کو، جو بنجر ہے، اکثر جغرافیہ دان شمار نہیں کرتے حالانکہ یہ رقبے کی پیائش میں شامل ہے۔ اس کے رقبے کی پیائش میں بھی اختلاف رہا ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا کم سے کم رقبہ 9000/9270 مربع میل ہے جبکہ زیادہ سے زیادہ 10400 مربع میل یا 2500 کلومیٹر ہے۔ اس سرزمین میں بہت سے متبرک اور تاریخی مقامات ہیں جو تینوں الہامی مذاہب، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے پیروکاروں کے نزدیک مقدس ہیں۔ اسی وجہ سے یہ پرانی دنیا کی متبرک ترین اور تاریخی سرزمین ہے۔

دریا

اس سرزمین میں بہنے والا قابل ذکر دریا صرف دریائے اردن ہے جو دنیا کے عجیب ترین دریاؤں میں سے ایک ہے۔ اس دریا کے علاوہ یہاں بہت سے ندی نالے بھی پائے جاتے ہیں جن میں سے بیشتر برساتی ہیں اور ان کی روانی بہت تیز ہے۔

جھیلیں

فلسطین کی سرزمین پر اللہ تعالیٰ نے تین جھیلیں بھی رکھی ہیں۔ حولہ، طبریہ اور بحر مردار۔ ان میں سے آخرالذکر

کھاری پانی کی جھیل ہے۔ حولہ پچاس میٹر بلند ہے اور طبریہ دو میٹر اور بحر مردار چار سو میٹر نشیب میں ہے یعنی یہ سطح سمندر سے تقریباً 1300 فٹ نیچی ہے۔

پہاڑ

ارض فلسطین ایک پہاڑی علاقہ ہے اور یہاں اکثر پہاڑ بارہ سو میٹر تک بلند ہیں۔ ان میں سے یہودا کرمل اور سامریہ زیادہ مشہور پہاڑ ہیں۔

وادیاں

ندی نالوں اور چھوٹے بڑے پہاڑوں کی وجہ سے اس خطے میں وادیاں بکثرت ہیں۔ ارض فلسطین کی مشہور وادیوں میں یزرعیل، زبولون، اردن، الغور، شارون وار الغزہ شامل ہیں۔ یہ سب وادیاں نہایت سرسبز وشاداب اور حد درجہ زرخیز ہیں۔

ارض فلسطین کا ساحل ایک سو چالیس میل طویل ہے۔ فلسطین اور شام کے ساحلی علاقے کو لیوانٹ (LEVANT) کہتے ہیں۔ ساحل کے ساتھ ساتھ ریتلے میدان ہیں جن میں ریت کے اونچے اونچے ٹیلے ورخوبصورت نوآبادیں ہیں۔ سوائے عکا کی خلیج کے ساحل میں کہیں خیدگی، پیچیدگی یا کٹاؤ نہیں ہے۔

خلیج

اس خطے میں صرف ایک سمندر خلیج عکا ہے اور یہی ساحل میں خم پیدا کرتی ہے ورنہ ساحل فلسطین بالکل سیدھا ہے۔

آب وہوا

سارے فلسطین کی آب وہوا انتہائی خوش گوار ہے۔ برسات یہاں نومبر سے مارچ تک ہوتی ہے۔ زمین کی پستی وبلندی کے اعتبار سے موسموں میں قدرے فرق ہے تاہم سال کے کسی بھی حصے میں موسم ناخوشگوار نہیں ہوتا۔

سمندر

بحیرہ روم کا مشرقی حصہ جسے عرب بحرالابیض المتوسط اور مغربی اقوام (MEDITERANINN) کہتی ہیں اس علاقہ کو لگتا ہے۔ اس سمندر میں جوار بھاٹا نہیں آتا۔ اس کی لمبائی تقریباً 2200 میل ہے۔

باشندے

اسرائیل کے وجود میں آنے سے پہلے تک مسلمان عرب اکثریت میں تھے۔ دوسرے درجے پر یہودی تھے جو

انیسویں صدی کے آخرے عشروں سے بیسویں صدی کے وسط تک دنیا کے کئی ممالک سے یہاں آباد ہونے کے لیے پہنچے تھے۔تیسرے نمبر پر عیسائی تھے جن کے علاوہ دروز، وراویش، نورابہائی اور برآمکہ بھی آباد ہیں۔

زبان

سارے فلسطین میں عربی بولی اور سمجھی جاتی ہے مگر 1918ء سے انگریزی اور عبرانی بھی ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے بلکہ اسرائیل کی سرکاری زبانوں کا درجہ پا گئی ہیں۔

مذہب

دنیا کے تین بڑے الہامی مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام یہاں کے لوگوں کے مذاہب ہیں اور تینوں مذاہب کے نزدیک یہ ایک مقدس سرزمین ہے۔ مسلمانوں میں اکثریت حنفی، شافعی اور حنبلی اہل سنت والجماعت کی ہے، شیعہ بھی آباد ہیں۔

تہذیب وتمدن

ارض فلسطین قدیم زمانے سے انسانی تہذیب وتمدن کا گہوارہ ہے اور یہ دنیا کے ان خطوں میں شامل ہے جہاں انسانی تہذیب نے آنکھ کھولی تھی۔1948 سے پیشتر یہ عرب وترک تمدن کے مجموعے کی حیثیت رکھتا تھا۔آج کل انگریز، یہود اور عرب تمدن اثر انداز ہیں۔

تاریخ

ماضی میں سلطنت رومہ کے جس صوبے کا نام Palestina Prima تھا اور عملاً یہودیہ Judea اور سامریہ Samaria کی آبادیوں پر مشتمل تھا اسے عربوں نے فلسطین کا نام دیا تھا۔اسلامی فتوحات کا آغاز یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس وقت ہوا تھا جب آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ماتحت ایک لشکر ایلہ کے راستے مغربی فلسطین بھیجا تھا۔یہ لشکر 13ھ تک (مارچ 634ء) یہاں نہیں پہنچا تھا تاہم ایک شامی ماخذ کے مطابق فروری 634ء میں یہاں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان پہلی معرکہ آرائی ہوئی تھی۔اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ پھر وہ قیساریہ کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کرلیا مگر رومیوں کے ایک بڑے لشکر کی آمد کی وجہ سے مجبوراً انھیں عوبہ کی طرف لوٹنا پڑا۔یہاں ان کے ساتھ شرق اردن سے آنے والی کمک آملی جس کے بعد جولائی اگست میں معرکہ اجنادین میں رومیوں کو شکست دی گئی۔پھر جنگ یرموک کے بعد مسلمان آگے بڑھے اور انھوں نے القدس کا محاصرہ کرلیا۔ بالآخر 16ھ/637ء یا 17ھ/638ء میں انھوں نے اسے فتح کرلیا۔اب صرف قیساریہ باقی بچ تھا۔حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ازسرنو محاصرہ کیا لیکن انھیں 640ء میں مصر کی مہم پر بھیج دیا گیا اور محاصرے کی قیادت یزید بن ابی سفیان، سپہ سالار شام کو سونپ دی گئی۔ اس معرکے میں کامیابی کہیں یزید بن ابی سفیان کی موت کے بعد نصیب ہوئی جب ان کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مقامی باشندے کی مدد سے اس شہر کو سر کیا۔ یہ فتح بعض مورخین کے مطابق 20ھ میں ہوئی تھی۔ اسلامی فتح ارض فلسطین اس وقت تک تکمیل کو نہ پہنچی جب تک حضرت امیر معاویہؓ نے عسقلان کو فتح نہ کرلیا۔

عرب فاتحین کا یہ دستور تھا کہ وہ جس ملک کو فتح کرتے تھے اس کے سابق نظم ونسق کو برقرار رہنے دیتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق فلسطین کے سابق نظم ونسق کو بھی برقرار رکھا گیا اور فلسطین ایک علیحدہ صوبہ ہی رہا۔ اس کا نام ''جند فلسطین''، یعنی فلسطین کا فوجی مقام یا ضلع رکھا گیا تاہم اس کا صدر مقام قیساریہ سے لُد منتقل کردیا گیا۔ زمانہ مابعد میں نئے شہر رملہ نے لُد کی جگہ لے لی۔ اسے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے آباد کیا تھا جن دنوں وہ فلسطین کا عامل تھا۔ خلیفہ بن جانے کے بعد بھی اس نے اسی شہر میں رہنا پسند کیا۔

خلافت عباسیہ کے دوران فلسطین شام کے زرخیز ترین علاقوں میں سے ایک تھا۔ یہاں کا مالیہ علامہ ابن خلدون کے مطابق تین لاکھ دس ہزار دینار تھا۔ صلیبی جنگوں کے دوران صوبے کی پرانی تقسیم ختم کردی گئی اور ایوبی عہد میں اسے مملکات میں تقسیم کردیا گیا۔ غزہ کی مملکت عموماً اسی علاقے پر مشتمل تھی جسے قدیم زمانے میں فلسطین کہتے تھے

اگست 1516ء میں سلطان سلیم عثمانی نے فلسطین کو فتح کرکے سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلیا۔ یہ جنگ عظیم دوم 1917ء تک عثمانی انتداب میں رہا۔ 9دسمبر 1917ء کو جنرل ایلن بی نے القدس کو فتح کرکے اسے انگریزی انتظام میں دے دیا۔ یکم جولائی کو طے پایا کہ وہاں انگریز ہائی کمشنر کے ماتحت ایک ملکی حکومت قائم کی جائے۔ پہلا انگریز ہائی کمشنر Sir H.S تھا۔ 24 جولائی 1914ء کو جمعیت الاقوام نے برطانوی نگرانی Mandate کی اجازت دی تھی۔ 29 ستمبر 1923ء کو برطانیہ نے باقاعدہ طور پر یہ نگرانی سنبھال لی۔

برطانوی اقتدار کے ماتحت علاقے کا کل رقبہ 263000 مربع میٹر تھا۔ 1931ء میں اس علاقے کی آبادی تقریباً دس لاکھ تھی۔ برطانوی زیر انتداب علاقے کی شمالی حدود خطہ تھا جو راس الناقورہ سے بانیاس تک جاتا تھا۔ یہاں سے یہ خط سرحد فلسطین اور ماوراء اردن کے درمیان جنوب کی طرف گزرتے ہوئے اردن تک چلا جاتا تھا پھر وادی الجیب سے بحیرہ مردار اور عربہ کو پار کرتا تھا اور خلیج عقبہ کے ایک نوکدار کونے پر جا کر ختم ہوجاتا تھا۔ پھر وہاں سے شمال مغرب کی طرف مڑکر تقریباً خط مستقیم کی صورت میں عوجاء سے گزر کر تل رافیہ پہنچ جاتا تھا۔ یکم ستمبر 1922ء کے دستور سیاسی کے مطابق برطانوی ہائی کمشنر سب سے اعلی فوجی وار ملکی اقتدار کا حامل تھا اور وہی یہاں کی مجلس عاملہ کا صدر تھا۔ یہودی مجلس تحفظ ان یہودیوں کے مفاد کی نگہداشت کرتی تھی جو ہجرت کرکے فلسطین آ گئے تھے کیونکہ انگریزی حکومت نے 2 نومبر 1917 کو

اعلان بالفور کے ذریعے فلسطین کو یہودیوں کا مستقر قرار دے دیا تھا۔نومبر 1972ء میں ماوراء اردن علاقے میں ایک موروثی امارت عبداللہ بن حسین، شاہ حجاز کے زیر سرکردگی میں قائم کردی گئی جواب ایک خودمختار سلطنت ہے۔

فلسطین میں یہودیوں کے انگریزوں کی مدد سے بستیاں بسانے کی وجہ سے ان کی تعداد چار لاکھ ہوگئی اور عربوں اور یہودیوں میں خوف ناک فسادات شروع ہو گئے اور انگریزوں نے 1948ء میں اپنا اقتدار ختم کردیا جس کے بعد 14 مئی 1948 کو یہودیوں کی خودمختار ریاست اسرائیل یہاں قائم ہوگئی۔

اسرائیل کے وجود میں آنے کے فوراً بعد عرب ملکوں سے اس کی جنگ چھڑ گئی جس کے نتیجے میں اسرائیل نے بہت سے عرب علاقے ہتھیا لیے۔ اردن نے دریائے اردن کے مغربی کنارے اور مصر نے غزہ پر قبضہ کرلیا۔ 5 جون 1967ء اسرائیل نے اپنے عرب ہمسایوں پر حملہ کرکے ان کے کئی مقبوضات کو فتح کرلیا۔ چنانچہ مصر کو غزہ کی پٹی اور جزیرہ نمائے سینا، اردن کو دریائے اردن کی پار کے علاقے اور قدیم شہر یروشلم اور شام کو جولان کی پہاڑیوں، بشمول قنیطرہ سے محروم ہونا پڑا۔ اکتوبر 1973ء میں ایک بار پھر عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی جس میں عربوں نے اپنے کئی کھوئے ہوئے حلقے واپس لے لیے، تاہم فلسطین کا مسئلہ حل نہ ہوسکا۔ تقسیم فلسطین کے بعد سے اسرائیل نے فلسطینیوں کو جن میں مسلمان اور مسیحی دونوں شامل تھے اپنے غصب کردہ علاقوں سے بے دخل کردیا اور ہزاروں مہاجرین نے اردن، شام اور لبنان میں پناہ لی۔

1974ء میں تنظیم آزادی فلسطین PLO پہلی غیر سرکاری تنظیم تھی جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں بحیثیت نمائندہ فلسطین اجازت دی۔ 87ھ رمیں اسرائیل کے خلاف بڑے پیانے پر کارروائی کرنے کے لیے انتفادہ تحریک کا قیام عمل میں لایا گیا۔ 1988ء میں PLO کے راہنما یاسر یرفات نے اس دہشت گردی کی مذمت کی۔ 1989ء میں اسرائیلی وزیراعظم اضحاک شمیر نے مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں انتخابات کرانے کی تجویز پیش کی۔ اس دوران نومبر 1988ء میں اسرائیلی وزیراعظم اضحاک رابن اور PLO کے چیئرمین یاسر عرفات کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کو فلسطین کا آزاد اور خودمختار علاقہ قرار دیا گیا۔ 4 مئی 1994ء میں مسلمان فلسطینیوں کو اسرائیل میں کام کرنے کے لیے سرحد پار کرنے کی اجازت دے دی۔ 2003ء تک فلسطین کے کچھ علاقے کو اسرائیل نے دوبارہ واپس لے لیا۔ 11 ستمبر 2001ء کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کے بعد فلسطینی بھی شک کی زد میں آ گئے اور یاسر عرفات کے گھر اور ٹھکانوں پر اس وقت حملے شروع کیے گئے جب اسرائیل کے ایک وزیر اور کچھ افراد فلسطینی مجاہدوں کے ہاتھوں مارے گئے اور اس حملے کے پیچھے القاعدہ کا ہاتھ بتایا گیا۔

یاسر عرفات 11 نومبر 2004 کو وفات پا گئے۔ ان کے بعد محمود عباس فلسطین کے صدر منتخب ہوئے مگر اس

کے بعد PLO کی بجائے حماس کو مقبولیت عامہ حاصل ہوئی جو اسرائیل اور مغربی ملکوں میں نظر میں ایک دہشت گرد جماعت تھی۔اس جماعت کے سربراہ اقتدار آنے کے بعد اسرائیلی کابینہ نے فلسطینی حکومت کو جاری کیے جانے والے 50 ملین ڈالر کے فنڈ ز روک لیے۔

بیت المقدس کی اسلامی حیثیت

قرآن مجید فرقان حمید میں بیت المقدس یروشلم کے الفاظ نہیں آئے مگر اس کا ذکر ضرور موجود ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بنی اسرائیل ۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات (خدا) جو رات میں لے گئی اپنے بندے کو مسجد حرام سے بطرف مسجد الاقصیٰ کے جس کے گرداگرد ہم نے برکت نازل کی ہے تاکہ ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔

اس آیت شریفہ میں مسجد الحرام سے مراد خانہ کعبہ اور اس کے آس پاس کی جگہ یعنی صحن ہے اور مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس یا یروشلم ہے۔ یہ ارشاد باری تعالیٰ واقعہ معراج کے متعلق ہے جس سے ہر مسلمان بخوبی واقف ہے کہ معارج سماوی انسانی جسم کے ساتھ کسی دوسرے پیغمبر کو نصیب نہیں ہوا۔ پھر اسی سفر میں ہر آسمان پر آنحضور ﷺ کے استقبال کے لیے ایک پیغمبر اور نبی کا چشم براہ ہونا مقام مصطفوی کی شان اور عظمت بیان کرتا ہے۔ اس سیر افلاک میں آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نشان قدرت اور عالم غیب کی چیزیں دکھائیں اور جنت و دوزخ کے احوال کا مشاہدہ کرایا، ملائکہ اور عالم قدس کے لوگوں کی کیفیت کا بصری جائزہ دلوایا کہ آنحضرت ﷺ کا نبی العالمین ہونا ثابت ہو جائے۔

تاریخ اسلام میں واقعہ معراج سنہ ہجری کی ابتداء سے ایک سال پیشتر 621ھ میں ماہ رجب کی 27 شب کو عین اس وقت پیش آیا جب حضور ﷺ محو استراحت تھے۔

قبلہ اول

بعد از ہجرت تقریباً 16 ماہ تک امام الانبیاء مسجد اقصیٰ یا بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔ اگر مسلمانوں کا قبلہ ثانی اتنی عظمت و تقدس کا امین ہے کہ یہاں انسان تو کجا جانوروں کا خون بہانے کی اجازت نہیں اور نہ درختوں اور پودوں کو کاٹنے کی اجازت ہے۔ اگر کوئی اس میں پناہ لے لے تو وہ مامون ہو جاتا ہے۔ ان عظمتوں کو جاننے کے بعد ہمیں قبلہ اول کی عظمتوں کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ قبلہ اول کے گرد و پیش جو برکتیں نازل فرمائی گئیں جن کا

ذکر قرآن مجید میں میں موجود ہے وہ دینی بھی تھیں اور دنیاوی بھی۔ مندرجہ بالا آیت شریف میں ان کا اعادہ فرمایا گیا ہے۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے علمائے تفقیر نے لکھا ہے جیسا کہ تفسیر روح البیان میں ہے کہ "بیت المقدس کے گردا گرد دین و دنیا کی برکتیں نازل کی گئی ہیں کہ وہ وحی اور فرشتوں کے اترنے کا مقام اور انبیاء کرام کے رہنے کی جگہ اور حضرت موسیٰ کے زمانہ سے انبیائے کرام کی عبادت گاہ اور حضرت یعقوبؑ جیسے پیغمبروں کا قلعہ ہے اور قیامت کے دن مخلوق اسی مقام پر محشور ہوگی اور ہر طرف سے نہریں اور باغ اسے گھیرے ہوئے ہیں۔

وادی طویٰ

جہاں حضرت موسیٰ کو نعلین اتارنے کا حکم دیا گیا تھا بیت المقدس ہی کی وادی ہے۔ امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جس وادی طویٰ کا ذکر ہے وہ فلسطین ہی کی ایک وادی ہے۔ البیھاوی نے لکھا ہے کہ یہ گاؤں بیت المقدس یا اریحہ (Jericho) ہی تھا۔ اس پیغمبروں کی سرزمین سے مسلمانوں کی دائمی وابستگی ان احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سوائے تین مسجدوں کے اور کسی (مسجد) کے لیے سفر طویل نہ کیا جائے۔ ایک مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری مسجد یعنی مسجد نبوی" اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس ایک ہی لڑی کے تین انمول موتی ہیں اور ان کا مقام و مرتبہ روئے زمین پر تعمیر کی گئی کسی دوسری مسجد کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث شریفہ میں ان تینوں مقدس مقامات کی عظمت بیان کی گئی ہے۔ یہ حدیث شریف مشکوٰۃ ابن ماجہ میں موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنے گھر میں نماز ادا کرے تو وہ ایک نماز ہوگی اور محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرے تو وہ پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ جامع مسجد کی نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور انسان کی مسجد اقصیٰ میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور اس کی میری مسجد (مسجد نبوی) میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد الحرام میں ادا کی گئی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے" (مشکوٰۃ ابن ماجہ)

بیت المقدس یا مسجد اقصیٰ کے بارے میں مشہور مفسر علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر جلالین میں لکھا ہے کہ یہ اعلیٰ عبادت گاہ اور زیارت گاہ ہے۔ یہی وہ اعلیٰ اور برتر مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتہ حضرت جبرائیل کو حضرت سلیمانؑ کے پاس بھیجا تھا حضرت زکریاؑ کو حضرت یحییٰ کی پیدائش کی خوش خبری دی تھی۔ حضرت داؤدؑ کو مسجد اقصیٰ کا نقشہ دکھایا تھا۔ روئے زمین کے کل چرند اور پرند کو آپ کے تابع بنایا تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انبیائے بنی اسرائیل نے قربانیاں دی تھیں۔ حضرت عیسیٰ کو اسی شہر کے قرب سے رفع الاسماء ہوا اور یہی وہ مقام ہے جہاں آپ دوبارہ آسمان سے اتارے جائیں گے۔ یہی وہ متبرک مقام ہے جہاں حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت مریمؑ دفن ہیں۔

قرب قیامت میں لوگ یروشلم کی طرف ہجرت کریں گے اور صندوق سکینہ کشتی آرک اور شچنہ معبد کو دوبارہ حاصل ہو جائے گا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں تمام بنی آدم دوبارہ زندہ ہو کر بروز قیامت فیصلہ کے لیے اکٹھے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں جلوہ فگن ہوگا اور انصاف کرے گا۔

مختصر یہ کہ یہی وہ مقام الخاص ہے جہاں روئے زمین پر صدہا انبیاء کرام پیدا ہوئے اور یہ صدہا انبیاء کرام کا مدفن بھی ہے۔ ایام حج میں جو لوگ القدس سے احرام باندھتے ہیں انھیں دنیا کے دیگر حصوں میں احرام باندھنے والے حجاج کرام سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔

بیت المقدس کی عظمت اور اس کا تقدس

☆ بیت المقدس کی عظمت بے انتہا ہے کہ یہ ابوالانبیاء حضرت ابرہیمؑ بقول انجیل اسی مقام پر اپنے بیٹے اسحٰقؑ کو قربانی کے لیے لے گئے تھے۔

☆ حضرت یعقوبؑ کو خواب میں اسی مقام پر خدا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اسی وجہ سے اہل یہود اسے ''بیت ایل''، یعنی خدا کے گھر کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔

☆ حضرت داؤدؑ نے اس شہر عظیم کی نئی بنیاد رکھی تھی۔

☆ انبیائے بنی اسرائیل میں حضرت سلیمانؑ نے بحکم خداوندی اور الہام کے مطابق یہاں معبد سلیمان یا ہیکل سلیمانی یا مسجد اقصیٰ تعمیر کی تھی۔

☆ اسی شہر عظیم و بزرگ کو ہزارہا انبیائے کرام اور خود امام الانبیا حضرت محمد ﷺ کے قبلہ اور مصلی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

☆ حضرت عیسٰیؑ اور ہزارہا انبیائے بنی اسرائیل کے مزارات اس شہر کے قرب و جوار میں واقع ہیں۔ اس شہر میں حضرت مسیحؑ کی قبر کے نام سے ایک کلیسا ہے اس میں ایک بڑا پتھر رکھا۔ اسی پتھر پر عیسائیوں کی روایات کے مطابق حضرت عیسٰیؑ کو غسل دیا گیا تھا۔ ایک صندوق سنگ مرمر کو تابوت عیسٰیؑ بتایا جاتا ہے۔ اس گرجے میں یونانی یا لاطینی اور ارمنی سب شریک ہیں اور عیسائیوں میں جو فرقے پائے جاتے ہیں وہ اس کے تقدس کو تسلیم کرتے ہیں۔۔ ہر سال مقررہ وقت پر حضرت مسیحؑ کے صلیب پر چڑھائے جانے اور دوبارہ زندہ ہونے کی تمثیل پیش کی جاتی ہے۔ تاہم اس گرجا یا کلیسا کے علاوہ مسلمان اس شہر کے تمام مقدس کلیساؤں کو مانتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسٰیؑ کبھی مصلوب نہیں ہوئے۔ محققین کے مطابق یہ حضرت عیسٰیؑ کے حواری یہوداہ اسکریوطی کا مزار ہے جسے حضرت عیسٰیؑ کے شبہے میں مصلوب کیا گیا تھا اور جو اس کلیسا میں مدفون ہے۔

الصخرہ چٹان جنت سے آئی تھی۔ یہ چٹان کہتے ہیں زمین کا سنگ بنیاد ہے۔ کل انبیاء علیہم السلام کا مصلی ہے اور کعبہ شریف کے بعد مسلمانوں کے نزدیک سب سے زیادہ مقدس ومنزہ مقام ہے۔ امام جلا الدین سیوطی اپنی کتب معبد یروشلم مرتبہ رینالڈ میں لکھتے ہیں کہ صخرہ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں بارہ ہزار ہاتھ بلند تھی اور اس پر ایک معبد تھا جو صندل کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس پر ایک لعل نصب تھا جو رات کو سورج کی طرح چمکتا تھا۔ 528 ق م میں جب بخت نصر بیت المقدس پر حملہ آور ہوا تو اس نے اس شہر سے سب کچھ لوٹ لیا اور اس کے باشندوں کو لونڈی اور غلام بنا کر لے گیا تھا۔ یہ روایت ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس صخرہ کو سفید مونگے کا بنا دے گا اور بڑا کر کے زمین و آسمان پر پھیلا دے گا اور لوگ اس صخرہ پر سے ہی جنت اور دوزخ کو جائیں گے۔

کوہ زیتون بیت المقدس کے بالکل قریب واقع ہے۔ اس پر حضرت عیسیٰؑ عبادت کیا کرتے تھے اور یہیں سے یہودی انھیں گرفتار کر کے پیلاطیس رومی کے پاس لے گئے تھے۔ اس پہاڑی اور شہر کے درمیان ایک نالہ تھا جسے عیسائی متبرک خیال کرتے تھے۔ بیت المقدس میں یہودیوں کی سب سے متبرک جگہ دیوار گریہ ہے جس پر وہ ہاتھ رکھ کر اور کھڑے ہو کر روتے ہیں۔ دراصل یہ حرم شریف کی ایک دیوار ہے جو پتھروں سے تعمیر ہوئی ہے۔ یہودیوں کو یقین ہے کہ یہ پتھر ہیکل سلیمانی کے ہیں۔

صخرہ کے علاوہ کوہ معبد، حرم شریف میں ایک اور بڑا پتھر ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اس سے ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے۔ یہ پتھر بیچ میں سے ٹوٹا ہوا ہے۔

ایک صندوق بھی حرم شریف میں موجود ہے جس میں ایک سوراخ ہے۔ اس صندوق کے اندر رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک کا نشان محفوظ بتایا جاتا ہے۔ یہاں مسجد عمر اور حرم شریف ہے۔

حضرت محمد ﷺ کو یہیں سے معراج سماوی ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے اسے آپ کی آسمانی سیرگاہ کہا جاتا ہے۔

ہجرت کے تقریباً 16 یا 17 ماہ تک بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبلہ اول ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اگر اس مقام کی حرمت اور تقدیس مسلم نہ ہوتی تو اسے قبلہ اول ہونے کا شرف بھلا کیونکہ حاصل ہو سکتا تھا۔

حرم اشرف، القدس

نام

یروشم کو عربی میں القدس کہا جاتا ہے جسے قدیم مصنفین نے عام طور پر بیت المقدس لکھا ہے۔ اس سے مراد دراصل ہیکل سلیمانی تھا جو عبرانی لفظ "بیت ھمقدش" کا ترجمہ ہے، لیکن بعدازاں اس نام کا اطلاق پورے شہر پر ہونے لگا۔ مصنفین اس شہر کے لیے ایلیاہ کا لفظ بھی استعمال کرتے رہے ہیں جبکہ انھیں اس کا قدیم نام Jerusalem بھی معلوم تھا جسے وہ اور یشلم، اور یسلم، اور یشلوم، اریشلم بھی لکھتے تھے۔ یروشلم کے دیگر ناموں میں یبوس، کنعانی نام، حیروسلیم، یونانی نام اور سلم، سلیم، سالیم وغیرہ شامل ہیں جن کا تلفظ شلم، شلیم، شالم اور شالیم بھی کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں شالم اور شلیم کے معنی جاننے بھی ضروری ہیں جو محفوظ، ماموں اور معتون کے ہیں۔ بیت المقدس Jerusalem دنیا کا ایک قدیم ترین شہر ہے۔ یہ یہودیوں، عیسائیوں او مسلمانوں کے ہاں یکساں طور پر متبرک اور مقدس تسلیم کیا جاتا ہے۔

محل وقوع

القدس کا شہر ایک وسطی پشت ماہی کی سطح مرتفع کے کنارے آباد ہے جو بحیرہ مردار اور بحیرہ روم کے درمیان واقع ہے۔ یہ سطح سمندر سے 2600 فٹ بلند ہے۔ القدس پرانی دنیا میں وسطی مقام رکھتا تھا اور یہاں سے تینوں براعظموں، ایشیا، یورپ اور افریقہ کے انتہائی حصوں تک شاہراہ پہنچتی تھی جو ہر سمت میں ہزار ہا میل ہے۔

آثار قدیمہ

القدس میں قبروں سے برآمد ہوے والی مٹی کے برتنوں کا تعلق محققین نے 3200 قبل از مسیح بتایا ہے۔ یاد رہے کہ تقریباً اسی زمانے میں کنعان کے دوسرے علاقوں میں بستیاں شہروں کی شکل اختیار کر رہی تھیں تاہم اس بات کا کوئی حتمی ثبوت نہیں مل سکا کہ یروشلم میں شہری زندگی کی ابتدا بھی اسی زمانے میں ہوئی تھی؟ یروشلم میں بعد کے زمانے یعنی

اٹھارویں صدی قبل از مسیح میں جس طرح کی شہری اور مذہبی زندگی پائی جاتی تھی اگر چہ اس کا کوئی براہ راست علم نہیں ہے۔ آثار قدیمہ میں ملنے والے مرتبانوں پر یروشلم کے کندہ تذکرے کے بعد کا کچھ عرصہ تاریکی میں گم ہے کیونکہ یروشلم سے سترہویں صدی قبل از مسیح سے پندرھویں صدی قبل مسیح کے برتن یا کوئی آثار نہیں ملے۔

تل امرنا سے 1887ء میں ملنے والی خط میخی کی تختیوں سے پتہ چلتا ہے کہ چودھویں صدی ق م میں یروشلم کنعان کی ایک طاقت ور ریاست بن چکا تھا۔ تل امرنا سے ملنے والی تختیاں ماہرین کے نزدیک فرعون آمن ہوتپ سوم 1386-1349 ق م اور اس کے بیٹے آخن آتن 1350-1334 ق م کی سرکاری دستاویزات ہیں۔ ان تختیوں میں ملنے والے مکتوبات میں چھ مکتوب یروشلم کے حکمرانوں لبدی ہپا کی طرف سے تحریر کردہ ہیں۔ ان مکتوبات میں یروشلم کی ریاست دارالحکومت کا ذکر ملتا ہے جس کا نام بیت شلیمانی (شلیم کا گھر) ہے۔

آمد بنی اسرائیل

اسرائیلی کون تھے؟ بائبل کی روشنی میں یہ لوگ میسوپوٹیما سے آئے تھے اور کنعان میں آباد ہو گئے تھے۔ 1750 قبل مسیح کے قحط سے پریشان ہو کر ان کے 12 قبیلے مصر کی طرف ہجرت کر گئے تھے جہاں انھیں پہلے پہل خوش حالی نصیب ہوئی لیکن پھر ان پر زوال آ گیا اور وہ مصریوں کے غلام بن گئے۔ پھر 1250 ق م میں حضرت موسیٰ ایک نجات دہندہ بن کر انھیں مصر سے نکال لائے۔ انھیں ارض موعودہ کنعان جانا تھا مگر حضرت موسیٰ کی زندگی میں ارض موعودہ میں داخل نہ ہو سکے اور صحرائے سینا میں بھٹکتے ہوئے خانہ بدوشی پر مجبور ہو گئے۔ پھر حضرت یشوعؑ جوشوا کی قیادت میں وہ ارض موعودہ میں داخل ہوئے تاہم یروشلم ان کے قبضے میں نہ آ سکا تاہم کچھ عرصے کے بعد یروشلم اسرائیلیوں کا مذہبی مقام بن گیا۔ ماہرین آثار قدیمہ "اسرائیل" کی پیدائش کو کنعان کے بالائی خطے میں آبادکاروں کی ایک لہر کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ماہرین آثار قدیمہ نے یروشلم کے شمالی کوہستانی علاقے میں ایک سو کے قریب ایسے کھنڈرات دریافت کیے ہیں جن کا تعلق 1200 ق م سے ہے۔

شہر داؤدؑ

گیارہویں صدی قبل از مسیح میں اسرائیلی سلطنت اسی علاقے میں نمودار ہوئی تھی۔ یروشلم ان دنوں کنعان کی شہری ریاستوں میں اگر چہ زیادہ مقدس یا طاقت ور تو نہیں تھا تاہم یہودیوں کو یقین تھا کہ حضرت داؤدؑ کبھی اس شہر کو فتح نہ کر سکیں گے کیونکہ یہ ان کی گیارھویں صدی قبل از مسیح میں نمودار ہونے والی نوخیز بادشاہت کے مقابلے میں بہت قدیم اور ایک قلعہ بند شہر تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ ایک ناقابل تسخیر شہر تسلیم کیا جا چکا تھا۔ جب حضرت داؤدؑ کے سپاہی اس شہر کی فصیل کے نیچے پہنچے تو انھیں یہودیوں نے کہا تھا: "تم کبھی بھی اس شہر میں داخل نہ ہو سکو گے، ہمارے اندھے اور لنگڑے بھی

تمھیں اس شہر میں داخل نہ ہونے دیں گے۔" حضرت داؤدؑ نے ان کی ان گیدڑ بھبکیوں سے مرعوب ہونے سے انکار کر دیا اور اپنی فوج میں اعلان کیا کہ ان کا جو سپاہی کسی بھی یہودی کو سب سے پہلے مار گرائے گا وہ اسے اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دیں گے۔ حضرت داؤدؑ کے ایک پرانے ساتھی، زریاہ کے بیٹے ابواب نے اس چیلنج کو قبول کیا اور وہ پانی کے ایک نالے کے ذریعے شہر میں داخل ہو گیا تاہم ہمیں تاریخ ٹھیک طور پر نہیں بتاتی کہ حضرت داؤدؑ نے یروشلم کو کس طرح فتح کیا تھا۔ یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ 1000 ق م حضرت داؤدؑ نے یروشلم کو فتح کر لیا تھا اور پھر انھوں نے اس شہر کو اپنا دارالحکومت قرار دیا اور یہ شہر داؤدؑ قرار پایا۔ حضرت داؤدؑ کے سامنے ایک بڑا کام یہ تھا کہ وہ تابوت سکینہ کو یروشلم منتقل کرنا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے یروشلم میں ایک عظیم معبد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا اور یوں انھوں نے ہیکل کی بنیاد رکھی جس کی تکمیل حضرت سلیمانؑ کے عہد میں ہوئی اور یہ ہیکل سلیمانی کہلایا۔ حضرت سلیمانؑ کے عہد حکومت میں اس شہر کو وہ عظمت اور رفعت نصیب ہوئی جو پھر کبھی نہ ہو سکی۔ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد نہ سطوت یروشلم باقی رہی نہ قوم یہود کو کبھی آرام سے حکومت کرنا نصیب ہو سکا۔ بیت المقدس کے محاصرے پر محاصرے اور تباہی پر تباہی ہوئی۔ یہودیوں کو یہ شہر اور معبد سلیمان بار بار تعمیر کرنا پڑا۔ حضرت سلیمانؑ کے عہد کے فوراً بعد یہودی ریاست دو ریاستوں میں منقسم ہو گئی تھی۔ ریاست یہوداہ کا دارالحکومت بیت القدس ہی رہا اور 975 ق م سے 577 ق م تک یہاں کے بیس بادشاہوں نے حکومت کی جبکہ اسرائیل (دوسری ریاست) میں 975 ق م سے 781 ام تک انیس بادشاہوں نے حکومت کی اور اس ریاست کا صدر مقام نابلوس رہا۔

تباہی و بربادی

چھٹی صدی قبل از مسیح کے اوائل میں بابل کے حکمران بخت نصر نے یروشلم کو فتح کر کے ہیکل سلیمانی کو جلا کر زمین بوس کر دیا اور یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس کے علاوہ بخت نصر نے یہودیوں کے تمام صحائف بشمول تورات نذر آتش کر دیے اور ایک لاکھ یہودیوں کو قیدی بنا کر بابل لے گیا۔

اس کے بعد فلسطین ایرانیوں اور یونانیوں کے زیر انتداب رہا۔ ہیرود اعظم کے زمانے میں ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور بیت المقدس میں ایک بار پھر چہل پہل نظر آنے لگی۔ جب قیصر طیطس Titus کے رومی سپاہیوں نے ستمبر 70ء کے آخر میں ایک طویل اور شدید محاصرے کے بعد وہ شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ہیکل سلیمانی ایک رومی مورخ کے بیان کے مطابق خود طیطس کے حکم پر اور بقول دیگر اس کی مرضی کے خلاف جلا کر ایک بار پھر پیوند خاک کر دیا گیا۔ ایک اور رومی مورخ کے مطابق اس حملے کے بعد آخری چند راتوں میں سارا شہر ایک آگ کا سمندر نظر آتا تھا۔ ہر طرف آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ رومی سپاہیوں نے جو یروشلم کی شہریوں کی شدید مدافعت کی وجہ سے دیوانے ہو گئے تھے انھوں نے شہر پر قبضہ کرنے کے بعد بھی تباہی و بربادی جاری رکھی اور بڑی بے رحمی سے شہر کو غارت کیا۔

اس دوسرے سقوط یروشلم کے تقریباً نصف صدی بعد تک کے حالات کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ گردونواح کے علاقوں میں بغاوت کی آگ مسلسل بھڑکتی رہی لیکن دارالحکومت کے حالات کو کوئی ذکر نہیں ملتا۔ بالآخر قیصر ہیڈرین (Hadrine) کے عہد کے آغاز میں امن قائم ہوگیا لیکن بعدازاں 132 سے تا135ء ایک اور بغاوت اس وقت ہوئی جب شہنشاہ رومہ نے ایک حکم کے ذریعے یہودیوں کو ختنہ کرنے سے روکا اور یروشلم کے کھنڈروں پر ایک نیا رومی شہر تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ بڑی مشکل کے بعد اس بغاوت کو فرد کیا گیا تو شہنشاہ نے ایک اور خالص بت پرستوں کا ایک شہر تعمیر کرایا جسے کولونیا ایلیاہ کاپی ٹولینا (Colonia Aelia Capitolinia) کا نام دیا گیا۔

پھر جب شہنشاہ قسطنطین اور اس کی والدہ نے عیسائیت اختیار کی تو عیسائی زائرین گروہ در گروہ یروشلم آنے لگے۔

حیات حضرت عیسٰیؑ

048 میں حضرت عیسٰیؑ بعمر بارہ سال پہلی بار بیت المقدس آئے تھے۔ مارچ 29 عیسوی کی عید فصح پر دوبارہ حضرت عیسٰیؑ اس شہر میں تشریف لائے۔ تیسری مرتبہ آپ اپنی حیات میں یکم اپریل 3 عیسوی کو اس مقدس شہر میں تشریف لائے اور پھر آپ نے 5 اپریل 30ء کو عید فصح بیت المقدس میں منائی تھی۔

پھر 6 اپریل 30 کو گڈ فرائی ڈے کے دن عیسائیوں کے مطابق آپ کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ عیسائیوں کے مطابق حضرت عیسٰیؑ کا رفع السماء 17 مئی 30 عیسوی کو پیش آیا تھا جس کے بعد آپ کے 120 حواری بیت المقدس میں جمع ہوئے اور انھوں نے 31 عیسوی میں عشائے ربانی کی اشاعت کی تھی۔ 33 عیسوی تک کلیسا بیت المقدس تک محدود تھا۔

تاریخ عیسوی کے بعد کے اہم واقعات کا گوشوارہ

☆ 42 عیسوی ہیرودیس اگرپا نے اپنی طلائی زنجیر کا بیت المقدس میں تہدیہ کیا۔

☆ 43 عیسوی میں ہیرودیس نے شہر کے اردگرد فصیل تعمیر کی۔

☆ 44 عیسوی کو سینٹ پال برنباس حواری حضرت عیسیٰؑ بیت المقدس کی زیارت کے لیے آئے۔

☆ 48 عیسوی میں سینٹ پولس (پال) اور سینٹ برنباس نے دوبارہ بیت المقدس کی زیارت کی۔

☆ 5 اپریل 49 عیسوی کو عید فصح کے تہوار کے موقع پر بیت المقدس میں فساد ہوا اور رومی فوج سے عیسائیوں کا ٹکراؤ ہوا۔

☆ 16 ستمبر 53 عیسوی کو سینٹ پال مظلہ کے تہوار کے موقع پر ایک بار پھر القدس آیا۔

☆ جولائی 60 عیسوی میں رومی مجسٹریٹ پرسئس فیسٹس (Parciaus Festus) بیت المقدس میں آیا اور یہاں دس دن قیام کرنے کے بعد سینٹ پال پر چلائے جانے والے مقدمہ کی سماعت کے لیے قیصریہ واپس چلا گیا۔

☆ 64 عیسوی میں سینٹ پال جہاز پر سوار ہو کر بیت المقدس کے لیے روانہ ہوا۔

☆ 65 عیسوی میں ہیرودیس کے تعمیر کردہ ہیکل کی تعمیر مکمل ہوئی۔

☆ 29 اپریل 66 عیسوی میں فلورس نامی رومی نے القدس میں خون ریزی کی۔

☆ 22 ستمبر 66 عیسوی کو گیسٹیئس گالس نامی رومی جنرل نے القدس پر چڑھائی کی اور 18 اکتوبر کو شہر پر حملہ آور ہوا۔

☆ 13 مئی 69 عیسوی میں شہنشاہ ویسپاشین جو ابھی جنرل تھا بیت القدس پر حملہ کرنے کے لیے کوہ سکوپس پر خیمہ زن ہوا اور اس نے عید فصح سے کچھ پہلے شہر پر حملہ کر دیا۔

☆ 5 اگست 70 عیسوی کو، جیسا کہ پہلے ذکر آیا، طیطس رومی نے ہیکل کو جلا کر خاکستر کر دیا اور بیت المقدس کے بالائی حصے پر قبضہ کر لیا اور بعد ازاں اس نے رومہ جا کر فتح بیت المقدس کا جشن منایا۔

☆ گزشتہ 1500 سال میں بیت المقدس کو سترہ مرتبہ محصور کیا گیا تھا۔ ان محاصروں میں طیطس کا محاصرہ سب سے سخت تھا۔ دوبارہ اس مقدس شہر کو زمین بوس کیا گیا اور دو اور موقعوں پر اس کی فصیل کو گرا دیا گیا تھا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ طیطس رومی نے ہیکل کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا تھا اور اس کے مقام پر ہل چلوا کر اس کا نام ونشان مٹا دیا تھا۔ اس کی بنیادوں سے 70 عیسوی کے محاصرے کے بعد مدتوں شعلے نکلتے رہے تھے۔ یہودیوں کے نزدیک یہ تاریخ عالم کا سب سے بڑا سانحہ تھا جس میں دس لاکھ سے زائد انسان موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے اور ہزاروں انسان فاقہ کشی کا شکار ہو گئے تھے، ہزاروں کو بطور غلام گرفتار کر کے فروخت کر دیا گیا تھا اور اس وقت کی معلوم دنیا کی غلاموں کی منڈیاں یہودی غلاموں سے بھر گئی تھیں۔ اس سانحے کے تقریباً 270 سال بعد 335 عیسوی میں شہنشاہ قسطنطین نے کچھ عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرائیں مگر ان کا تعلق صرف مذہب عیسوی سے تھا۔ جبل زیتون پر باسلیق (Basilica) کے علاوہ جس کا ذکر بورڈیو (Bordeaux) کے زائر نے کیا ہے اس شہنشاہ کا ایک اور نمایاں کام ایک وسیع اور عظیم الشان گرجا کی تعمیر تھا جس کی تکمیل 355ء میں ہوئی۔

شہنشاہ قسطنطین کا ارادہ تھا کہ تمام عالم نصرانیت کے لیے ایک عظیم الشان عبادت گاہ بنائے جو دنیا کی تمام عبادت گاہوں پر شان وشوکت میں فوقیت رکھتی ہو۔ مورخ یوسیبیس (Eusebius) نے اس عمارت کی بہت رنگ آمیز تصویر اپنے الفاظ میں بیان کی ہے۔ شاید اس لیے اس عمارت کا تصور ذہن میں لانا ممکن نہیں۔

یہودیوں کو قسطنطین کے عہد میں کسی قدر آسانی حاصل ہوئی وہ یہ تھی کہ انھیں ہیکل کے مقام پتھروں کے قریب آ کر رونے کی اجازت دے دی گئی۔ اس سے پہلے دو سال تک ان کا شہر میں داخلہ ممنوع تھا۔ شہنشاہ یوسطینانوس (Justinian) کے عہد میں انھیں مزید رعایت یہ دی گئی کہ وہ ہیکل کو دوبارہ تعمیر کر سکتے ہیں تاہم مورخ امیانوس (Ammianus) کے مطابق ہیکل کے کھنڈروں سے نکلنے والے شعلوں نے یہودیوں کو اسے ایک بار پھر تعمیر کرنے کی مہلت نہیں دی۔ شہنشاہ یوسطینانوس تعمیرات کا بڑا شوقین تھا۔ اس نے یروشلم میں ایک شاندار گرجا تعمیر کرایا۔ یہ گرجا غالباً حضرت داؤدؑ کے مزار پر تعمیر کرایا گیا تھا۔ اس نے اور بھی کئی کلیسا تعمیر کرائے۔ ان میں ایک حوض شیلوخ پر ہے اور دوسرا اسقفنس کی مشہور قبر پر جو دمشقی دروزے کے شمال میں واقع ہے۔ اس کا سراغ 1874ء میں لگا تھا۔

حملہ ایران

ایران اور روم میں مدتوں سے چپقلش چل رہی تھی۔ کبھی رومی جیت جاتے تھے اور کبھی ایرانی۔ 614ء میں ایران کے شاہ خسرو ثانی نے طویل محاصرے کے بعد بیت المقدس کو فتح کیا۔ اس جنگ میں مورخین کے مطابق تقریباً انیس ہزار عیسائی تہ تیغ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اس نے یہودیوں کے قتل عام کا بدلہ لیا تھا۔ کلیسا کے مزار مقدس اور دوسرے کلیساؤں

کو برباد کیا اور ان کے خزانوں پر قبضہ کرلیا۔ جب ایرانی فصیل شہر کے سامنے تھے تو اسقف زکریا نے قدیم یرمیاہ (Jermiah) کی طرح اس ایرانی حملے کو اہل یروشلم کے فسق وفجور کی سزا سمجھا جو شہر میں بری طرح پھیلا ہوا تھا۔ اسقف موصوف نے اہل شہر کو ایرانیوں کی اطاعت قبول کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس حال میں کہ شہر کی محافظ بازنطینی افواج شہر کو اس کی قسمت پر چھوڑ کر جا رہی تھی۔ پھر بھی اہل شہر نے اسقف موصوف کا مشورہ قبول نہ کیا۔ آلات محاصرہ کی مدد سے جب ایرانی شہر میں داخل ہوئے تو انھوں نے بوڑھے مردوں، خواتین اور بچوں تک کو نہ چھوڑا اور خون کی ندیاں بہا دیں۔ گرجاؤں کو تباہ و برباد کر دیا اور حضرت مسیحؑ کے بتوں کو اپنے گھوڑوں کے سموں تلے روندا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے جن کے تعلقات ایرانیوں کے ساتھ اچھے تھے اس موقع پر عیسائیوں کو بدلہ لینے کے لیے استعمال کیا۔ اسقف بیت المقدس کو دوسرے کلیسائی عہدیداوروں کے ساتھ شہر سے جلاوطن کیا گیا اور ایرانی فاتحین اس بڑی مقدس صلیب کو جو شہر کی محافظ تسلیم کی جاتی تھی اپنے ساتھ اٹھا کر ایران لے گئے۔ صلیب مقدس کے اس طرح اٹھا لے جانے نے مسیحی دنیا کو لرزا کر رکھ دیا۔

اس خوف و ہراس میں تبدیلی صرف اس وقت پیدا ہوئی جب ہرقل قیصر روم نے اپنی حیرت انگیز فتوحات کی مہم سے ایرانیوں کی فتح کو شکست میں بدل کر رکھ دیا اور قرآن کریم کی سورہ روم میں کی گئی پیش گوئی کے مطابق اہل کتاب ایرانیوں پر غالب آ گئے۔ ہرقل اپنی فتوحات کی بدولت ایرانی سلطنت کی حدود میں دور تک چلا گیا۔ قباد ثانی، شیرویہ نے جو اپنے باپ کو قتل کرنے کے بعد 628ء میں تخت نشین ہوا تھا ہرقل کو صلح کی درخواست کی اور ایرانی افواج کو بازنطینی سرحدوں سے واپس بلا لیا۔ اس کی مختصر سی حکومت کے بعد ایران میں ابتری پھیل گئی اور ایرانی جنگ جاری نہ رکھ سکے۔ صلیب مقدس کو اسی صندوق میں جسے خدا کی مہربانی سے ایرانیوں نے بالکل نہیں کھولا تھا واپس ہرقل کے حوالے کر دیا گیا اور 14 ستمبر 629ء کو اسے اس کی جگہ پر یروشلم میں دوبارہ نصب کر دیا گیا۔ اسی دوران موڈیسٹیس (Modestius) نامی راہب نے بہت سرگرمی دکھائی تھی اور قسطنطین کے گرجا کو جو ایرانیوں نے منہدم کر دیا تھا مع "قبر مقدس" کے گرجا کے دوبارہ تعمیر کرایا۔ جہاں تک محدود وسائل نے اسے اجازت دی اس نے اس کی تزئین و آرائش بھی دوبارہ کر دی۔ اس کے علاوہ "مقدس صلیب" کے باقیات اب ہرقل نے یروشلم سے قسطنطنیہ محض اس خیال سے منتقل کروا دیے کہ اگر وہ دوبارہ کبھی شام کی مدافعت نہ کر سکے تو یہ تبرکات محفوظ رہیں مگر مورخین کے مطابق اس کے باوجود صلیب مقدس کا ایک ٹکڑا یروشلم میں رہ گیا تھا جیسا کہ صلیب بلند کرنے کے تہوار کے جاری رہنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

طلوع اسلام کے بعد

اسی زمانے میں اسلام کا آفتاب جزیرہ نما عرب میں طلوع ہوا اور عرب قوم منصۂ شہود پر آ گئی۔ عربوں کی

فتوحات نے عالمی سیاست کا رخ موڑ کر رکھ دیا۔ عہد رسالت میں بیت المقدس کی عظمت اور تقدیس قائم رہی بلکہ آنحضرت ﷺ نے بعد از ہجرت سولہ ماہ تک بیت المقدس کی سمت میں نماز ادا کی۔ یوں وہ مسلمانوں کا قبلہ اول رہا اور اس کی حرمت بعد کے ادوار میں بھی قائم رہی۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ ہجرت کے کچھ عرصے بعد تحویل قبلہ کے احکام آ جانے کے بعد مسجد الحرام کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے لگے تھے۔

سفر معراج

قبل از ہجرت آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی میں سفر معراج کا جو واقعہ پیش آیا تھا اس کا تعلق بھی براہ راست بیت المقدس سے ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں کیا گیا ہے

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بنی اسرائیل ۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات (خدا) جو لے گئی راتوں رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے بطرف مسجد الاقصیٰ کے جسکے ماحول کو ہم نے برکت نازل کی ہے تاکہ ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔

یہاں غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ خود خدا قرآن مجید میں بیت المقدس کے ماحول کو برکت دینے کا فرما رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی نظروں میں حرم مکہ المکرمہ اور حرم المدینہ منورہ کے بعد بیت المقدس تیسرا مقدس شہر اور حرم اشرف ہے۔

اسلامی فتح بیت المقدس

عہد خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ میں جزیرہ العرب کی حدود کو عبور کر کے جہاں وادی فرات میں داخل ہوئی وہیں ارض فلسطین بھی ان کے قدموں کے نیچے آ گئی۔ اجنادین کے مقام پر 13 جولائی 634ء کو بازنطینی افواج کو شکست ہوئی جس کے بعد بازنطینی سپہ سالار Are' ion کو یروشلم کی فصیلوں کے پیچھے پناہ لینا پڑی۔ ادھر اس پہلی بڑی فتح سے بازنطینی حکومت فلسطین میں ڈگمگانے لگی۔ یرموک کی فیصلہ کن جنگ کے بعد یہاں کے قلعہ بند شہر ایک ایک کر کے عرب فاتحین نے فتح کر لیے جس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا اور حضرت ابوعبیدہؓ بھی وہاں پہنچ گئے۔ عیسائیوں نے چند روز تک مدافعت کی آخر اس شرط پر اس شہر مقدس کو مسلمانوں کے حوالے کرنے پر رضامند ہو گئے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ فاروق خود تشریف لا کر معاہدہ صلح لکھ دیں۔

حضرت عمرؓ کی آمد

حضرت ابوعبیدہؓ نے 17ھ/638ء میں خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کو درخواست کی کہ وہ ان کے پاس جابیہ کے

پڑاؤ میں تشریف لائیں۔ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کی اس شرط کو منظور کیا اور حضرت علیؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنا کر رجب 17ھ میں بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کی تشریف آوری کے وقت حدود شہر بیت المقدس میں بارہ ہزار بازنطینی اور پچاس ہزار مقامی باشندے آباد تھے۔ حضرت عمرؓ نے اصرار کیا کہ بازنطینی کل باشندے تین دن میں شہر چھوڑ دیں اور مقامی باشندے خراج ادا کریں۔ چنانچہ پانچ دینار امراء پر اور چار دینار متوسط طبقے پر اور تین دینار ادنیٰ طبقے پر ٹیکس عائد کیا گیا۔ مستورات، نابالغان اور بوڑھے اس ٹیکس یا جزیہ سے مستثنیٰ رکھے گئے۔

جب حضرت عمرؓ اس مقدس شہر میں داخل ہوئے تو ان کا سب سے بڑا مقصد اس متبرک چٹان کا محل وقوع معلوم کرنا تھا جسے الصخرہ کہا جاتا ہے جہاں سے پیغمبر اسلام براق پر سوار ہو کر سفر معراج سماوی پر روانہ ہوئے تھے۔ آپ نے وہاں کے اسقف کو فرمایا کہ ان کی رہبری کرے اور وہ مقدس جگہ دکھائے۔ وہ اسقف سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو کلیسائے نشور (Church of resrrection) میں لے گیا اور کہا کہ یہی حضرت داؤدؑ کی مسجد ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ تم غلطی پر ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے جو جگہ بتائی ہے یہ اس کے مشابہ نہیں ہے۔ اس طرح وہ اسقف آپ کو بیت المقدس کے ہر گرجا میں لے گیا۔ آپ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ تم غلطی پر ہو۔ آخر وہ آپ کو اس دروازے پر لے گیا جس کا نام باب المحمد ہے۔ اس کی سیڑھیوں پر کوڑا کرکٹ پڑا ہوا تھا۔ اس کو صاف کرنے کے بعد وہ ایک تنگ راستے میں داخل ہوا جس میں سے حضرت عمرؓ روایت کے مطابق گھٹنوں کے بل چل کر گزرنا پڑا۔ اس کے بعد جب آپ نے الصخرہ پر نظر ڈالی تو فرمایا کہ قسم اس خدائے بزرگ و برتر کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یہی وہ مقام ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے جس کے متعلق بتایا تھا۔ اس کے بعد آپ نے اس مقام پر ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

اذان بلالی

حضرت عمر نے کئی دن یا ایک روایت کے مطابق دس دن تک بیت المقدس میں قیام فرمایا اور معاہدہ صلح بھی طے پا گیا۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ کو اذان دینے کی فرمائش کی۔ حضرت بلالؓ نے امیر المومنین کو بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی اور کی خاطر اذان نہ دینے کا عزم کر چکے ہیں مگر آج صرف آپ کے ارشاد کی تعمیر بجا لاتا ہوں۔ جب اذان دینا شروع کی تو صحابہ کرام کو عہد رسالت مآب یاد آ گیا اور سب بے قرار ہو گئے۔ سب پر رقت طاری ہو گئی۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ بے تاب ہو گئے اور خود حضرت عمرؓ کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی اور دیر تک اس اذان بلالی کا سب پر اثر رہا۔

یہودیت کا اثر

حضرت عمرؓ ایک دن مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے اور حضرت کعب احبارؓ کو بلا کر پوچھا نماز کہاں پڑھی

جائے؟ مسجد اقصیٰ میں ایک پتھر تھا جو انبیاء سابقہ کی یادگار تھا۔ اس کو صخرہ کہتے ہیں۔ یہودی اس پتھر کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجر اسود کی۔ حضرت عمرؓ نے قبلہ کی نسبت پوچھا تو حضرت کعبؓ نے کہا صخرہ کی طرف۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم پر ابھی یہودیت کا اثر باقی ہے اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے صخرہ کے قریب جوتی اتار دی تھی۔

مورخین نے حضرت عمرؓ کے بیت المقدس میں پیش آنے والا یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ جب راہب یا اسقف آپ کو کلیسائے نشور میں لے گیا تو نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ اسقف صفرانیوس نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ یہیں اس کلیسا میں نماز ادا فرمائیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ میں اس کلیسا یا مزار مقدس میں نماز نہیں ادا کرتا اگر میں کسی کلیسا میں نماز ادا کروں تو ہو سکتا ہے کسی وقت مسلمان اس پر مسجد کی تعمیر کرنے کا مطالبہ کر بیٹھیں۔

بیت المقدس میں بیسویں صدی کے اوائل تک کلیسائے نشور کے قریب ہی ایک چھوٹی سی مسجد تھی جو مسجد عمرؓ کہلاتی تھی۔ ہو سکتا ہے اسی مسجد کے مقام پر حضرت عمرؓ نے نماز ادا فرمائی ہو اور بعد ازاں اسی مقام پر مسجد تعمیر کر دی ہو۔

تعمیر مسجد اقصیٰ

معاہدہ طے پانے کے بعد حضرت عمرؓ نے مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا اور جو جگہ اسکی تعمیر کے لیے منتخب کی وہاں گندگی کے انبار لگے ہوئے تھے۔ یہ گندگی یہودیوں سے عناد کی وجہ سے عیسائی کوہ معبد کے اس مقام پر ڈالتے تھے بلکہ قسطنطنیہ سے بھی گندگی سے لدے ہوئے جہاز اسی مقصد کے لیے بھجوائے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس مقام کے صاف کرنے کی ابتدا خود اپنے ہاتھ سے کی۔ معبد کے چبوترے کے جنوب میں محققین کے مطابق ہیرودیس کی شاہی بالکنی کے مقام پر یہ مسجد تعمیر کی گئی۔ موجودہ مسجد الاقصیٰ اسی مقام پر ہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں تعمیر کی جانے والی مسجد لکڑی کی سادہ سی عمارت تھی جو اسلام کی ابتدائی سادگی پسند روایت کی مظہر تھی۔ یروشلم کی تسخیر کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ بھی فرمایا تھا کہ یہودیوں کو بیت المقدس میں رہنے کی اجازت نہ ہوگی تاہم بعد ازاں کچھ عرصے کے بعد یہ اجازت دے دی۔ بہت سے صحابہ کرام نے اس کے بعد القدس میں اسلام کی اشاعت کے لیے مستقل رہائش اختیار کی۔

قبۃ الصخرہ کی تعمیر

وہ چٹان جہاں سے آنحضرت ﷺ رفع معراج سماوی پر تشریف لے گئے تھے الصخرہ کہلاتی ہے۔ اس پر قبے کی تعمیر کا شرف پانچویں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کو حاصل ہوا۔ چونکہ اس مقام سے انبیاء سابقین کی روایات وابستہ ہیں اور امام الانبیا حضرت محمد ﷺ نے بھی شب معراج یہاں امامت انبیاء کرائی تھی اس لیے مسلمان اس جگہ کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ یہودیوں کے ہاں یہ جگہ پہلے قابل احترام و تعظیم تھی اور انھوں نے ایک طویل عرصے تک اپنے آپ کو اس کی زیارت سے محروم رکھا، کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ یہاں کسی مقام پر ان کی توراۃ مدفون ہے، لیکن اب وہ ہیکل کی تلاش

میں یہاں کھدائیاں کررہے ہیں۔ غیر مستند روایات میں وہ اس جگہ کو ''ناف زمین'' سے تعبیر کرتے ہیں بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ کسی اور قطعہ زمین کی نسبت یہ جگہ آسمان سے اٹھارہ میل قریب تر ہے۔

مسلمان اسے کعبۃ اللہ (مسجد الحرم) اور مسجد نبی شریف کے بعد تیسرا سب سے زیادہ مقدس مقام مانتے ہیں اور اسے ثالث الحرمین کہتے ہیں (بحوالہ اردو دائرہ معارف پنجاب یونیورسٹی) اگرچہ عہد نامہ قدیم میں صخرہ کا کوئی خاص ذکر نہیں ہے لیکن تالمود (Talmud) اور (Targums) میں اس کا حوالہ موجود ہے۔ یبوسیوں کے فرمانروا ''ملکی صدق'' (Melchizede) نے اسی جگہ اپنی قربان گاہ بنائی تھی۔ یہیں حضرت ابراہیمؑ نے قربانی دی تھی۔ یہیں حضرت یعقوبؑ کا بیت ایل تھا، ارونا یبوسی کی خرمن گاہ تھی۔ اسی جگہ کو حضرت داؤدؑ نے چاندی کے پچاس شاقل کے عوض خریدا تھا اور پھر یہیں خداوند کریم کی عبادت کی تھی اور ہیکل تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ نے اسی جگہ اپنا ہیکل تعمیر کیا تھا۔ یہیں زربابل اور رومی حکمران ہیرود (Herod) کی قربان گاہیں تھیں اور جب رومی شہنشاہ ہیڈرین نے ہیکل تباہ کیا (135ء) تو اس نے یہاں بت رکھوائے تھے۔ شاہ قسطنطین کی والدہ ملکہ ہیلانہ (335ء) نے یہ بت یہاں سے اٹھوا دیے اور صخرہ پر تعمیر کردہ بت خانہ کی عمارت توڑ دی اور اس جگہ کو نجاست اور گندگی ڈالنے کے لیے مخصوص کر دیا۔

عوام الناس میں صخرہ کے متعلق مشہور ہے کہ یہ زمین و آسمان کے درمیان معلق چٹان ہے یا صخرہ جنت کی چٹانوں میں سے کوئی چٹان ہے اور یہیں کھڑے ہو کر قیامت کے دن حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے، تاہم ان اساطیر کی کوئی شرعی اور اسلامی حیثیت نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہؒ، البقاعیؒ، السیوطیؒ، ابن القیمؒ جیسے عالموں نے ان کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔

قبلہ اوّل

آنحضرت ﷺ رجب 2ھ تک اُس طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے، لیکن آپ کی دلی خواہش تھی کہ بیت اللہ مسلمانوں کا قبلہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دے دیا کہ مسجد الحرام کی طرف منہ کر لو۔ (البقرہ:143)

جب فتح بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمرؓ نے اسقف صفرونیس سے کہا کہ میں مسلمانوں کے لیے یہاں ایک مسجد تعمیر کرنا چاہتا ہوں تو وہ انھیں بالآخر صخرہ کے پاس لے آیا جو اس وقت نجاست سے اٹی ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے دست مبارک سے کوڑے کرکٹ کو ہٹایا اور یہاں ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یوں بیت المقدس میں پہلی مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔

عبدالملک بن مروان

صخرہ پر قبہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے 65ھ/688ء یا 72ھ/691ء میں تعمیر کرایا۔ اس قبے کی تعمیر کا محرک

بیان کرتے ہوئے مورخین نے دو قسم کی آراء پیش کی ہیں۔ مورخ الیعقوبی نے لکھا ہے کہ تعمیر قبۃ الصخرہ کے محرک اس دور کے حالات تھے۔ دنیائے اسلامی میں ایک بار پھر دو خلیفہ مسند نشین تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے شام کی اموی خلافت کے خلاف بغاوت کر کے حجاز کے استقلال کا اعلان کر رکھا تھا لہٰذا عبدالملک بن مروان کو یہ خوف لاحق تھا کہ اہل شام و فلسطین اگر حج و عمرہ کے لیے حجاز جائیں تو عبداللہ بن زبیرؓ ان سے اپنی بیعت لے لیں گے۔ چنانچہ اس نے مسجد صخرہ کی تعمیر کرائی اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بیت القدس کا حج کریں اور صخرہ کا طواف کریں۔ اس کے برعکس بشاری مقدسی جس نے 374ھ/984ء میں بیت المقدس میں قیام کیا تھا، بیان کیا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے جب بیت المقدس میں کنیسہ قیامۃ کا قبہ دیکھا، جس کا عیسائی رعایا حج کرتی تھی تو اسے خدشہ ہوا کہ اس کی شان و شوکت دیکھ کر مسلمان متاثر ہوتے ہوں گے۔ اس نے عزم صمیم کیا کہ وہ ایسی ہی یا اس سے بھی شاندار اور پرشکوہ مسجد تعمیر کرے گا۔ چنانچہ اس نے مسجد صخرہ یا قبۃ الصخرہ تعمیر کرایا۔ عبدالملک نے اس تعمیر سے پہلے اپنے صوبے داروں کو خطوط لکھے اور ان کی رائے دریافت کی۔ ان خطوط کے جواب میں لوگوں کا جو ردعمل تھا ظاہر ہوا۔ اس کے بارے میں بھی دو قول نقل کیے گئے ہیں۔ الیعقوبی کے بیان کے مطابق اس خبر سے مسلمانوں میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ انھوں نے کہا کہ کیا آپ ہمیں حج بیت اللہ سے روک رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا عائد کردہ فرض ہے؟ عبدالملک نے انھیں ابن شہاب الزہری کی سند سے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ نے تین مسجد کی زیارت کے سفر کرنے کی تاکید فرمائی ہے یعنی مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس۔ لوگوں کی طرف سے اس حدیث مبارکہ کی پذیرائی ہوئی تو خلیفہ نے بیت المقدس کی تزئین و آرائش کا کام شروع کر دیا۔ اس کی تعمیر کے لیے صوبہ مصر کی سات سال کی آمدنی وقف کر دی اور اس کی تعمیر کی نگرانی کا کام پہلی صدی ہجری کے معروف عالم، رجاء بن حیوۃ کندی اور اپنے آزاد کردہ غلام یزید بن سلام کے سپرد کیا۔

صدر اسلام میں مسلمانوں نے قبۃ الصخرہ کے ساتھ غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا۔ لوگ ہر پیر اور جمعرات کو نہایت اہتمام کے ساتھ خوشبو لگا کر مسجد صخرہ آتے اور صخرہ کو غسل دیتے اور سونے چاندی کی انگیٹھیاں جن میں مشک و عنبر میں بسا ہوا بخور سلگ رہا ہوتا اندر لا کر رکھ دیتے۔ ستونوں کے پردے نیچے چھوڑ دیتے اور پھر یہ آواز دی جاتی کہ صخرہ لوگوں کے لیے کھول دیا گیا ہے، جو نماز ادا کرنا چاہتا ہے وہ آجائے۔

عبدالملک کے بیٹے ولید نے بھی قبۃ صخرہ کو مزین کرنے میں میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے شاہ روم کو لکھا تھا کہ وہ قبۃ الصخرہ کو مزین کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ اس کی آرائش کے لیے سامان اور ہنرمند بھیجے۔ شاہ روم نے اس کا یہ مطالبہ پورا کر دیا۔ یہ بات کہ قبۃ الصخرہ کی تعمیر عبدالملک نے کی تھی اس مشہور کتبے سے ظاہر ہوتی ہے جو اس کے جنوب مشرقی درمیانے حصے میں بنے ہوئے ستون کی محراب پر زرد اور نیلے کاشی کے ٹکڑوں سے کوفی رسم الخط میں لکھا گیا ہے: "اس قبے کو

اللہ کے بندے عبدالملک امیر المومنین نے 72ھ میں تعمیر کیا...... اللہ اس کو قبول فرمائے اور اس سے راضی ہو۔" عباسی خلیفہ المامون کے عہد میں جب اس قبے کو نقصان پہنچا تھا تو اس نے 216ھ / 831ء میں اس کی مرمت کرائی۔ کاریگروں نے اس کتبے میں عبدالملک کی جگہ المامون کا نام کندہ کر دیا۔ ان سے غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے تعمیر کنندہ کا نام تو تبدیل کر دیا مگر وہ سال تعمیر تبدیل کرنا بھول گئے۔

846 میں ایک شدید زلزلے نے جورات کے وقت آیا تھا قبہ کے محافظوں نے شہادت دی کہ قبہ بیچ میں سے شق ہو گیا تھا حتی کہ وہ رات کے وقت اس میں بیٹھ کر ستارے بھی دیکھ سکتے ہیں اور ان کے چہروں پر بارش کے قطرے بھی گرتے ہیں۔ پھر 407ھ / 1016ء میں فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے عہد میں ایک اور شدید زلزلہ آیا اور قبہ چٹان سے نیچے گر گیا۔ اس کے چھ برس بعد خلیفہ الحاکم نے اسے از سر نو تعمیر کرایا۔ اس تعمیر و مرمت کے بارے میں بھی ایک اور کتبہ موجود ہے جس پر لکھا ہے کہ 418ھ / 1060ء میں عہد الظاہر لاعزاز دین اللہ کی تعمیر ہے۔"

صلیبیوں کے قبضے میں

کتاب ""مثیر الغرام"" کا مصنف لکھتا ہے کہ 452ھ / 1060ء میں وہ عظیم فانوس جو قبے کے وسط میں آویزاں تھا زمین پر گر پڑا اور اس میں موجود پانچ سو چراغ تھے وہ بجھ گئے۔ اسے ایک شگون بد سمجھا گیا۔ 1099ء میں جب صلیبی فاتحین یروشلم میں داخل ہوئے تو انھوں نے مسجد صخرہ کو کلیسا میں تبدیل کر دیا اور صخرہ کے اوپر ایک قربان گاہ تعمیر کر دی جسے وہ ہیکل السید (Templum domini) کہتے تھے۔ اس کے اندر انھوں نے مختلف مسیحی بزرگوں کی تصویریں اور مورتیاں سجادی تھیں۔ محققین نے لکھا ہے کہ صلیبی صخرہ کے بہت سے ٹکڑے کاٹ کر قسطنطنیہ اور سقلیہ لے گئے۔ ایک محقق لی سٹرینج کے الفاظ میں صلیبیوں نے مسجد کے بیشتر نقوش بدل دیے۔ مسجد کے ایک حصے کو کلیسا بنالیا اور دوسرے حصے کو فوجی رہائش میں بدل دیا جس میں نائٹ ٹیمپلیر قیام کرتے تھے۔ ابن الاثیر نے اپنی تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ مسیحی قبضے کے دوران مسیحی پادری صخرہ کے اجزا توڑ کر سمندر پار سے آنے والے زائرین کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔ صلیبیوں نے قبے کے کلس پر سونے کی ایک بھی صلیب بھی نصب کر دی تھی۔ اندرونی حلقے کے ستونوں کے درمیان فرانسیسی صنعت کاری کا ایک آہنی کٹہرا لگایا گیا اور اس میں چار دروازے رکھے گئے تھے۔ اور نیچے جو غار ہے اسے ذیلی عبادت گاہ (Chaple) بنا دیا گیا۔

القدس کی بازیابی

1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بیت المقدس کو واگزار کرایا تو قبے کے کلس پر جو صلیب تھی وہ گرادی گئی اور سب صلیبی علامات ہٹادی گئیں۔ فتح القدس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے پہلا جمعہ مسجد صخرہ میں

پڑھا۔ جمعہ کی اذان اور نماز قاضی دمشق محی الدین بن الزکی نے پڑھائی۔ (ابن الاثیر، تاریخ کامل)

582ھ/1448ء میں بعہد مملوک سلطان الظاہر برقموق قبے کی چھت کا ایک حصہ آسمانی بجلی گرنے کی وجہ سے جل گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آگ آسمانی بجلی گرنے کی وجہ سے نہیں لگی تھی بلکہ اس میں چند امیر زادوں کی کارستانی کو دخل تھا۔ وہ قبے کی دہری چھت کے اندرونی حصے میں کبوتروں کا شکار کرنے کے لیے گھس گئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں شمع تھی جس سے چھت کو آگ لگ گئی تھی۔

سلطان الظاہر نے ناظم حرم، قاضی شمس الدین حموی کو 2500 دینار سنہری اور ایک سو بیس قنطار جست دیا۔ قاضی نے اس رقم کو کام میں لاکر پہلے سے بھی بہتر چھت بنوادی۔ عثمانی سلطان سلیمان قانونی کے عہد 1520ء تا 1566ء میں قبۃ الصخرہ کی پوری عمارت کی تجدید نو کی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ قبۃ الصخرہ کی عمارت میں کاشی کاری کا استعمال سب سے پہلے سلطان سلیمان کے عہد میں کیا گیا تھا ورنہ اس سے پہلے فسیفا سے زیب و آرائش کی جاتی تھی۔ اسی کے عہد میں قبے کی کرسی میں سنہری شیشے کے سولہ روشن دان بنائے گئے۔ بعد کے عثمانی سلاطین بھی مسجد الصخرہ میں غیر معمولی دلچسپی لیتے رہے۔ خاص طور پر سلطان عبدالحمید ثانی کے عہد میں بڑے پیمانے پر تجدید و مرمت کا کام کیا گیا۔ یہ تجدید ایک ارمن ماہر تعمیر و قبہ ساز، قرابت قالفا کی نگرانی میں ہوئی تھی جسے باب عالی نے خصوصی طور پر اسی مقصد کے لیے قسطنطنیہ سے یروشلم بھیجا تھا۔ اس نے قبے کو مستحکم کیا اور اندرونی حصے میں کئی نقش و نگار کا اضافہ کردیا۔ سلطان عبدالحمید ثانی (1853ء) اور سلطان عبدالعزیز عثمانی (1874) کے عہد میں جو ترمیمات کی گئیں وہ عبدالملک بن مروان کی تعمیر کے بعد مسجد الصخرہ کی سب سے بڑی ترمیمات واضافے تھے۔ سلطان عبدالحمید نے تمام مسجد میں ایرانی قالین بچھوادیے۔ صخرہ کے اوپر ایک خوشنما قندیل معلق کرادی جسے 1951ء مسجد اقصیٰ میں منتقل کردیا گیا۔ سلطان عبدالحمید ہی نے قبے کے بیرونی جانب سورۃ الاسراء کی ابتدائی آیات نقش کرائیں۔

بیسویں صدی میں

1936ء میں فلسطین کی ایک اعلیٰ اسلامی کونسل نے الحاج مفتی محمد امین الحسینی کی صدارت میں حرم قدسی کی دیکھ بھال کی ذمے داری لی۔ مصر کے محکمہ آثار عرب کے ناظم محمود احمد پاشا نے اسلامی کونسل کے نمائندہ کی حیثیت سے قبے اور مسجد کی عمارت کا جائزہ لیا اور ایک رپورٹ مرتب کی جس میں ان تمام چیزوں کی نشاندہی کی جو مرمت و تجدید کی متقاضی تھیں۔ کونسل نے جزوی طور پر چند ترامیم کرائیں۔ ترمیمات جاری تھی کہ ترکی انجینئر کمال الدین بک اور اس کے ساتھیوں نے تعمیری خدمات سے استعفیٰ دیدیا (1938) جس کے بعد کونسل نے 1946ء میں قبرص کے ماہر آثار قدیمہ و تعمیرات A.H.S.Megaw کو مسجد صخرہ کے از سر نو جائزے کے لیے طلب گیا۔ اس نے دس نکات پر مشتمل جامع رپورٹ میں

بتایا کہ 1927ء کے زلزلے میں قبے کو اندر اور باہر دونوں سمتوں سے نقصان پہنچا تھا۔ ایسی ہی ایک اور رپورٹ مصر کے ماہر آثار قدیمہ عبدالفتاح بک نے بھی پیش کی اور تجدید و مرمت کے لیے ایک لاکھ ساٹھ ہزار سٹرلنگ پونڈ کے خرچے کا تخمینہ پیش کیا۔

نومبر 1947ء میں تقسیم فلسطین کے اعلان کے بعد عربوں اور یہودیوں میں جو جنگ ہوئی اس سے حرم قدسی بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ یہودی مسجد کی چھت اور صحن میں گولہ باری کرتے رہے۔ 16 جولائی 1948 میں یہودیوں نے حرم شریف پر حملہ کیا اور مقامی وقت کے مطابق شام چار بج کر بیس منٹ پر گولہ باری شروع کر دی جو اگلے روز صبح چار بجے تک جاری رہی۔ صحن حرم میں تقریباً ساٹھ بم گرے جن میں سے ایک قبے کے عین اوپر آ گرا جس سے قبے کو شدید نقصان پہنچا۔

ایسے ہی مزید حملے یہودیوں نے اگست، ستمبر اور اکتوبر، نومبر 1948 کے مہینوں میں حرم شریف پر کیے۔ ان حملوں سے شمال مغربی سمت میں قبے کی جالی دار کھڑکیاں متاثر ہوئیں اور تاریخی نقوش سے مزین شیشے کی قدیم تختیاں ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ طہارت خانے اور باب المواز ین کی سیڑھیوں میں شگاف پڑ گئے۔ کئی نمازی شہید ہوئے اور مسجد شریف کے کئی دوسرے حصے بھی متاثر ہوئے۔ 22 فروری 1954ء کو مملکت اردن کی مجلس وزراء نے ایک وفد تشکیل دیا کہ وہ عالم اسلام کا دورہ کرے اور مسجد صخرہ اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر و مرمت کے لیے عطیات جمع کرے۔ اس وفد نے دنیائے اسلام کا دورہ کر کے تقریباً دو لاکھ انتالیس ہزار چھ سو اردنی دینار کے برابر چندہ جمع کیا جبکہ مرمت و تجدید کا خرچہ پانچ لاکھ دینار لگایا گیا تھا۔ اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ اس رقم سے صرف مسجد صخرہ کی ہی مرمت کرائی جائے۔ 25 اپریل 1956ء کو مرمت کا آغاز ہوا اور اس کے اہم حصے درست کروا دیے گئے۔ جون 1967ء میں پورا حرم شریف یہودیوں کے قبضے میں چلا گیا اور اب اسرائیل کے دارالحکومت کا ایک حصہ ہے۔

مسجد الاقصیٰ کی تعمیر و تجدید

وہ مسجد جو بیت المقدس میں تعمیر ہوئی اس کے معنی 'بعید ترین مسجد'' کے ہیں (اس لیے کہ یہ مسجد مسجد الحرام مکہ سے بعید ترین مقام پر واقع ہے) سب سے پہلے یہ نام اقصیٰ سورہ بنی اسرائل کی آیت نمبر 1 سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بنی اسرائیل ۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات (خدا) جو رات میں لے گئی اپنے بندے کو مسجد حرام سے بطرف مسجد الاقصیٰ کے جسکے گرداگرد ہم نے برکت نازل کی ہے تاکہ ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔

روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو شب معراج میں ایک مرحلے (پہلے) کے طور پر مسجد اقصیٰ لے جایا گیا وہیں آپ ﷺ نے انبیائے سابقہ کی دو رکعت نماز کی امامت کرائی اور آپ کو امام الانبیا ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کو شراب اور دودھ کے پیالے پیش کیے گئے۔ آپ نے ان میں سے دودھ کے پیالے کو منتخب فرمایا جس پر آپ کو خوش خبری دی گئی کہ آپ کی امت مجموعی طور پر کبھی گمراہ نہیں ہوگی۔ محققین نے لکھا ہے کہ معراج شریف کے زمانے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کوئی عمارت ضرور موجود تھی جس کی بابت قریش مکہ نے استفسار کیا تو آپ ﷺ نے ان کے سوالات کے تسلی بخش جوابات دیے تھے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی اس عمارت کو یا اس کہ نقشے کو آپ ﷺ کے سامنے کر دیا تھا۔ اسلامی دور میں یہاں سب سے پہلی مسجد خلافت فاروقی میں تعمیر ہوئی تھی۔

بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ جیسا کہ اسے قرآن مجید میں نام دیا گیا ہے بہر حال قدیم ترین زمانے ہی سے اسلام میں ایک مقدس مقام ہے یعنی اسے قبلہ اول ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ اگرچہ بعد ازاں تحویل قبلہ کی آیات کے نزول کے بعد اس قبلہ اول کو بیت اللہ شریف کے حق میں چھوڑ دیا گیا تھا تاہم پھر بھی اس کا تقدس قائم رہا جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ خلیفہ ثانی نے یہاں مسجد تعمیر کرائی۔

المسجد الاقصیٰ اب خصوصیت کے ساتھ اس مسجد کا نام ہے جو قدیم اسرائیلی معبد ہیکل سلیمانی کے رقبہ کے جنوب

میں واقع ہے۔ بعد کے مغربی مورخین نے لکھا ہے کہ یہ مسجد خلیفہ عبدالملک (۶۸۷ء تا805ء) نے تعمیر کرائی تھی۔

اس مسجد کے احاطے کو حرم شریف یا حرم اشرف کہتے ہیں جو 1499 فٹ طویل اور 595 فٹ کشادہ ہے۔ اس کے دس دروازے ہیں جن میں سے پانچ بند اور پانچ کھلے رہتے ہیں۔ اس احاطے کے درمیان سنگ مرمر کا ایک تخت یا سنگین چبوترہ ہے جو غالباً 450 مربع فٹ ہے اور بارہ سے چودہ فٹ احاطہ کے فرش سے بلند ہے۔ اس تخت کے گرد بہت سے حجرے بنے ہوئے ہیں جہاں موذن اور خدام مسجد رہتے ہیں یا سامان رکھا جاتا ہے۔ چبوترے کے اوپر تک پہنچنے کے لیے نو سیڑھیاں ہیں جن میں سے آٹھ سیڑھیاں ایسی ہیں کہ جب صحن مسجد کے چبوترے تک پہنچ جاتی ہیں تو وہاں محراب دار ستون بنے ہوتے ہیں۔ ان محراب دار ستونوں (قناطیر) کو موازین (واحد میزان یعنی ترازو) کہتے ہیں۔ عوام الناس میں یہ بے بنیاد روایت پھیلی ہوئی ہے کہ قیامت کے روز یہاں میزان عدل نصب کی جائے گی۔

سب سے زیادہ خوبصورت اور خوشنما وہ مسجد ہے جو اس تخت کے بیچوں بیچ واقع ہے اسے مسجد صخرہ کہتے ہیں۔ اس مسجد کے اندر موجود وہ چٹان ہے جسے صخرہ کہا جاتا ہے۔ اس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ یہ پتھر اس وقت آسمان سے گرا تھا جب پہلے پہل موت واقع ہوئی تب سے یہ اسی جگہ پڑا ہوا ہے۔

روایت ہے کہ انبیائے سابقہ اسی پتھر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچایا کرتے تھے۔ اس پتھر یا چٹان کے اوپر تعمیر کردہ مسجد ہشت پہلو یا مثمن الاضلاع ہے جس کا پہلو تقریباً 66 فٹ طویل ہے۔ اس کا اندرونی قطر 192 فٹ ہے اور قبے کے قاعدے کا قطر بھی 66 فٹ ہے۔ یہ قبہ 99 فٹ بلند اور لکڑی کا بنا ہوا ہے جس کے باہر کی طرف سیسا چڑھا ہوا ہے اور اندرونی سمت میں گچ کا استر لگایا گیا ہے۔ جس میں سنہری کام اور پرتکلف آرائش کی گئی ہے۔ عمارت کے بیرونی طرف پہلے سنگ مرمر لگا ہوا تھا لیکن سلطان سلیمان قانونی نے 1561ء میں بعض حصوں میں اس کی جگہ کاشی کاری کرادی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ سولھویں صدی عیسوی میں تمام عمارت کو نئے سرے سے درست کرا کے اس کی آرائش کی گئی ہے۔ چنانچہ دیواروں کی بیرونی میناکاری، خوبصورت رنگین شیشوں کی کھڑکیاں اور دوسرا سامان تزئین سب اس مخصوص ترکی طرز کا ہے۔ عمارت کے باہر چاروں طرف ایک حاشیے کی شکل میں قرآنی آیات خط طغرا میں دلفریب انداز سے تحریر کی گئی ہیں۔ رنگوں کا امتزاج بھی بہت مناسب ہے۔

کھڑکیوں کی بناوٹ میں اعلیٰ درجے کی حسین ترتیب ہے خصوصاً اس کھڑکی کے جالی دار کام میں جو مغربی دروازے کے قریب ہے۔ اندر کی طرف چار نہایت ضخیم پیل پاؤں اور بارہ ستونوں نے چاروں طرف سے صخرہ کو گھیر رکھا ہے۔ قبہ انھیں ستونوں پر قائم ہے ان کے علاوہ ستونوں کا ایک اور سلسلہ بھی ہے جس میں ہشت پہلو پردہ ہے اور اس میں آٹھ پیل پائے اور سولہ ستون ہیں۔ گویا ہر دو شش پہلو پیل پاؤں کے درمیان دو ستون ہیں۔ اس طرح اندرونی حصہ تین

اہم مرکز حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ بیرونی ہشت پہلو دالان تیرہ فٹ چوڑا ہے اور اندرونی چالیس فٹ چوڑا۔ دروازے چار اہم کونوں کے سامنے ہیں۔

شمالی دروازہ باب الجنۃ کہلاتا ہے اور جنوبی باب القبلہ۔ مشرق دروازہ باب النبی داؤدؑ ہے۔ اسی کو باب السلسلہ بھی کہتے ہیں۔ مغربی دروازے کو باب الغرب کہا جاتا ہے۔ ساگوان کے بنے ہوئے دروازوں کے قفل پرانی دستکاری کے حسین نمونے ہیں۔ دروازوں پر پیتل کی چادریں چڑھی ہوئی ہیں جن پر خط کوفی میں 216ھ کندہ ہے۔

عمارت کی زیریں منزل سولہ فٹ بلند ہے اور اس میں مذکورہ بالا دوازے نصب ہیں۔ اس پر سادہ چنائی کی 20 فٹ بلند بالائی منزل ہے جس کے ہر پہلو کی سات سات گول محرابوں میں سے اڑتیس کھڑکیاں کھول دی گئی ہیں اور باقی میں تیغا ہے پھر سب کے بعد وہ حیرت انگیز، موزوں متناسب بالائی قبہ ہے۔ فرش پر سنگ مرمر کی سلیں بچھی ہوئی ہیں جنھیں آنکڑوں سے جمایا گیا ہے اور جن کے جوڑوں میں سیسا پگھلا کر بھر دیا گیا ہے۔

صخرہ 56 فٹ طویل، بیالیس فٹ چوڑا اور تقریباً نیم دائرہ کی شکل کا ہے۔ اس کا منحنی ڈھلواں پہلو مشرق کی جانب ہے اور سیدھا اونچا بلند تر پہلو مغرب کی سمت میں۔ علم طبقات الارض کے اعتبار سے یہ چٹان یروشلم کی سطح مرتفع کی زیادہ سخت قسم کی سرمئی رنگ کی چٹانوں کا حصہ ہے اور عملاً اپنی غیر تراشیدہ شکل میں صدیوں سے موجود ہے۔ صخرہ کی زیارت کرتے وقت زائر کو یہ احتیاط برتنا چاہیے کہ طواف کرتے وقت صخرہ اس کے دائیں طرف رہے تاکہ اس کا طواف کعبہ کے طواف سے مختلف سمت میں ہو۔ ابن عبدربہ نے اپنی کتاب ''العقد فرید'' میں لکھا ہے ''جب تم صخرہ میں داخل ہو جاؤ وہاں کے کونوں میں نماز ادا کرو اور اس سل پر بھی جو اپنی عظمت وشان میں صخرہ ہی کے مقابلے کی ہے کیونکہ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک پر رکھی ہوئی ہے۔'' یہ سل دراصل باب الجنۃ کے قریب سنگ مرمر کے فرش کا ایک حصہ ہے۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ اسی جگہ حضرت الیاسؑ نے نماز پڑھی تھی۔ دوسرے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ سل حضرت سلیمانؑ کی قبر پر ہے۔ بہرحال اس کے بارے میں یہ بات سب مانتے ہیں کہ ابتداء میں جنت کے فرش کی ایک سل (بلاطۃ الجنۃ) تھی۔ نیچے غار میں جانے کے لیے صخرہ کے مشرق میں باب المفارۃ الارواح نامی ایک دروازہ ہے۔ جب اس دروازے میں سے گزرتے ہوئے زائر عاجزانہ انداز میں گیارہ سیڑھیاں نیچے اترتا ہے تو حضرت سلیمانؑ کی یہ دعا اس کی زبان پر ہوتی ہے: ''خدایا! ان گنہگاروں کی بخشش فرما جو یہاں حاضر ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کو نجات عطا فرما۔''

غار کی بلندی اوسطاً چھ فٹ ہے اور اس کی چھت پر ایک نشان بنا ہوا ہے۔ اس کا فرش سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اور اس کی دیواروں پر سفیدی کی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس غار میں باسٹھ آدمیوں کے سمانے کی جگہ ہے۔ صخرہ کے ایک طرف باہر کو نکلے ہوئے ٹکڑے کو ''لسان صخرہ'' کہتے ہیں۔ غار کے اندر دو محرابیں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سنگ

مرمر کے دوستونوں پر استوار ہے۔ دائیں محراب کے سامنے مقام خضراء ہے اور شمالی کونے میں ایک چبوترہ ہے جسے مقام الخلیل کہا جاتا ہے۔

صخرہ کے جنوب مشرق میں ایک زینہ ہے جو اوپر قبے کی غلام گردش تک جاتا ہے۔ وہاں ہم اس ہلال تک پہنچ سکتے ہیں جو قبے کے کلس پر آویزاں ہے۔ اس منظر کی دل کشی کی تعریف المقدسی (984ء) نے کچھ یوں کی ہے:

''فجر کے وقت جب آفتاب کی شعائیں اس قبے پر پڑتی ہیں اور اس کا ڈھولنا منور ہو جاتا ہے تو اس عمارت کے منظر میں اتنا حسن و جمال ہوتا ہے کہ تمام عالم اسلام میں یہ نظارہ کہیں اور دیکھنے کو نہیں مل سکتا۔''

مسجد صخرہ کے لیے مختلف زمانوں میں لوگ جائدادیں وقف کرتے رہے ہیں۔ القدس میں ان جائیدادوں کا ایک طویل سلسلہ موجود ہے۔ یہ جائدادیں، دکانوں، مکانوں اور زمینوں پر مشتمل ہیں۔

روپہلی گنبد والی مسجد اور سنہری گنبد والے قبۃ الصخرہ اور چاروں میناروں سمیت تمام عمارات تاریخی طور پر مسجد اقصیٰ ہی کے نام سے جانی جاتی ہیں اور انھیں عمارات کے مجموعے کو حرم اشرف بھی کہا جاتا ہے۔ قبۃ الصخرہ کے ساتھ ساتھ روپہلی گنبد والی مسجد اقصیٰ کی تعمیر سب سے پہلے خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کرائی تھی جو اس کے بیٹے ولید کے عہد میں 705ء میں مکمل ہوئی تھی۔

746ء میں آنے والے ایک شدید زلزلے کی وجہ سے مسجد اقصیٰ سمیت تمام عمارات کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ اس دور میں خلافت بنوامیہ مستحکم نہیں رہی تھی۔ اس وجہ سے اس کی تجدید و مرمت نہ ہو سکی۔ اس زلزلہ کی آمد کے صرف چار سال بعد ایک شدید سیاسی زلزلہ بھی آیا جس نے مسند خلافت پر عباسیوں کو متمکن کر دیا۔ السفاح کے بعد جب دوسرا عباسی خلیفہ المنصور مسند نشین ہوا تو اس نے مسجد اقصیٰ کی تجدید و مرمت کا اعلان 753ء میں کیا۔ یہ کام 771ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا لیکن 774ء میں آنے والے ایک اور زلزلے نے المنصور کی تجدید و مرمت کر شدید نقصان پہنچایا۔ 780ء میں المنصور کے جانشین خلیفہ المہدی نے ایک مرتبہ پھر اس کو از سر نو تعمیر کرایا۔ اس تعمیر کو بیت المقدس کے رہائشی جغرافیہ دان بشاری مقدسی نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ 1033ء میں ایک اور شدید زلزلہ آیا اور مسجد اقصیٰ کو شدید نقصان پہنچا گیا۔ اس مرتبہ تجدید کا کام فاطمی خلیفہ الظاہر نے 1034ء سے 1036ء کے درمیان کرایا۔ اس تعمیر کے بعد کے ایرانی سیاح ناصر خسرو نے اس کا ذکر اپنے سفر نامہ میں کیا ہے۔

جدید دور

بیسویں صدی کے دوسرے عشرے 1922ء میں اس صدی کی پہلی تجدید مسلم سپریم کونسل نے مفتی امین الحسینی کی قیادت میں کرائی تھی۔

آتش زدگی

21 اگست 1969ء کو یروشلم پر اسرائیلی قبضے کے صرف دو سال بعد ایک جنونی آسٹریلیائی عیسائی ڈینس مائیکل روہن نے مسجد شریف میں آگ لگادی۔ اس جنونی کے نزدیک مسجد اقصیٰ کے گنبد کے زمین بوس ہوجانے سے حضرت عیسیٰؑ کی دنیا میں آمد جلد واقع ہونا تھی مگر دراصل یہ سب کچھ اس نے یہودیوں کے اشارے پر کیا تھا جو اس مقدس مسجد کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ اس آگ نے مسجد اقصیٰ کو شدید نقصان پہنچایا اور نور الدین زنگی کا مشہور منبر اور چھت کو سہارا دینے والے لکڑی کے کئی ستون جل گئے۔ سینکڑوں مسلمان مسجد اقصیٰ کو دوڑے اور سینہ کوبی کرنے لگے۔ وہ چیخ چیخ کر الزام لگا رہے تھے کہ آگ بجھانے والے اسرائیلی عملے نے آگ بجھانے کی بجائے مزید پٹرول چھڑک کر شعلوں کو ہوا دی ہے۔ اسی سانحہ کے نتیجے میں مسلم سربراہ کانفرنس کا پہلا اجلاس رباط میں منعقد ہوا جس میں مسجد شریف کو پیش آنے والے اس حادثے کا جائزہ لیا گیا۔

مسجد اقصیٰ کو دھماکے سے اڑانے کا منصوبہ

1980ء کی دہائی میں انتہا پسند یہودیوں نے مسجد اقصیٰ اور گنبد صخرہ دونوں کو بم سے اڑانے کا منصوبہ بنایا تاکہ ان مقدس مسلم مقامات کی جگہ پر ہیکل کی تیسری تعمیر کی جاسکے مگر اگر یہودی انتہا پسندوں کی یہ ناپاک منصوبہ بندی کامیاب ہوجاتی تو بالضرور تیسری عالمگیر جنگ کا سبب بن جاتی مگر یہودیوں کی یہ سازش 1984ء میں بے نقاب ہوگئی۔

تعمیر و فن تعمیر

مسجد اقصیٰ اور اس کے ارد گرد کی دیگر عمارات بشمول گنبد صخرہ تقریباً 144000 مربع میٹر کے رقبے پر تعمیر کی گئی ہیں۔ مسجد اقصیٰ خود تقریباً 35000 مربع میٹر کے رقبے پر تعمیر کی گئی ہے اور پانچ ہزار نمازیوں کی گنجائش رکھتی ہے۔ یہ عمارت گنبد صخرہ کے برعکس جو بازنطینی فن تعمیر کا عکس نظر آتا خالص طور پر ابتدائی اسلامی فن تعمیر کا نمونہ نظر آتی ہے۔

اس کا طول تقریباً 83 میٹر (272 فٹ) اور عرض 56 میٹر (184 فٹ) ہے۔

گنبد

اگرچہ آج خلیفہ عبد الملک کے عہد میں تعمیر کیے گئے گنبد کی کوئی چیز بھی باقی نہیں رہی مگر موجودہ گنبد فاطمی خلیفہ الظاہر کے تعمیر کردہ گنبد سے بالکل مشابہ ہے جو 1969 کی آتش زدگی سے پہلے بالکل صحیح حالت میں وجود تھا۔ 1969ء کی آتش زدگی کے بعد لکڑی کے بجائے کنکریٹ کا گنبد تعمیر کیا گیا تھا اور اس پر المونیم چڑھایا گیا تھا جو اس پر نصب کی گئی سیسے کی اصل پٹیوں کی جگہ تھا مگر 1983ء میں سلور یا المونیم کی پلیٹوں کو اصل سیسے کی سلیٹی رنگ پلیٹوں سے بدل کر اس کی تعمیر کا سابق انداز بحال کردیا گیا۔

مسجد اقصیٰ کا گنبد ان چند ایک گنبدوں میں سے ایک ہے جو عہد بنو امیہ اور عباسیہ میں محراب کے بالمقابل تعمیر کیے گئے تھے۔ اس گنبد کی اندرونی زیبائش چودھویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتی ہے۔ 1969ء میں ہونے والی آتش زدگی میں اس کی اندرونی زیبائش کو بھی شدید نقصان پہنچا تھا مگر اس زیبائش کو جدید تیکنیک استعمال کر کے بحال کر دیا گیا ہے۔

روکار اور ڈیوڑھی

مسجد اقصیٰ کی روکار یا مسقف ڈیوڑھی 1065ء میں فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ کے حکم پر تعمیر کی گئی تھی۔ یہ ڈیوڑھی ایک آرائشی محراب اور چھوٹے آرائشی ستونوں پر مشتمل ہے۔ صلیبیوں نے اپنے قبضے کے دوران اس کو شدید نقصان پہنچایا تھا تاہم اس کی خوصورتی اور آرائش کو ایوبی سلاطین نے بعد ازاں بحال کر دیا اور اس کو خوبصورت ٹائلوں سے مزین کرا دیا تھا۔ اس محراب دار ڈیوڑھی کی مزید تزئین و آرائش مملوک سلاطین کے عہد میں کی گئی۔ اس کی تجدید و مرمت صلاح الدین ایوبی کے بھتیجے المعظم کے عہد میں 1217ء میں کی گئی تھی۔

اندرون مسجد

مسجد اقصی کے اندرونی دالان کے سات بغلی حصے (Aisles) ہیں اور عمارت کے جنوبی حصے سے ملحقہ کئی چھوٹے ہال بھی ہیں جو اس کے مشرق و مغرب میں واقع ہیں۔ مسجد شریفہ کی 121 رنگین شیشے کی کھڑکیاں ہیں جن کا تعلق عباسی اور فاطمی خلفاء کی تعمیرات سے ہے۔ 1924ء میں کی جانے والی تجدید و مرمت میں ان میں سے کئی ایک بحال کر دیے گئے ہیں۔

مسجد کے اندرونی دالان کی چھت کو 45 ستونوں سے سہارا دیا گیا ہے جن میں سے 33 سنگ مرمر کے ہیں۔ اندرونی دالان کے مرکزی حصے کے ستون کسی قدر بھاری ہیں جب کہ دوسرے حصوں کے ستون متناسب ہیں۔ گنبد کے نیچے کے ستون کار تحسین سجاوٹ آرائش سے مزین ہیں اور اطالوی سفید سنگ مرمر کے تعمیر کیے گئے ہیں۔ مسجد شریف کے اندرونی حصے میں اگرچہ زیادہ طور پر سفیدی کی گئی ہے مگر گنبد اور اس کے نیچے کی دیواریں کاشی کاری سے آراستہ ہیں۔

منبر

مسجد اقصیٰ کا منبر نورالدین زنگی کے حکم پر حلب کے ایک دست کار اختر ینی نے بنایا تھا۔ نورالدین زنگی نے جب القدس کو صلیبیوں سے آزاد کرانے کی کوشش کی تھی اس دوران یہ منبر مسجد کے لیے ایک تحفہ کے طور پر بنوایا تھا تاہم نورالدین زنگی اپنی وفات تک القدس کو صلیبیوں سے آزاد نہ کرا سکا اور یہ سعادت بعد ازاں صلاح الدین ایوبی کے حصے میں آئی اور اس نے سلطان نورالدین زنگی کا بنوایا ہوا منبر مسجد شریف میں بچھوایا تھا۔ یہ منبر ہاتھی دانت سے بنایا گیا تھا اور اس پر عربی خطاطی کے بہترین نمونے موجود تھے۔ اس منبر کو آرائشی پھول پتوں سے بھی سجایا گیا تھا۔ یہ منبر 1969ء کی

آتش زدگی میں جل کر خاکستر ہو گیا تھا اور ایک سادہ منبر اس کی جگہ رکھ دیا گیا تھا۔ 2007ء میں اقصیٰ اسلامی وقف کے سربراہ عدنان الحسینی نے بیان دیا تھا کہ جلد ہی ایک نیا منبر اس کی جگہ رکھا جائے گا۔ نیا منبر سلطان صلاح الدین کے منبر کی طرز پر بنایا گیا ہے۔

وضوخانہ

مسجد اقصیٰ کا مرکزی وضوخانہ Al-Kas مسجد اقصیٰ گنبد صخرہ کے درمیان مسجد کے شمال میں واقع ہے۔ یہاں مسجد میں نماز ادا کرنے والے وضو کرتے ہیں۔ یہ وضوخانہ سب سے پہلے بنوامیہ کے عہد میں تعمیر کیا گیا تھا۔ بعدازاں 1327ء میں گورنر تنکیز نے اس کی تجدید کرائی اور اسے کشادہ کیا۔

حرم شریف اور دیگر مقامات

محقق ابن الفقیہ نے 903ء میں لکھا تھا کہ حرم شریف کا طول ایک ہزار درع اور عرض سات سو درع ہے۔ اس کی عمارتوں میں چار ہزار چوبی شہتیر، سات سو سنگی ستون اور پانچ سو پیتل کی زنجیریں ہیں۔ ہر رات ایک ہزار چھ سو فانوس روشن کیے جاتے ہیں اور اس کام کے لیے ایک سو چالیس غلام مامور ہیں۔ ہر ماہ سو تین سو کلو روغن زیتون یہاں کے فانوسوں اور چراغوں میں استعمال ہوتا ہے۔ حرم شریف کے اندر سولہ بڑے صندوق قرآن مجید کے مجلدات کے ہیں۔ وضو کے لیے چار حوض اور واعظین کے لیے پانچ منبر ہیں۔ مسجد اور گنبدوں کی چھتوں پر مٹی کے بجائے جست کی 45 ہزار تختیاں چڑھائی گئی ہیں۔ مسجد کے اندر ستر گز (درع) طویل تین مستورات کے لیے مخصوص مقصورے ہیں۔ حرم شریف کے اندرونی و بیرونی دروازوں کی تعداد پچاس ہے جبکہ ابن عبد ربہ اس کے دس سال بعد اپنی کتاب ''العقد فرید'' میں لکھتا ہے کہ حرم شریف کی مبارک عمارتوں میں ڈیڑھ ہزار فانوس روشن کیے جاتے ہیں۔ دروازے پچاس اور ستون 684 ہیں۔ صخرہ کے اندر بیس اور باہر اٹھارہ ستون ہیں۔ صخرہ کے گنبد پر جست کی 3392 تختیاں لگائی گئی ہیں جن پر پالش کردہ پیتل کی 10210 تختیاں جڑی گئی ہیں۔ اس قبہ میں روشنی کے لیے 464 فانوس روشن کیے جاتے ہیں جو تانبے کی زنجیروں اور کنڈوں میں لٹکے ہوئے ہیں۔ ہر زنجیر 18 درع (گز) لمبی ہے۔ بڑی تقطیع کے چھ قرآن مجید، جن کا ہر صفحہ کھال کے پورے تقطع پر مبنی ہے۔ حرم محترم میں دس محرابیں، پندرہ گنبد، چوبیس دریچے اور چار مینارے اذان کے لیے ہیں۔ مسجد، گنبد اور میناروں سب کی چھتوں پر ملمع شدہ چادریں چڑھائی گئی ہیں۔ مسجد میں 230 خدام ہیں جنھیں سرکاری خزانے سے تنخواہ ملتی ہے۔ روغن زیتون کی ایک بڑی مقدار تقریباً سات سو کلوگرام حرم شریف کے چراغوں میں روشنی کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ ایک جدید مغربی سیاح کے سفرنامے کے مطابق حرم اقدس کا طول 1200 گز اور عرض 660 گز ہے۔ حرم میں جابجا زیتون، مروا اور نارنج کے درخت ہیں اور اس کے دروازے چودہ ہیں جن میں سے اکثر بند رہتے ہیں۔ یہ سفر نامہ بیسویں صدی کے آغاز میں لکھا گیا تھا۔

حرم شریف کا طول

دسویں صدی عیسوی میں بشاری مقدسی اور ابن الفقیہ نے اس کا طول وعرض 1050x1500 اور سیاح ناصر

خسرو اور جغرافیہ دان الادریسی نے 1080x1200 فٹ لکھا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی بازیافت کے ایک عرصہ بعد جب مشہور سیاح ابن بطوطہ کا یہاں سے گزر ہوا تو اس نے طول وعرض 435x752 گز (درع) پایا۔ مالکیہ صاحب ''مشیر الخرام'' نے 1351ء میں 438x638 لکھا ہے جبکہ 1496ء میں مجیر الدین 913x485 فٹ بیان کرتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ زمانہ قدیم سے دور جدید تک احاطہ حرم کی حدود میں کچھ زیادہ ردوبدل نہیں ہوا۔ البتہ 1967ء میں مولانا شیر علی نے اس کا طول وعرض 660x1200 بتایا ہے اور یہ اضافہ شاہ حسین کے عہد میں کی گئی حرم کی تزئین نو کے دوران ہوا تھا۔

حرم شریف کے دروازے

مختلف ادوار میں مورخین اور زائرین نے دروازوں کے نام اور تعداد مختلف بیان کی ہے۔ اس سلسلے میں سرسی ولسن نے مختلف ادوار میں دروازوں کا جو نقشہ مرتب کیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

ابن الفقیہ	ابن عبدربہ	مقدسی	ناصر خسرو	مجیر الدین	لی سٹرنج
903عیسوی	913عیسوی	985عیسوی	1047عیسوی	1496عیسوی	1890ء
باب داؤد	باب داؤد	باب داؤد	باب داؤد	باب السلسلہ	باب السلسلہ
باب حطہ	باب حطہ	باب حطہ	باب النبی	باب النبی	باب النبی
باب النبی	باب محمدؐ	باب النبی	باب القصیٰ قدیم	باب البراق	بند دروازہ
......	......	ابواب مریم	باب عین الصلوۃ	صلاح الدین ایوبی نے بند کروادیا	
باب الرحمہ	باب الرحمہ	باب الرحمہ	باب الرحمہ	باب الرحمہ	باب الرحمہ
باب التوبہ	باب التوبہ	باب التوبہ	باب التوبہ	باب التوبہ	باب التوبہ
باب الاساط	ابواب الاساط	باب ہرکزنبی	باب البواب	باب الحطہ	باب الحطہ
	چھ عدد اسرائیل پانچ عدد				
......	......	......	......	باب الاشرف الانبیا	باب الاشرف الانبیا
......	باب الولید	باب الولید	......	باب اخوائمہ	باب الغوائمہ
باب ام خالد	......	باب ام خالد	......	باب الحدیدیا	باب الحدیدیا
......	......	......	......	باب القطانین	باب القطانین یا باب التونی
......	......	باب السکینہ	باب السکینہ	باب السلام	باب السلام

باب الوادی

یہ دروازہ وادی جہنم کی طرف کھلتا ہے اور باب التوبہ کہ بند کیا ہوا آج بھی موجود ہے۔

سر بی ولسن کے مطابق مورخین اور سیاحوں کے درمیان ناموں کے اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حرم شریف کی اطراف و جوانب میں مختلف زمانوں میں بہت کچھ ردو بدل واقع ہوتا رہا ہے مثلاً صلیبی جنگوں کی حکومت کے زمانے میں یا مسلمانوں کی دوبارہ بازیافت کے وقت یا جبکہ سلطان سلیمان قانونی نے سولہویں صدی میں حرم شریف کی چار دیواری کو دوبارہ تعمیر کرایا دروازوں کے نام تبدیل ہوئے تھے۔

مقدسی، ناصر خسرو، ابن فقیہ اور ابن عبدربہ کے "باب حطہ" کا نام آج کل "باب البراق" ہے یا اسے "باب النبی محمدؐ" بھی پکارا جاتا ہے۔ اس کا آدھا حصہ زیر زمین ہے۔ ناصر خسرو اس کے بارے یہ روایت لکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس دروازے سے حرم شریف میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا جبکہ مقدسی کے باب النبیؐ، ابن الفقیہ اور ناصر خسرو کے باب النبیؐ اور عبدربہ کے باب محمد کو تیغہ لگا کر بند کر دیا گیا ہے۔ ناصر خسرو نے اس دروازے کے بارے میں لوگوں سے روایت نقل کی تھی کہ یہ حضرت سلیمانؑ کے زمانے کی تعمیر ہے اور نبی کریم ﷺ شب معراج اسی راستے سے گزر کر مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے تھے۔ یہ راستہ مکہ معظمہ کی جانب کھلتا ہے۔ حرم شریف کے اس زمین دوز راستہ کی ڈیوڑھی میں دوسرے پٹ کے دروازے ہیں۔ اس کو زمین دوز بنانے کی وجہ یہ ہے کہ مضافات میں ترچھے رخ میں جو لوگ دور رہتے ہیں وہ شہر کے دوسرے محلوں کا چکر لگائے بغیر اندر ہی حرم شریف میں آسکیں لیکن اس مقام پر زمین دوز حجرے آج بھی نظر آتے ہیں جو مجیر الدین کے عہد میں الاقصیٰ القدیمہ کہلاتے تھے اور ان حجروں کے سروں پر ایک دوہرا پرانا دروازہ موجود ہے۔

المقدسی کے "ابواب مریم" اور ناصر خسرو کا "باب العین صلوانؑ" محراب مریم کے قریب واقع تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو مغرب و شمال کی سمت کے سوا حرم میں آنے والے اور حرم سے جانے والے تمام راستے بند کر دیے اور اسی سلسلہ میں ان دروازوں پر بھی تیغا کرا دیا گیا۔ ابن الفقیہ کا باب الوادی، حرم شریف کے مشرقی جانب "وادی جہنم" کی طرف کھلتا تھا اور قبۃ الصخرہ کے چبوترے کی درج البراق (براق کا زینہ) کے بالمقابل واقع تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ شب معراج کو اسی دروازے سے حرم میں داخل ہوئے تھے۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ یہ "باب الجنائز" بھی کہلاتا ہے اور باب الذہب سے ذرا مغرب میں ہٹ کر حرم کی دیوار کے اس حصے میں اب بھی تیغا کیا ہوا موجود ہے۔

ابن الفقیہ اور ابن عبدربہ کا باب الرحمہ اور مقدسی کا باب الرحمہ، ناصر خسرو کے باب الرحمہ اور باب التوبہ مشرقی دیوار کے وہ بند دوازے ہیں جنہیں انگریز گولڈن گیٹ (باب الذہب) کے نام سے یاد کرتے ہیں مگر مسلمان آج

بھی ان دروازوں کو باب الرحمہ اور باب التوبہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ باب التوبہ کے بارے میں ناصر خسرو نے لکھا ہے کہ یہی وہ دروازہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کی توبہ قبول کی تھی۔۔ ناصر کے عہد میں اس کے قریب ایک مسجد بنی ہوئی تھی اور آج بھی اس مسجد کی جگہ کرسی سلیمان ہے۔ علامہ سیوطی نے باب الرحمہ کے بارے میں لکھا ہے مسجد اقصیٰ کے مشرق کی طرف اس دیوار میں واقع ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں کیا ہے:

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ

(سورۃ الحدید: 26)

اس دروازے کے سامنے کی وادی کو وادی جہنم کہتے ہیں۔ خود یہ دروازہ، باب الرحمہ حرم شریف کی چار دیواری میں اندر کے رخ پر ہے۔ آیہ شریفہ میں جس دروازے کی طرف اشارہ ہے اسے بند کر دیا گیا ہے۔ رہا باب التوبہ تو یہ باب الرحمہ سے مل کر ایک ہی دروازہ بن جاتا ہے لیکن دونوں میں سے کسی میں بھی آمد و رفت نہیں ہو سکتی۔ باب التوبہ کے قریب اور باب الرحمہ اور باب الاسباط کے درمیان حضرت خضر و الیاس علیہم السلام کا مسکن ہے۔ یہ دروازہ چھٹی صدی عیسوی میں تعمیر کیا گیا تھا اور بعد ازاں صلیبیوں نے اسے گولڈن گیٹ یا باب الذہب کا نام دیا تھا۔ المقدسی کا باب "برکہ بنی اسرائیل" اور ناصر خسرو کا "باب ابواب" محاربات صلیبیہ کے بعد سے باب الاسباط کے نام کے مشہور ہے اور حرم شریف کی شمالی دیوار کے مشرقی سرے اور مسکن خضر و الیاسؑ سے قریب ہی واقع ہے۔

مقدسی، ابن الفقیہ، ابن عبدربہ کا باب الاسباط اور ناصر خسرو کا باب الابواب حرم کے مغرب میں شمالی دیوار کو لے جانے والا راستہ ہے جو محربات صلیبیہ سے اب تک باب الحطہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اسی دروازے سے حرم شریف میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا۔ مقدسی کے ابواب ہاشمیہ، ابن عبدربہ کا باب الہاشمی، خسرو کا باب زواپائے یا صوفیہ اور مجیر الدین کا باب الدویدار آج کل باب صوفیہ باب شرف الانبیا کہلاتا ہے۔ سیوطیؒ کے الفاظ میں یہ حرم کے شمالی رخ پر کھلتا تھا۔

مقدسی اور ابن عبدربہ کا باب الولید، اس زمانہ کا باب الغوانمہ ہے جو مغربی دیوار کے شمالی سرے پر واقع ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے اسے باب الخلیل بھی کہتا ہے لیکن مقدسی کے بیان کے مطابق باب الخلیل یا باب ابراہیم باب الولید سے آگے جنوب کا دروازہ تھا جسے ناصر خسرو نے باب السقر لکھی ہے۔ فی زمانہ یہ باب الناظرہ کہلاتا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ باب الناظرہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ کبھی نہیں کھلا۔ پہلے زمانے میں اسے باب "میکائیل" کہتے تھے اور ایک روایت کے مطابق شب معراج کو حضرت جبرائیلؑ نے براق کو اسی دروازے سے باندھا تھا۔

باب الحدید، سلطان صلاح الدین نے حرم شریف کی مغربی دیوار میں باب الناظر کے جنوب میں بنوایا تھا۔ کسی زمانے میں اسے باب ارغون کامل بھی کہا جاتا تھا۔ مقدسی اور ابن الفقیہ کا باب ام خالد موجودہ باب القطانین (پنیر

فروشاں) ہے۔ باب القطانین ان دروازوں میں سے ہے جنہیں از سر نو تعمیر کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے الملک النصر بن قلادون نے اسے تعمیر کرایا تھا لیکن بعد میں گر کر بیکار ہو گیا تھا اور تنکیز الہاشمی الناصری والی شام نے سلطان محمد بن قلادون کے حکم پر اسے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ اس کے جنوب میں مڑتے ہی باب التوضی (طہارت) یا باب امطارہ (بارش) ہے۔ موجودہ ڈیوڑھی علاؤ الدین بصیر نے بنوائی تھی۔

قبۃ السلسلہ

بشاری مقدسی نے دسویں صدی میں اپنی زیارت کا احوال رقم کیا تھا۔ اس میں وہ بیان کرتا ہے کہ حرم شریف کا صحن ہر جگہ پختہ ہے۔ اس کے وسط میں مدینہ شریف کی مسجد کی طرح ایک چبوترہ ابھرا ہوا ہے جس کے چاروں طرف چوڑی چوڑی سیڑھیاں ہیں۔ اس چبوترے پر چار گنبد بنے ہوئے ہیں۔ ان میں قبۃ السلسلہ، قبۃ المعراج اور قبۃ النبیؐ چھوٹے پیمانے پر تعمیر کیے گئے ہیں۔ ان کی دیواریں بغیر سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم ہیں اور سیسے کی چادریں چڑھی ہوئی ہیں۔ علی ہروی کا بیان ہے کہ قبۃ الصخرہ کا مشرقی دروازہ قبۃ السلسلہ کی طرف کھلتا ہے اور اس کے اوپر ایک محراب بنی ہوئی ہے اور محراب پر خلیفہ قائم بامراللہ کا نام اور سورۃ اخلاص کندہ ہے۔ محققین کے مطابق یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت سلیمانؑ بیٹھ کر دادرسی فرماتے تھے۔

قبۃ السلسلہ بیس ستونوں پر قائم ہے اور چھت پر سیسے کی چادریں منڈھی ہوئی ہیں۔ اس کے روبرو (جانب مشرق) حضرت خضر علیہ السلام کا مقام عبادت ہے اور اس کے شمالی رخ پر قبۃ النبیؐ اور مقام جبرائیلؑ ہیں اور چٹان کے برابر قبۃ المعراج واقع ہے۔ مختصر یہ کہ قبۃ الصخرہ کے مشرق میں ایک چھوٹا سا گنبد صرف ستونوں پر قائم ہے اور قبلہ رو محراب کی دیوار کے سوا جسے دو ستونوں کے درمیان کی جگہ کو بند کر کے بنایا گیا ہے اس کی کوئی دیوار نہیں ہے۔ ابن عبدربہ نے لکھا ہے کہ یہ وہ گنبد ہے جس میں بنی اسرائیل کے عہد میں ایک زنجیر عدل گستری لٹکی ہوئی تھی جو بنی اسرائیل کے مابین کذب و صدق کا فیصلہ کرتی تھی۔

یہ روایت یہ بھی ملتی ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے حضرت داؤدؑ کو لوہے کا ایک لٹھ دیا تھا کہ عدالت گاہ کے ایک طرف سے دوسری طرف لگا کر اس پر گھنٹی لٹکا دی جائے۔ مدعی اور مدعا علیہ اس کو باری باری ہاتھ لگاتے تھے۔ جو سچا ہوتا تھا اس کے ہاتھ لگانے سے یہ گھنٹی بجنے لگتی لیکن اکثر جغرافیہ دانوں نے زنجیر ہی کا حوالہ دیا ہے صرف یاقوت حموی اس گنبد کے بیان میں رقم کرتا ہے کہ یہی وہ مقام تھا جہاں یہ زنجیر عدل گستری لٹکتی تھی جو صرف سچ بولتے والے ہاتھ آتی تھی اور جھوٹی گواہی دینے والا اس وقت تک اسے چھو نہیں سکتا تھا جب تک وہ اپنے گناہوں سے توبہ نہ کر لے۔ ان روایات کے علاوہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ جب خلیفہ عبدالملک نے قبۃ الصخرہ تعمیر کرایا تھا تو پہلے نمونے کے طور پر اس نے یہ قبہ

تعمیر کرایا تھا جو قبۃ السلسلہ کہلاتا ہے یہ قبۃ چونکہ زیادہ مستحکم نہیں تھا اس لیے زلزلوں سے متاثر ہو کر بار بار تعمیر ہوتا رہا۔ صلیبی جنگوں سے پہلے اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے سیاح ناصر خسرو نے لکھا ہے کہ یہ سنگ مرمر کے آٹھ ستونوں اور چھ سنگی پایوں پر قائم ہے۔ سمت قبلہ کے سوا جہاں پتھروں سے ایک خوبصورت دیوار بنا دی گئی ہے ہر طرف سے ستون کھلے ہوئے ہیں۔ جغرافیہ دان الادریسی نے 1150ء میں مسیحی بیانات کی بنا پر اسے کلیسائے حفیرۃ القدس قرار دیا تھا اور لکھا تھا کہ اس کا طول و عرض نہایت متناسب اور قابل داد ہے۔ اس کے مغربی دروازے کے بالمقابل ایک قربان گاہ بنی ہوئی ہے جس پر بنی اسرائیل نذر و نیاز لا کر رکھ دیا کرتے تھے۔ ایک مغربی مصنف نے لکھا ہے کہ (1225ء میں) میرے زمانے میں یہ عمارت کنیسائے سینٹ جیمس فورڈ کہلاتی تھی کیونکہ وہ ولی (سینٹ) جنھیں یہود نے ہیکل کی چھت پر سے پھینک دیا تھا اسی مقام پر گر کر شہید ہوئے تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے بعد اسے دوبارہ مسلمانوں کی خطبہ گاہ بنا دیا تھا جیسے کہ وہ پہلے بھی خطبہ گاہ تھی۔ مجیرالدین کا بیان ہے کہ قبۃ السلسلہ کو مصر کے سلطان بیبرس نے از سر نو تعمیر کرایا تھا اور اس کا عہد حکومت 1260ء تا 1277ء ہے۔ یہ قبہ محراب کے دو ستونوں کو چھوڑ کر باقی سترہ ستونوں پر قائم ہے تاہم لی سٹرینج نے لکھا ہے کہ 1496ء کے بعد اس میں ترمیم ہوئی تھی اور آج کل محراب کے ستونوں سمیت اس گنبد کے کل سترہ ستون ہیں۔

چھوٹے گنبد

مقدسی کے بیان کے مطابق قبۃ الصخرہ اور قبۃ السلسلہ کے علاوہ دو چھوٹے گنبد اور بھی ہمیشہ سے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے سفر معراج کی یادگار ہیں چونکہ یہ عمارتیں زیادہ مستحکم نہیں تھیں اس لیے زلزلوں سے پیہم نقصانات پہنچتے رہے اسی لیے مختلف زمانوں میں ان کی تعمیر نو کے بعد ان کے ناموں میں بھی گڑبڑ ہوتی رہی ہے۔

نویں صدی میں ابن الفقیہہ کے بیان کے مطابق چبوترے کے شمالی حصہ قبۃ النبیؐ، مقام جبرائیلؑ اور قبۃ المعراج واقع تھے اور ابن عبد ربہ انھیں یوں بیان کرتا ہے (۱)...... وہ گنبد جہاں سے آنحضرت ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔ (۲) اس مقام کے اوپر کا گنبد جہاں رسول کریم ﷺ نے انبیاء سابقین کی امامت کرائی تھی۔ (۳) معبد جبرائیلؑ

مقدسی 985ء میں قبۃ المعراج اور قبۃ النبیؐ کا اور ناصر خسرو 1047ء میں قبۃ النبیؐ اور قبۃ الجبرائیلؑ کا ذکر کرتا ہے۔ صخرہ کے شمال مغرب میں جو دو گنبد واقع تھے ان میں سے بعید تر ابن الفقیہ کے زمانے میں قبۃ النبی کہلاتا تھا اور ابن عبد ربہ کا بیان ہے کہ شب معراج انبیائے سابقین کے ساتھ حضور ﷺ نے یہیں دو رکعت نماز ادا فرمائی تھی۔ آج کل اس جگہ جو گنبد موجود ہے اسے قبۃ المعراج کہا جاتا ہے۔ اس قبۃ المعراج اور قبۃ الصخرہ کے درمیان آج کل قبۃ الجبرائیل واقع ہے جسے ابن عبد ربہ اور ابن الفقیہ نے وہ گنبد بتایا ہے جہاں سے آنحضرت ﷺ آسمانوں کی سیر پر تشریف لے گئے تھے مقدسی اسے قبۃ المعراج اور نصر قبۃ لجبرائیل لکھتا ہے تاہم آج اس قبہ کا کوئی وجود نہیں ہے۔

مہد حضرت مسیحؑ

احاطہ حرم کے جس مشرقی گوشے میں قدیم آثار پر ایک چھوٹی سی زمین دوز مسجد (20 گز x45 گز) مہد حضرت مسیحؑ کے نام سے مشہور ہے۔ ابن عبدربہ نے اسے محراب حضرت مریم بنت عمران اور مقدسی نے محراب مریم وزکریاؑ کا نام دیا ہے۔ محراب مریم میں وہ مقام یا حجرہ حضرت مریم واقع تھا جہاں فرشتے ان کے لیے قرآن کریم کے مطابق بے موسمی پھل لایا کرتے تھے۔ محراب زکریا اس کے ساتھ ہی ہے جہاں فرشتوں نے انھیں ولادت حضرت یحییٰؑ کی بشارت دی تھی جبکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ مہد حضرت مسیحؑ میں زمانہ قدیم سے حضرت عیسٰیؑ کا پنگھوڑا رکھا ہوا ہے۔ یہ پنگھوڑا پتھر کا بنا ہوا اور اتنا وسیع ہے کہ ایک آدمی اس کے اندر کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکتا ہے۔ یہ پنگھوڑا زمین میں نصب ہے۔ کہتے ہیں حضرت عیسٰیؑ اسی میں لٹائے گئے تھے جب انھوں نے شیر خوارگی کے عالم میں لوگوں سے گفتگو کی تھی۔ اس پنگھوڑے کو بعد ازاں محراب مسجد بنا دیا گیا۔ محراب مریم اور محراب زکریاؑ اس کے مشرقی پہلو میں واقع ہیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عیسٰیؑ اسی مقام پر پیدا ہوئے تھے۔ ایک ستون پر انگلیوں کے نشان ثبت ہیں جن کے بارے میں لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت مریمؑ نے دردزہ کی شدت میں اس پتھر کو زور سے پکڑا تھا اور یہ انھی کی انگلیوں کے نشان ہیں۔ ناصر خسرو کے الفاظ میں اس میں چاندی اور پیتل کے بہت سے فانوس لٹکے ہوئے تھے جنھیں ہر رات روشن کیا جاتا تھا۔

صلیبیوں نے اپنے دور میں حرم شریف کے ان زمین دوز مقامات سے اصطبل کا کام لیا تھا اس لیے لاطینی وقائع نویس اور علی ہروی اس کا ذکر اصطبل سلیمان کے طور پر کرتے ہیں۔ آج کل "اصطبل سلیمان" مہد عیسٰیؑ کے مغرب میں ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک دروازہ کھلتا ہے۔ صلیبیوں کے قبضے سے پہلے حرم شریف کے شمالی پہلو میں واقع محراب داؤد ختم ہو گئی تھی۔ البتہ اس کے قریب کرسی سلیمانؑ جو ایک قد آدم بلند چٹان ہے موجود رہی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ سلیمانؑ ہیکل کی تعمیر کے زمانے میں اسی مقام پر نشست فرماتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ ہیکل کی تکمیل کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اس مقام پر تین ہزار بچھیاں اور سات ہزار بھیڑیں قربان کی تھیں۔ علامہ سیوطیؒ محراب داؤد کے بارے میں لکھتے کہ محراب داؤدؑ قلعہ بیت المقدس کے اندر ہے مگر جب وہ حرم میں تشریف لاتے تھے تو محراب کلاں (مسجد اقصیٰ کے منبر کے برابر) میں نماز ادا فرماتے تھے۔ پھر جب حضرت عمرؓ یہاں تشریف لائے تو آپؓ نے حضرت داؤدؑ کی پیروی میں اسی مقام پر نماز ادا فرمائی تھی جس کے بعد یہ محراب حضرت عمرؓ کے نام سے مشہور ہو گئی تھی۔

منبر داؤدؑ

جسے مجیر الدین نے قبہ سلیمان لکھا ہے، حرم شریف کی جنوبی دیوار میں وابستہ محراب ہے اور باب الغنم کے سامنے اور اس دروازے کے قریب ہی جنوب مغرب میں واقع ہے۔ ناصر خسرو نے حرم شریف کے شمالی حصے میں منبر داؤدؑ کے

علاوہ دو اور گنبدں (۱) قبہ یعقوبؑ اور (۲) محراب زکریاؑ کا ذکر کیا ہے۔ لی سٹرینج بیان کرتا ہے کہ قبہ یعقوبؑ سے غالباً مراد وہ گنبد ہے جو آج کل قبہ سلیمان کہلاتا ہے اور محراب زکریاؑ کا کوئی آثار باقی نہیں۔

مجیر الدین لکھتا ہے کہ باب السلسلہ کے مقابل قبہ موسیٰ بنا ہوا ہے، لیکن اس کو حضرت موسیٰ سے کوئی نسبت نہیں کیونکہ حضرت موسیٰ کبھی بیت المقدس تشریف نہیں لائے۔ 649ھ/ 1251ء میں از سر نو تعمیر ہوا اور اس سے پہلے قبۃ الشجرہ کہلاتا تھا۔ قبۃ الطومار جنوب مشرقی کونے پر چبوترے کے کنارے بنا ہوا تھا۔ مجیر الدین کے الفاظ میں حرم شریف کے چاروں مینار اسی مقام پر قائم ہیں جہاں عبد الملک کے زمانے میں تھے۔ پہلا حرم شریف کے شمال مغربی گوشے میں دوسرا باب السلسلہ کے شمال میں تیسرا شمال مغربی زاویہ میں ماذنۃ الوانہ (1298ء) میں از سر نو تعمیر ہوا اور چوتھا باب الاسباط اور باب الحطہ کے درمیان جو 1367ء میں نئے سرے سے تعمیر کیا گیا تھا۔

صلیبی جنگوں سے پہلے مصنفین نے بعض ایسے مقامات کا ذکر بھی کیا ہے جو آج موجود نہیں۔ اس کی وجہ غالباً وہ تبدیلیاں تھیں جو صلیبی قابضین نے کی تھیں۔ ناصر خسرو نے حرم شریف کے شمال مغربی گوشے میں جو محراب زکریا کا ذکر کیا ہے جس کا آج نشان تک نہیں ملتا اسی طرح ابن الفقیہ کا کہف ابراہیمؑ اور ابن عبد ربہ کا مینار ابراہیمؑ معدوم ہو چکا ہے۔ مقدسی، مقام النملہ، مقام النار، مقام کعبہ اور محراب یعقوبؑ کا ذکر کرتا ہے۔ ناصر خسرو گنبد یعقوب کی کیفیت لکھتا ہے جو شمالی حصے میں تھا لیکن اس کے بھی اب آثار نہیں ملتے۔

مصلی سلیمانؑ

باب حطہ میں داخل ہو کر داہنی طرف مسجد کے شمالی دروازہ شرف الانبیا پر نگاہ پڑتی ہے۔ باب حطہ اور اس باب کے درمیان چار ستونوں پر یہ قبلہ قائم ہے جس میں قبلہ رو محراب بنی ہوئی ہے۔ اسے مصلی سلیمان کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ معبد کی تعمیر کے وقت یہیں بیٹھ کر فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔

روضہ سلیمانؑ

یہ روضہ حرم شریف میں مسجد صخرہ کے جانب مشرق تین سو قدم کے فاصلے پر بیرونی دیوار کے متصل ایک مقفل کمرے میں واقع ہے۔ کمرے کے دونوں جانب جالی دار کھڑکیاں لگی ہی ہیں جن سے قبر دیکھی جا سکتی ہے۔ قبر کی لمبائی تقریباً سات گز ہے۔ یہ قبر شمالاً جنوباً ہے اور کمرے کے متصل حبس سلیمانؑ واقع ہے جہاں حضرت سلیمانؑ شریر جنات کو قید کرتے تھے۔ اصطبل یہاں سے ذرا فاصلے پر ہے۔

دیوار براق

یہ وہ مقام ہے جہاں شب معراج حضرت جبرائیلؑ نے سواری مصطفیٰ یعنی براق کو باندھا تھا۔ یہاں خواتین کے لیے ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے۔ اس مسجد میں ایک نابینا امام خواتین کو ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھاتا ہے جبکہ عشا اور فجر کی نمازیں گھر پر ادا کرتی ہیں۔

مزار مولانا محمد علی جوہر

مولانا محمد علی جوہر، راہنما مسلم ہندوستان کا مزار مسجد صخرہ کے بالمقابل ایک بند کمرے میں واقع ہے۔اس کے کتبے پر عربی عبارت لکھی ہے جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے: "اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کی جان و مال کے صدقے جنت دے گا۔" یہ مجاہد عظیم مولانا محمد علی جوہر کی قبر ہے۔اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمت میں جگہ دے۔پندرہ شعبان کو لندن میں وفات پائی اور جمعہ کے دن پانچ رمضان 1349ھ کو القدس میں دفن کیے گئے۔

دیوار گریہ

حرم شریف کی مغربی دیوار میں پچاس فٹ کے ایک ٹکڑے کے بارے میں یہودیوں کی دعویٰ ہے کہ یہ ہیکل سلیمانی کی باقیات میں سے ہے۔ چنانچہ وہ اس مقام پر آتے ہیں اور گریہ و بکا کرتے ہیں۔ان کے اس فعل کی نسبت سے اس دیوار کے اس حصے کا "دیوار گریہ" پڑ گیا ہے۔اس مقام کو مسلمان "البراق" کہتے ہیں کیونکہ روایات کے مطابق شب معراج اسی مقام پر اپنی آسمانی سواری براق پر سے اترے تھے اور یہیں براق کو باندھا گیا تھا۔یہیں سے آپ مسجد میں تشریف لے گئے تھے۔اس مقام کی نشاندہی کے لیے یہاں ایک گول کڑا لگا ہوا ہے۔

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ہیکل سلیمانی تو تقریباً 2500 برس پہلے بخت نصر کے ہاتھوں تباہ ہو گیا تھا۔اس کی جگہ پہلی صدی عیسوی میں فلسطین کے حکمران ہیرودنے جو ہیکل تعمیر کیا تھا اسے بھی 70 عیسوی میں طیطس رومی نے تباہ کر دیا تھا۔ ہیرود کے تعمیر کردہ ہیکل کے آثار جو کچھ بچ گئے تھے انھیں 336ء میں قسطنطین اعظم کی والدہ ملکہ ہیلینا نے مٹا دیا تھا۔ پھر عیسائیوں نے یہودیوں کی مخالفت میں ہیکل کی جگہ کو کوڑے کے ڈھیر میں بدل دیا۔ جب حضرت عمرؓ فتح القدس کے موقع پر یہاں تشریف لائے تو دیوار گریہ کا کوئی وجود یہاں موجود نہ تھا۔ خلیفہ عبدالملک اور اس کے بیٹے ولید نے گنبد صخرہ اور مسجد اقصیٰ تعمیر کرائی تو اس وقت بھی یہاں دیوار گریہ نام کی کوئی دیوار موجود نہیں تھی۔ حرم شریف کی موجودہ چار دیواریں ترکان عثمانیہ کے عہد میں تعمیر کی گئی تھی۔ یہ چار دیواری بعض قدیم آثار پر اٹھائی گئی تھی۔ایک انگریز سر رابرٹو ندرھم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ فتح بیت المقدس کے موقع پر جب سلطان سلیم اول مسجد اقصیٰ کی زیارت کو آیا تو اس نے مسجد کے نواح ہی میں قیام کیا۔ایک صبح اس نے اس مقام پر جہاں آج کل دیوار گریہ ہے ایک عیسائی خاتون کو غلاظت پھینکتے ہوئے دیکھا تو مسجد کے قریب غلاظت کا ڈھیر اس کی طبیعت کو گراں گزرا تو اس نے یہاں کوڑا کرکٹ پھینکنے کی ممانعت کر دی اور سلیمان اعظم کے عہد میں شہر کی فصیل کے ساتھ ساتھ حرم شریف کی چار دیواری بھی 1542ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ شاہ ہیڈرین نے جب 135 عیسوی میں یہودیوں کو بیت المقدس سے نکالا تھا تو

صدیوں تک اس شہر میں ان کا داخلہ بھی ممنوع قرار پایا البتہ ایک یہودی مصنف کے مطابق 410ء میں وہ عیسائی حکمرانوں سے شہر کو دیکھنے کی اجازت لینے میں کامیاب ہوگئے۔ وہ بھی صرف اتنی کہ جنوبی پہاڑیوں سے وہ بیت المقدس کو دیکھ سکیں۔ جب ساتویں صدی میں حضرت عمرؓ فاتح بن کر اس شہر میں آئے تو انھوں نے بھی یہودیوں کو اس شہر میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی البتہ جب بعد کے زمانے میں تحریک صیہون شروع ہوئی تو یہودیوں نے دیوار گریہ کی زیارت کی درخواست دی۔ یہ انیسویں صدی کی بات ہے جب یہودی ربیوں نے ترکوں سے یہ درخواست کی تھی کہ ان کا مذہب انھیں حرم شریف کے باہر گریہ وزاری کا حکم دیتا ہے۔ فراخ دل ترکوں نے یہودیوں کے مذہبی فرائض کا احساس کرتے ہوئے انھیں مغربی دیوار کے باہر گریہ وزاری کرنے کی اجازت دے دی لیکن انھیں یہ بھی حکم دیا کہ وہ دیوار سے تیس فٹ پیچھے رہیں گے۔ یہ اجازت حاصل کرنے کے بعد اور پہلے یہودیوں نے اپنی روایتی مکاری سے کام لیا اور طویل جدوجہد کی۔ یہ اجازت انھیں کب ملی؟ تاریخ اس بارے میں خاموش ہے البتہ اتنا پتا چلتا ہے کہ انیسویں صدی تک مقدس مقامات کے خادموں اور سربراہوں کے سوا کسی غیر مسلم کو شہر کی فصیل کے اندر قیام کی اجازت نہیں تھی حتیٰ کہ کوئی سفارتی نمائندہ بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ البتہ سال کے ایک مقررہ حصے میں سیاحوں اور زائرین کو اندر جانے کی اجازت دی جاتی تھی۔ مگر انیسویں صدی کے اوائل میں اولاً سپین اور بعد ازاں وسطی اور مشرقی یورپ کے یہودی مہاجرین کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا تھا جو انتہائی بے بسی اور افسوس کی حالت میں یہاں پہنچے او اپنے یہودی رشتہ داروں کی خیرات پر گزارہ کرتے تھے۔ 1831ء میں جب فلسطین اور شام پر حاکم مصر قابض ہوگیا تو قدیم بیت المقدس کی ہیئت میں تبدیلی کی رفتار تیز ہوگئی اور ملک میں ابتری پھیلتی چلی گئی۔ فلسطین کے دروازے یہودی تاجروں، مشنریوں اور سیاحوں پر کھول دیے گئے۔ مصری انتظامیہ نے القدس میں برطانیہ کو قونصلیٹ کھولنے کی اجازت بھی دے دی اور شہر میں ایک پروٹسٹنٹ چرچ کے تعمیر کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ جو مسلم عہد کا پہلا پروٹسٹنٹ چرچ تھا۔ قونصلیٹ کی وساطت سے یہودیوں نے مصری کمانڈر ابراہیم پاشا کو دیوار گریہ کو پختہ کرنے کی اجازت دینے پر رضامند کرلیا تاہم شہر کی مشاورتی کونسل نے اس خواب کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا۔

مگر یہودیوں نے اپنی عیاری سے کام لیتے ہوئے اتنی اجازت ضرور لے لی کہ وہ وہاں پہنچ کر کوئی شور نہیں کریں گے البتہ انہیں دیوار گریہ کو پختہ کرنے کی اجازت نہ ملی۔ پھر یہ معاملہ گورنر مصر محمد علی پاشا کے سامنے پیش ہوا تو اس نے 26 مئی 1840ء مطابق 24 ربیع الاول کو گورنر بیت المقدس کو لکھا کہ یہودیوں کو صرف زیارت کی اجازت ہے۔ مزید کسی چیز کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ مگر یہودی اپنی کوششوں میں مصروف رہے۔ 1854ء میں انھوں نے برطانوی قونصلیٹ کی مدد سے ایک تباہ شدہ عمارت کی جگہ اپنا معبد تعمیر کرنے کی اجازت حاصل کرلی جو محض برطانوی سفیر

کے اثر ورسوخ کی وجہ سے مل گئی اور یوں یہودیوں کو فلسطین میں جدید زمانے کی پہلی کامیابی حاصل ہوگئی۔ پھر یہودیوں نے آہستہ آہستہ کھڑے ہوکر گریہ وزاری کرنے کے ساتھ ساتھ کرسیاں بچھانا شروع کردیں تو مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا مگر 1914ء میں صورت حال بدل گئی اور عرب برطانیہ کے ہاتھوں آزادی حاصل کرنے کے خواب دیکھنے لگے اور یہودیوں کو اب روکنا مشکل ہوگیا۔

1917ء میں جنرل ایلن بی ایک عیسائی فاتح کی حیثیت سے القدس میں داخل ہوا اور اس نے صلاح الدین ایوبی کی روح کو للکارا کہ اے صلاح الدین دیکھ ہم آج القدس میں دوبارہ فاتحانہ طور پر داخل ہو گئے ہیں۔ 30 مارچ 1918ء کو برطانوی فوج کی دو یہودی بٹالین جب القدس پہنچیں تو انھوں نے دیوار گریہ پر نہ صرف اجتماعی طور پر آہ وبکا کی بلکہ شور وہنگامہ بھی بپا کیا۔ اس کے دس دن بعد صیہونی کمیشن نے اس حرکت کو دہرایا۔ صیہونی کمیشن کی آمد سے مسلمانوں بلکہ عیسائیوں میں بھی خوف وہراس پھیل گیا جس سے باقاعدہ طور پر برطانوی رابطہ افسر کو آگاہ کیا گیا۔

30 مئی کو صیہونی کمیشن کے سربراہ ویزمین نے لارڈ بالفور کے نام ایک خط میں لکھا کہ دیوار گریہ فوراً ان کے حوالے کردی جائے کیونکہ یہ ہمارے ہیکل کا حصہ ہے۔ چونکہ یہ جگہ ایک افریقی مسلم وقف کے نام تھی اس لیے پہلے پہل اس جگہ کو خریدنے کی ناکامی ہوئی مگر یہودی بھی ہمت نہ ہارے اور انھوں نے دیوار گریہ پر جبراً قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ دو یہودی بٹالنوں کا رویہ دیوار گریہ پر حاضری کے وقت بہت شر پسندانہ ہوتا تھا۔ جب انھیں یہاں حاضر ہونے سے روکا گیا تو ایک بٹالین کے کمانڈر نے اس کی خلاف ورزی کی جس پر اپریل 1920ء میں مسلمانوں اور یہودیوں میں پہلا تصادم رونما ہوا۔ یہود نے دوباہ مسجد اقصی کے اس حصے پر طاقت سے قبضہ کرنا چاہا۔ چند دن کے بعد مفتی امین الحسینی پر فائرنگ کی گئی پھر برطانوی انتداب کے بعد بھی آخر یہودیوں کا خواب پورا نہ ہوسکا اور دیوار گریہ کی دیکھ بھال کرنے کی یہودی نمائندوں کو اجازت نہ دی گئی۔ یہودی ہر طرف سے فلسطین پہنچنے لگے اور 1948ء میں برطانیہ کا انتداب ختم ہوجانے پر انھوں نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کردیا۔

جس شہر کے تقدس کے پیش نظر ترکوں نے 1917ء میں بغیر لڑے خالی کردیا اب وہاں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ بیت المقدس کے احترام کے مدعی یہودی مشین گنوں اور توپوں سے شہر پر حملہ آور ہوگئے۔ صرف ایک حملہ میں 60 بم حرم شریف میں گرے جس سے چار نمازی ہلاک اور پانچ زخمی ہوئے جن میں سے ایک شیخ حرم خود بھی تھے۔ یہودیوں نے نہ صرف قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ کو بلکہ عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو بھی نقصان پہنچایا۔ جنگ ہوئی تو قدیم شہر اردن کے قبضے میں دے دیا گیا مگر اسرائیل یروشلم پر قبضے کی خواہش کو ناتمام نہیں چھوڑ سکتا تھا وہ ہمیشہ اس پر قبضے کی تاک میں رہا۔ آخر جون 1967ء میں اسے موقع مل گیا۔

7 جون کو اسرائیلی وزیر دفاع موشے دایان دیوار گریہ کے سامنے پہنچا تو اس نے وہی قدیم نعرہ لگایا "دیوار گریہ ہماری ہے" پھر چند یوم بعد دیوار پر عبرانی زبان میں ایک تختی آویزاں کر دی گئی۔ اسرائیل کے قبضے کے بعد ابومدین مسلم وقف کی تمام عمارتوں کو زمین بوس کر دیا گیا اور ان کے باسیوں کو جبراً شہر سے نکال دیا گیا۔

حوض اور پانی کے ذخیرے

احاطہ حرم کے نیچے چٹانوں میں مختلف مقامات پر بہت سے حوض اور تالاب بنے ہوئے ہیں جو پانی کو ذخیرہ کرنے کے کام آتے ہیں۔ عہد حضرت سلیمانؑ میں جبرون کے قریب وادی اوناس سے چشموں کا پانی ایک بند کے ذریعے ان حوضوں تک پہنچایا جاتا تھا۔ سیاح ناصر خسرو رقم طراز ہے کہ حرم شریف کی سطح کے نیچے چٹانوں میں حوضوں کی اتنی تعداد ہے کہ خواہ کتنے ہی بارش برسے پانی بہہ کر بیکار نہیں جا سکتا کیونکہ بارش کا پانی بھی ان حوضوں میں جمع ہو جاتا تھا۔ پانی کو حوضوں تک پہنچانے کے لیے اس زمانے میں بھی سیسے کی نالیاں بنی ہوئی تھیں۔ احاطہ حرم کے نیچے جو تالاب بنے ہوئے تھے ان کی مرمت کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی کیونکہ یہ سب پکی چٹانوں میں تراش کر بنائے گئے تھے۔ ان کی چھتوں اور ڈھکنوں کی صورت لمبائی کے تنور جیسی تھی۔

بڑا حوض

بیت المقدس کا سب سے بڑا تالاب یا حوض جس کا ایک حصہ خود مسجد اقصیٰ کے نیچے کھودا گیا تھا بئیر ورقہ کہلاتا تھا۔ علامہ سیوطی کے بیان کے مطابق جب ہم محراب کی جانب منہ کر کے مسجد اقصیٰ میں داخل ہوں تو بئیر ورقہ کا رخ دروازے کے بائیں ہاتھ پڑتا تھا۔ علامہ سیوطی نے اس کے نام کی وجہ تسمیہ بھی عجیب روایت کے ذریعے بیان کی ہے۔

ایک عجیب واقعہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: "تحقیق میری امت میں سے ایک شخص اپنے دو پاؤں پر جنت میں داخل ہوگا اور وہ واپس آئے گا زندہ یعنی وہ دنیا کا رہنے والا ہوگا۔"

حضور ﷺ کے فرمان عالیشان کے مطابق یہ معجزہ جس کی آپ نے خبر دی تھی یوں رونما ہوا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ایک کارواں بیت المقدس آیا کہ حرم شریف کی زیارت سے مشرف ہو۔ اس کارواں میں بنی تمیم کا ایک شخص شریک ابن حباث شامل تھا۔ وہ ایک کنویں میں سے پانی لینے گیا اور اتفاق سے ڈول نیچے گر گیا۔ وہ اس نکالنے کے لیے جب کنوئیں میں اترا تو اسے اس کنوئیں کے اندر ایک باغ کا ایک دروازہ نظر آیا۔ وہ اس میں داخل ہو گیا۔ باغ کی سیر کے دوران اس نے کسی درخت کا پتہ توڑ لیا اور اسے اپنے کان کے پیچھے رکھ کر وہ اس باغ سے کنوئیں کے راستے اوپر نکل آیا۔

پھر یہ شخص حاکم شہر کے پاس گیا اور اس نے جو کچھ اس باغ میں دیکھا تھا اسے اس کے سامنے بیان کیا۔ حاکم شہر نے بہت سے آدمی اس کے ساتھ کیے لیکن جب وہ اس کنویں میں اترے تو انھیں کچھ نظر نہیں آیا نہ ہی کسی باغ کا راستہ دکھائی دیا۔ حاکم نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ واقعہ لکھ بھیجا اور نھیں وہ حدیث بھی یاد دلائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ''میری امت میں سے ایک شخص جنت میں داخل ہوگا۔'' جواب میں امیر المومنین نے اس حاکم کو حکم دیا کہ اس شخص کے کان میں اڑے رہنے والے پتے کو دیکھا جائے اگر وہ سبز رہے اور دنیا کے درختوں کے پتوں کی طرح نہ مرجھا جائے تو بے شک وہ جنت کے درخت کا پتہ ہے کیونکہ جنت کے درختوں کے پتے کبھی نہیں مرجھاتے اور مذکورہ حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا گیا ہے کہ اس پتے میں کوئی خرابی واقع نہ ہوگی۔ پھر جب حاکم نے وہ پتہ دیکھا تو اسے تازہ اور سرسبز پایا۔

پانی

بشاری مقدسی لکھتا ہے کہ بیت المقدس میں پانی کی افراط ہے۔ چنانچہ یہ ضرب المثل مشہور ہے کہ بیت المقدس میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اذان کی آواز اور پانی نہ ہو۔ شہر میں شاید ہی کوئی مکان ہوگا جس میں ایک سے زاید حوض نہ ہوں۔ شہر میں تین بڑے حوض بھی تھے جو برکہ بنی اسرائیل، برکہ سلیمانؑ برکہ عیاد کے نام سے مشہور تھے۔ خود حرم مسجد اقصیٰ میں بیس سے زائد کنوئیں اور وسیع وعریض حوض تھے۔ مزید یہ کہ بیت المقدس میں سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک وادی میں پانی کا بند بندھا گیا تھا جہاں دو تالاب بنے ہیں جن میں موسم سرما کی بارشوں کا پانی جمع ہوتا تھا۔ ان تالابوں سے شہر میں پانی لانے کے لیے نہریں بنائی گئی تھیں جو موسم بہار میں چھوڑ دی جاتی تھیں۔ برکہ بنی اسرائیل حرم شریف کے شمال مشرقی گوشے کے باہر آج بھی موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ بخت نصر نے اسے بنی اسرائیل کے بریدہ سروں سے بھر دیا تھا۔ برکہ سلیمانؑ کو خود حضرت سلیمانؑ نے کھدوایا تھا۔ یہ آج کل معدوم ہو چکا ہے۔ البتہ برکہ عیاد جسے ایک صحابی رسول حضرت عیاضؓ بن غنم نے کھدوایا تھا برکہ حمام البطریق کے نام سے یافہ گیٹ کے پاس موجود تھا۔

اسلام کی مساوات کا سبق

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب انطاکیہ فتح کیا گیا تو آپ نے اپنے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہؓ کو بیت المقدس فتح کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ طویل محاصرے اور شدید جنگ کے بعد شہر کے باشندے صلح پر آمادہ ہوئے مگر اس شہر کے اسقف اعظم صفرونیوس نے شہر کے دروازے مسلمانوں پر کھولنے کی یہ شرط رکھی کہ خود امیر المومنین، حضرت عمرؓ تشریف لا کر معاہدہ صلح تحریر فرمائیں کیونکہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ اس شہر کو نبی آخر الزمان کا ایک صحابی فتح کرے گا۔ اس کا نام عمر ہوگا اور لقب فاروق اعظم۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے جنگ ملتوی کر دی اور یہ ساری روئیداد حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھ

بھیجی۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا حضرت عمرؓ القدس میں تشریف لائے ان کے پاس سواری کے لیے صرف ایک اونٹ تھا اور ایک غلام بھی اس سفر میں ان کے ہمراہ تھا۔ سواری کے اونٹ پر ایک دن یہ غلام سواری کرتا اور ایک دن حضرت عمرؓ اونٹ پر سواری کرتے تھے۔ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو اسلامی فوج کے نعرہ ہائے تکبیر سے القدس کے بام و در گونج اٹھے۔ عیسائیوں کا ایک جرنیل ارطون پہلے ہی شہر س نکل کر حضرت عمرؓ کا استقبال کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اتفاق سے اس دن اونٹ پر غلام سوار تھا اور آپ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے پیدل چل رہے تھے۔ جب اسقف صفرونیوس کو حضرت عمرؓ کے اس طرح اسلامی مساوات پر عمل کرنے کا نظارہ ہوا تو اس نے اعلان کیا کہ یہی وہ شخص ہے جو بیت المقدس کو فتح کرے گا اور اس نے حاکم شہر کو مشورہ دیا کہ یہ شہر کی چابیاں حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کر دے۔ چنانچہ شہر کی چابیاں حضرت عمرؓ کے حوالے کر دی گئیں۔ ایک عہد نامہ کی رو سے آپ نے شہر کے تمام عیسائیوں کو امان دی اور ان کے گرجے محفوظ مقامات قرار دے دیے۔ اس کے بعد آپ نے اس شہر کے متبرک مقامات دیکھے۔ جب آپ فوجی کیمپ سے باہر نکلنے لگے تو صحابہ کرام نے آپ کو ایک قیمتی گھوڑا اور لباس پیش کیا مگر آپ نے فرمایا کہ خدا نے یہ عزت ہمیں اسلام کی بدولت عطا کی ہے مجھے شان و شوکت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد آپ نے مقام صخرہ پر سجدہ شکر ادا کیا کہ یہ حضرت سلیمانؑ کی جائے عبادت تھی۔ آپ ایک گرجے میں تھے کہ صفرونیوس نے نماز کا وقت ہونے پر آپ کو اپنی گرجا میں نماز ادا کرنے کی پیش کش کی مگر آپ نے شکریہ ادا کرنے کے بعد ایسا کرنے سے انکار کر دیا کہ کہیں ان کی نماز ادا کرنے سے بعد کے مسلمانوں کو اس گرجا گھر کو مسجد بنا لینے کا خیال نہ آ جائے۔ گیارہویں صدی کے آخر اور پھر بیسویں صدی کے نصف میں ایک بار پھر عالم اسلام اس مقدس شہر سے محروم ہو گیا۔ خدا کرے کہ عالم اسلام میں کوئی صلاح الدین ایسا مجاہد پھر پیدا ہو جو اسے واپس مسلمانوں کو دلوا دے کہ حضرت عمرؓ کے بعد باب المقدس کو دوبارہ صلاح الدین ایوبی نے ہی فتح کیا تھا۔

وادی جہنم

بیت المقدس کے مغرب اور جنوب کی گھاٹی کو یہودی بن ہون (وادی جہنم) کہتے ہیں مگر مسلمان شہر کی مشرقی سمت والی وادی کو وادی جہنم کہتے ہیں۔ یہ ایک حصار کی حیثیت رکھتی ہے اور قدیم زمانے میں اس مشرقی وادی کو کیڈرون جیہوشیفٹ کہتے تھے۔ جوئیل نبی کے صحیفے کے باب سوم آیت نمبر 2 میں اس کا ذکر موجود ہے جس کی بنا پر یہود نے اس کو میدان محشر قرار دیا ہے اور بعض مسلمان بھی اسے مفروضہ پل صراط سمجھتے ہیں۔ وادی جہنم سے متصل میدان کو "الساہرۃ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کے جنوب کے دروازے کو بھی "باب الساہرۃ" کہتے ہیں۔ اس وادی میں انگوروں کے باغات، گرجا، راہبوں کے حجرے اور بے شمار مقابر ہیں۔ قریب ہی وہ گرجا بھی ہے جس میں حضرت مریمؑ، والدہ حضرت عیسیٰؑ کا مزار ہے۔ وادی کی ڈھلوانوں پر بہت سی قبور ہیں جن میں صحابہ کرام مدفون ہیں۔ وادی کے اس حصے کو "مقبرہ الساہرۃ" کہتے ہیں۔

وادی الساہرہ

ناصر خسرو نے لکھا ہے کہ جامع مسجد سے آگے بڑا میدان ہے جسے ''ساہرہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ یہی میدان محشر ہے اور یہی محشر خلایق ہوگا۔ اس وادی کے کنارے ایک بڑا مقبرہ ہے اور بکثرت دیگر متبرک مقامات ہیں جہاں لوگ دعائیں مانگتے ہیں۔ مسجد اور دشت ساہرہ کے درمیان ایک نشیب ہے۔ اس نشیبی وادی کو حضرت عمرؓ نے وادی جہنم کا نام دیا تھا اور آج بھی یہ اسی نام سے موسوم ہے۔ یہ گھاٹی قدیم بیت المقدس کے مشرق میں ہے۔ جغرافیہ دان اسٹرینج کا بیان ہے کہ یہود نے بیت المقدس کے جنوب مغرب میں واقع ایک گھاٹی کو ''بن ہون'' یعنی جہنم کی وادی کا نام دیا ہے اور مسلمانوں نے جس وادی کو یہ نام دیا ہے وہ یہودیوں میں وادی کیڈرون یا جیہوشفٹ کے نام سے مشہور ہے اور اس کی روایت وہ جوئیل نبی کے صحیفے سے لیتے ہیں اور اسے میدان حشر قرار دیتے ہیں۔ المقدسی کے بیان کے مطابق وادی جہنم احاطہ حرم کے جنوب مشرقی گوشے سے شہر کے مشرق میں انتہائے شمال تک پھیلی ہوئی ہے۔ کیسنہ مریمؑ بھی اسی وادی میں ہے اور اوپر کے رخ وادی کی ڈھلوان پر اصحاب رسولؐ، حضرت شداد بن اوسؓ اور حضرت عبادہ بن ثابتؓ کی قبور ہیں۔ یہ میدان وادی ساہرہ اور مسجد اقصیٰ کے درمیان واقع ہے۔ اسی وادی میں وہ عمارت بھی ہے جسے ''ناصر خسرو'' نے ''فرعون کا گھر قرار دیا تھا۔ یہ عمارت اپنی ساخت کے اعتبار سے متحیر کن ہے۔ میدان ساہرہ کے بارے میں یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ وہی میدان حشر ہوگا۔ کوہ زیتون وادی جہنم کے مشرقی پہلو سے مسجد اقصیٰ پر چھایا ہوا ہے اور پہاڑی کے پہلو پر بلند جگہ پر وہ قبرستان واقع ہے جہاں ہر ملک کے مسلمان اپنے مردے دفن کرتے ہیں۔ اسے مقام الساہرہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں مشہور 35 مساجد ہیں جن میں سب سے اہم اور قابل دید جامع عمرؓ ہے۔ مشہور ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے شہر کو امان دی تھی تو راہب اعظم نے حضرت عمرؓ کو کیسہ قیامہ دیکھنے کی دعوت دی تھی۔ آپ وہاں تشریف لے گئے اور جب وہ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ پادری نے حضرت عمرؓ کو درخواست کی کہ گرجا میں نماز ادا فرمائیں مگر آپ نے سیڑھیوں میں نماز ادا کی۔ جب آپ نماز ادا فرما چکے تو آپ کو خیال آیا کہ مبادا مسلمان اسے روایت بنالیں۔ اس طرح تو اس شہر میں عیسائیوں کی کوئی بھی عبادت گاہ محفوظ نہیں رہے گی۔ آپ نے فوراً کاغذ و قلم منگوا کر ایک تحریر رقم کر دی کہ کوئی مسلمان میری نماز کی ادائیگی کو مثال بنا کر اس گرجا پر تصرف نہ کرے۔ چنانچہ عیسائیوں نے اس رواداری اور انصاف کے اعتراف میں گرجا کے سامنے صرف بیس قدم کے فاصلے پر ایک مسجد تعمیر کرنے کی اجازت چاہی جسے مسلمانوں اور حضرت عمرؓ نے قبول کر لیا۔ اسی نسبت سے یہ مسجد بھی مسجد جامع عمرؓ کہلائی۔

مسجد فاروقی

یہ مسجد جبل زیتون پر کیسہ صعود کے قریب واقع ہے۔ کہتے ہیں جب حضرت عمرؓ القدس کو امان دینے کے لیے

یہاں تشریف لائے تھے تو آپ نے لشکر اسلام کے ساتھ یہیں قیام فرمایا تھا۔ اسی مقام پر آج کل مسجد فاروقؓ واقع ہے۔ اسی مقام پر مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کی امامت میں نماز ادا کی تھی۔ بعد ازاں اس مقام پر حضرت عمرؓ کے لقب فاروق سے منسوب مسجد فاروق تعمیر کر دی گئی۔

کینسہ القیامہ

یاد رہے یہ وہی قیامت زا مقام ہے جس کو "کافروں" (مسلمانوں) سے نجات دلانے کے لیے پورا صلیبی یورپ اُمڈ آیا تھا اور صدیوں تک حشر برپا کیے رہا تھا۔ کینسہ قیامہ ایک وسیع گرجا ہے جسے مسیحی نہایت محترم قرار دیتے ہیں مسیحی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰؑ یہیں مصلوب اور مدفون ہوئے تھے اور اسی مقام پر دوبارہ زندہ ہوئے تھے۔ اس گرجے میں انھوں نے ایک صلیب بنا رکھی ہے جو مکمل طور پر سنگ مرمر کے ایک مستطیل چبوترے پر کھڑی ہے۔

چشمہ حضرت ایوبؑ

یہودیوں اور عیسائیوں کی دیگر یادگاروں کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔ اسی مقام پر وہ چشمہ تھا جس کے پانی سے حضرت ایوبؑ نے غسل کیا تھا اور روبصحت ہو گئے تھے۔ اسے "ویل آف گیاہ" کا نام دیا جاتا ہے۔ اس چشمے میں پانی ایک 80 گز گہری چٹان سے آتا ہے اور ہر سال موسم سرما میں اس کے کناروں سے ابل پڑتا ہے۔ اسے چشمہ ایوبؑ بھی کہتے ہیں۔ اس سے دو فرلانگ آگے عین صلوان آتا ہے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ عرفات کے راستے زم زم کا پانی اندر ہی اندر عین صلوان تک آتا ہے۔ اس شام یہاں ایک میلہ لگتا ہے۔ ناصر خسرو نے لکھا ہے کہ یہ چشمہ ایک چٹان سے پھوٹتا ہے۔ اس پانی میں کوئی اس سے پاؤں تک غسل کر لے تو اسے ہر قسم کے درد سے نجات مل جاتی ہے۔ بقول علی ہروی یہ قبۃ الصخرہ کے نیچے سے بہتا اور وادی جہنم میں بالائے سطح نمودار ہوتا ہے۔ اس کا پانی موسم سرما میں بہت گرم اور موسم گرما میں نہایت سرد ہوتا ہے۔ یہودی روایات کے مطابق اسے حضرت سلیمانؑ کو پوتے ملک حزقیل نے کھدوایا تھا۔ لی اسٹرینج کا بیان ہے کہ عین صلوان چشمہ نہیں بلکہ حوض ہے اور 130 گز دور عین ام الارج کے ایک نہر کے ذریعے اس میں پانی لایا جاتا ہے۔ یہ نہر زیر زمین ہے۔ اس سرنگ کے راستے انسان اندر ہی اندر اس کے منبع تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے نواحی باغات حضرت عثمانؓ نے مساکین شہر کے لیے وقف کر دیے تھے۔ یہودیوں نے عثمانی عہد میں اس چشمہ کے گرد کی زمین پر قبضہ کرنا چاہا تھا لیکن سلطان ترکی نے ان کی کوششوں کو ناکام بنا کر یہاں ایک مسجد تعمیر کر دی تھی۔

غار قارون

بشاری مقدسی نے جو بیت المقدس کا ہی رہائشی تھا بیت المقدس کے عجائبات میں ایک بڑے غار کا ذکر کیا ہے جسے قرآن مجید میں سورہ قصص کے حوالے سے قارون کے نام منسوب کیا ہے۔ مقدسی کا بیان ہے کہ یہ شہر سے

باہر واقع ہے۔ یہاں سے ایک دروازہ اس مقام تک چلا جاتا ہے جہاں حضرت موسیٰ کے مقتولین مدفون ہیں لیکن اس بارے میں کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بظاہر یہ ایک پتھر کی چٹان ہے جس کے اندر جانے کے راستے بنے ہوئے ہیں۔ یہ راستے اتنے تنگ و تاریک ہیں کہ ان میں آدمی ٹارچ لائٹ کے بغیر نہیں گزر سکتے۔ یہ جامع عمرؓ کے عین مقابل واقع ہے۔

دیگر آثار

ارض مقدس کے ان پہاڑوں اور چشموں کا تذکرہ اس وجہ سے اہم ہے کہ یہ کسی نہ کسی وجہ سے خاص امتیاز اور یادگار کی اہمیت رکھتے ہیں۔ کوشش تو یہی ہے کہ ان مقامات کے متعارف نام استعمال کیے جائیں۔ مثلاً ہم اردو زبان میں کوہ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جو موسیٰ کے نام کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ عبرانی زبان میں ''طور'' عام طور پر پہاڑ کو کہتے ہی مثلاً طور سینا۔ طور زیتون وغیرہ۔

الطور

الطور ایک خاص پہاڑ کا نام ہے اسے ٹیبور یا تبر بھی کہتے ہیں۔ یہ طبریہ کے شمال میں نابلس کے اوپر واقع ہے۔ سامری لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔ یہودی بھی اس کا احترام کرتے ہیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہیں قربانی کا حکم ہوا تھا۔

طور زیتا

القدس کے مشرق میں یہ پہاڑی واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں ستر ہزار انبیائے کرام کے مزارات واقع ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے اسی پہاڑی پر وعظ کیا تھا۔ کوہ تابور کو بھی جو طبریہ میں واقع ہے طور زیتا کہتے ہیں۔ جبل زیتون اور القدس کے درمیان صرف ایک وادی ہے جسے وادی جہنم کہتے ہیں۔ اس جبل زیتون سے ہو کر حضرت عمرؓ جب شہر میں داخل ہوئے تھے تو مسلمانوں نے ان کی آمد پر نعرہ ہائے تکبیر بلند کیا تھا۔ اس یادگار کے طور پر اس پہاڑی کو ''جبل بکر'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

طور ہارونؑ

جبل ہارون وہ بلند پہاڑ ہے جو بیت المقدس کے جنوبی علاقے میں واقع ہے۔ حضرت ہارون کا مقبرہ اسی پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے اور حضرت ہارونؑ نے وفات بھی اسی پہاڑی پر پائی تھی۔ اس دوران جب وہ حضرت موسیٰ کے ہمراہ اس پہاڑ پر گئے ہوئے تھے۔

طور سینا

بیت المقدس سے تقریباً دو سو میل سے فاصلے پر مصر و شام کے درمیان واقع ہے۔ یہ بحیرہ قلزم سے بہت قریب واقع ہے۔ طور سینا طبع طور پر دو حصوں میں منقسم ہے۔ شمالی حصہ چونے کے پتھر کی قسم سے ہے اور اسے "بادیہ التہہ بنی اسرائیل" کہتے ہیں۔ طور سینا کے قریب ہی "جبل موسیٰ" واقع ہے جہاں آپ نے جلوہ خداندی کو دیکھا تھا۔ جزیرہ نما سینا میں بنی اسرائیل بارہ برس تک قیام پذیر رہ کر من و سلویٰ کھاتے رہے تھے۔ طور سینا کے قریب "الامن" یا "ایلم" نامی ایک گاؤں واقع ہے جہاں اس دشت نوردی کے زمانے میں حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں نے پڑاؤ کیا تھا۔ طور سینا پر بارہ چشمے ہیں اور ایک گرجا بھی واقع ہے۔ یہاں زیتوں کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں۔

سورہ نور کی پینتیسویں آیت میں انھیں کی طرف اشارہ ہے۔ جغرافیہ دان الادریسی کا بیان ہے کہ طور سینا کی چوٹی پر ایک مسجد ہے جس میں ایک کنواں جس سے راہ چلتے مسافر سیراب ہوتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں جلوہ خداندی کی تاب نہ لاتے ہوئے حضرت موسیٰ بے ہوش ہو گئے تھے۔

جبل الجلیل

شام کے ساحل پر حمص کی طرف پھیلا ہوا پہاڑ "جبل الجلیل" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا سلسلہ دمشق تک پھیلا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کے نزدیک "سحر" نامی گاؤں تھا جس میں حضرت نوحؑ رہتے تھے۔ طوفان نوح غالباً یہیں سے شروع ہوا تھا۔ حضرت مسیحؑ اس پہاڑ پر بھی اپنی سیاحت کے دوران تشریف لے گئے تھے اور انھوں نے لوگوں کو خوش خبری دی تھی کہ اس علاقے میں کبھی قحط کی مصیبت نہیں آئے گی۔ ارض مقدس و موعود کے چند مزید مشہور پہاڑ یہ ہیں: مثلاً جبل عاملہ، جبل عوف، جبل صدقہ، جبل النصیر یہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر کی تاریخ جدا ہے اور بے شمار واقعات و حوادث زمانہ ان سے وابستہ ہیں۔ صرف ایسے دل کی ضرورت ہے جو گداز رکھتا ہے اور چشم بینا سے دیکھ سکے۔

دریائے اردن

بیت المقدس سے صرف پچیس میل دوری پر دریائے اردن بہتا ہے۔ اسی دریا سے حضرت مسیح نے اصباغ کیا تھا یا بالفاظ دیگر بپتسمہ لیا تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں عیسائی ہر سال یہاں زیارت کو آتے ہیں اور پانی بطور تبرک لے جاتے ہیں۔ یہی دریا ہے جس کی نسبت سے شرق اردن کی حکومت قائم ہوئی تھی۔

بیت اللحم

بیت المقدس کے جنوب میں ساڑھے پانچ یا چھ میل کے فاصلے پر بیت اللحم کی بستی ہے۔ یہ سطح سمندر سے

ڈھائی ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں زیتون کے درخت اور باغات کثرت سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان درختوں کے نیچے حضرت حضرت عیسیٰ پروان چڑھے تھے۔ زائرین ان درختوں کے پتوں کو بطور تبرک لے جاتے ہیں اور پادری اپنی چاندی بناتے ہیں۔ کرسمس کے دنوں میں ہزاروں بلکہ لاکھوں مسیحی زائرین یہاں زیارت کو آتے ہیں اور مسیحی رسوم حج ادا کرتے ہیں۔

عجائب روزگار درخت

حضرت عیسیٰ کی ولادت گاہ میں اس کھجور کے درخت کا ایک حصہ تا حال موجود ہے جس کا پھل حضرت بی بی مریمؑ نے کھایا تھا اور جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے ''وھذا الیك بجزع النخلہ (الآیہ) یہ حضرت مریمؑ جو ایک ولیہ بنی اسرائیل ہیں کی ایک کھلی کرامت اور حضرت عیسیٰ کا معجزہ ہے ورنہ کھجور کے درخت اس علاقے میں پیدا نہیں ہوتے۔

مقبرہ حضرت راحیل، والدہ حضرت یوسفؑ

بیت المقدس سے بیت اللحم کو جاتے ہوئے راستہ میں مقبرہ راحیل (Rachel) واقع ہے۔ حضرت راحیل حضرت یوسفؑ کی والدہ محترمہ کا نام ہے۔ اس کے قریب ہی ''بیت جلا'' نامی عیسائی بستی ہے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے اپنا بچپن انھیں پہاڑوں اور میدانوں میں بسر کیا تھا۔ یہیں حضرت داؤد کا مزار بھی واقع ہے۔

بیت اللحم کی آبادی میں اکثریت عیسائیوں کی ہے۔ ان کا لباس اور وضع قطع ابھی تک قدیم تہذیب وتمدن کا نشان ہے۔ یہاں عیسائیوں کا سب سے مقدس گرجا واقع ہے جسے کلیسائے میلاد (Chuch of the Nativity) کہتے ہیں۔ اس کی تعمیر 330ء میں والدہ قسطنطین ملکہ ہیلینا نے کرائی تھی۔ یہ دنیا کے قدیم ترین گرجا گھروں میں سے ایک ہے۔ اسی گرجا میں ابھی تک اس کھجور کا ٹکڑا محفوظ بتایا جاتا ہے جس کا پھل حضرت مریمؑ نے کھایا تھا۔ یہاں بہت سے لاطینی اور امریکن گرجا گھر بھی ہیں۔ ایک قدیم گرجا فرشتوں کا گرجا بھی ہے۔ جس میں کرسمس کے دن گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں۔ یہ گرجا ان فرشتوں کے نام پر بنایا گیا ہے جنھوں نے گڈریوں کو ولادت مسیحؑ کا مژدہ سنایا تھا۔ حضرت عمرؓ اپنے سفر بیت المقدس میں جب یہاں تشریف لائے تو آپ نے تعمیر مسجد کی خواہش ظاہر کی۔ لوگوں نے ایک گھر پیش کیا جو قبلہ رخ بنا ہوا تھا۔ اسے مسجد میں تبدیل کر دیا گیا اور گرجے کو بدستور قائم رہنے دیا گیا تھا۔

الخلیل (Hebron)

سطح سمندر سے تقریباً تین ہزار فٹ کی بلندی پر بیت اللحم کے جنوب میں الخلیل (Hebron) واقع ہے۔ الخلیل پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں ہے اور بیت المقدس سے صرف بیس میل دور ہے۔ مکفیلا کے غار یہیں واقع ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسی بستی میں بسر کیا تھا۔ انھوں نے اپنی بیوی حضرت سارہؑ کی

وفات پر ایک غار خاندانی قبرستان کے لیے خرید لیا تھا۔ اس غار میں حضرت سارہؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، ان کی زوجہ حضرت ربیقہ اور حضرت یوسفؑ کے مزارات ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت یوسفؑ کا انتقال مصر میں ہوا تھا اور آپ کو وہیں دفن کیا گیا تھا۔ مگر تقریباً چار سو برس کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت موسیٰؑ آپ کی باقیات اور نعش مبارک ایک تابوت میں اپنے ہمراہ ارض مقدس لے آئے تھے اور یہاں دفن کیا تھا۔ اس مقدس قبرستان کے احاطے کو ''حرم حمرون'' کہتے ہیں۔ حرم حمرون پر ایک شاندار اور خوشنما مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ یہ بستی خاص طور پر مسلمانوں کی ہے۔ اسرائیل کے قیام کے باوجود یہاں مسلمان بڑی تعداد میں آباد تھے۔ ملت ابراہیمی صحیح معنوں میں خاک ابراہیمی کے محافظ اور وارث تھی۔ مسجد کے قریب زمانہ قدیم میں ایک مسافر خانہ بھی تھا۔ اس مسافر خانہ کا خرچ آنحضرت کے صحابی حضرت تمیم الداریؓ اور دوسرے بزرگوں کے وقف سے پورا کیا جاتا تھا۔

بئیر شیبہ

جو سڑک بیت المقدس سے بیت اللحم اور الخلیل کو جاتی ہے وہی بئیر شیبہ تک چلی گئی ہے۔ قدیم زمانے میں یہ ایک یہودی متبرک مقام تھا مگر حالیہ زمانوں میں یہاں زیادہ تر عرب بدو آباد تھے اور یہ جگہ بدو آبادیوں کا مرکز ہے۔

عین کرم (Ain Karem)

یہ قبہ بیت المقدس سے پانچ میل کے فاصلے پر پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ یہاں زیتون اور انجیر کے درخت بکثرت ہیں۔ یہ ایک قدیم عرب بستی ہے جو تقریباً 4000 ق م سے موجود چلی آرہی ہے۔ یہاں سے جو برتنوں کے ٹکڑے ملے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں زمانہ قبل از تاریخ سے آبادی موجود چلی آرہی ہے۔ اسی مقام پر سلطان صلاح الدین ایوبی اور صلیبیوں میں سخت معرکے لڑے گئے تھے۔

لدہ (Lydda)

یہ قدیم زمانے میں ارض مقدس کا پایہ تخت تھا۔ شہر کے علاوہ پورے ضلع کو بھی لدہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی زندگی کا ایک حصہ یہاں بسر کیا تھا۔ چنانہ ایک مزار یہاں حضرت مریمؑ کا یہاں بھی بتایا جاتا ہے۔ عیسائی اس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ ایک عام روایت مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰؑ دجال کو اسی جگہ قتل کریں گے۔

یافا (جافا)

اس شہر کی اپنی ایک قدیم تاریخ ہے اور یہ ارض مقدس کی اہم یادگاروں میں سے ہے۔ یہی وہ شہر ہے جہاں حضرت مسیحؑ اپنی تبلیغ و تلقین میں کامیاب ہوئے تھے۔

نابلس (Shechem)

یہ شہر دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ان پہاڑیوں کو ایال اور گریزم کہتے ہیں۔یہاں سے دریائے اردن پار کر کے یوشعؑ نے اسرائیل کو حضرت عیسٰیؑ کا پیغام دیا تھا۔نابلس میں دنیا کی مشہور قدیم نسل سامری آباد ہے۔اس قوم نے ڈھائی ہزار سال سے اپنی نسل کا کسی دوسری نسل سے امتزاج نہیں ہونے دیا۔احبار ان پر حکومت کرتے ہیں۔یہ لوگ حضرت موسٰیؑ کے صرف پانچ ابتدائی نوشتوں کو مانتے ہیں۔سال میں ایک مقررہ شام کو گھر بار چھوڑ کر شہر کے باہر تہوار مناتے ہیں۔نابلس ان کے نزدیک بیت المقدس سے بھی زیادہ مقدس شہر ہے۔گریزم پہاڑ ان کا قبلہ ہے۔

حالیہ جنگوں سے پہلے مسلمان عرب بھی یاں بکثرت تھے۔ بہت سی مساجد اور منارے شہر میں موجود ہیں۔ عیسائیوں کا کہنا ہے کہ قدیم ایام میں ان مساجد کو قدیم باشندے گرجا کے طور استعمال کرتے تھے۔نابلس کی جنوب مغرب والی مسجد کے متعلق عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ جب برادران حضرت یوسفؑ کا خون آلود پیرہن حضرت یعقوبؑ کی خدمت میں لائے تھے تو وہ اسی مسجد کے مقام پر بیٹھے تھے۔نابلس جدید دور میں زیتون کے تیل اور صابن سازی کی صنعت کے لیے خاص طور پر مشہور ہے۔

چاہ یعقوبؑ

یہ وہ کنواں ہے جو حضرت یعقوبؑ نے نابلس کے باہر خیمہ لگاتے وقت کھودا تھا۔یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق کتاب مقدس میں آیا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے ایک عورت سے جب وہ پانی بھرنے کے لیے آئی تو رشد و ہدایت کی گفتگو کی۔یہاں اس واقعہ کی یادگار کے طور پر بعد ازاں ایک گرجا گھر تعمیر کر دیا گیا ہے۔

ناصریہ (Nazareth)

اس شہر کا موجودہ نام الناصرہ ہے۔یہ قصبہ یروشلم سے **70** میل شمال میں واقع تھا۔اس قصبے میں انجیل کے مطابق حضرت مریمؑ اور ان کے منگیتر یوسف کی جائے رہائش تھی۔ حضرت یسوعؑ نے اپنی زندگی کے تیس سال یہاں گزارے۔ جب تک یہاں کے لوگوں نے آپ کی تعلیمات کو رد نہ کر دیا آپ یہیں ٹھہرے۔اسی قصبے میں رہنے کی وجہ سے آپ کا لقب مسیح ناصری ہے۔اس قصبے میں آج بھی حضرت مسیحؑ کے زمانے کی تہذیب کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ مکانات کی تعمیر اور صنعت حرفت میں ابھی تک وہی اصول کارفرما ہیں۔

وادی موسٰیؑ (Petra)

یہ وادی بیت المقدس کے جنوب میں واقع ہے۔ یہاں زیتون کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں۔حضرت

موسیٰ اپنی گم شدہ قوم کو دشت تیہ سے نکال کر یہیں لائے تھے۔ وہ پتھر جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے تھے اس وادی میں موجود ہے۔ اس کی تصدیق اکثر سیاحوں نے کی ہے۔ اس وادی میں چٹانوں سے تراشے ہوئے بہت سے شاندار محلوں کے آثار قدیمہ موجود ہیں۔

حیفہ

کوہ راس کرمل (M-Carmel) کے نیچے یہ قدیم آبادی ہے۔ آج کل یہ ایک جدید طرز کے شہر کی صورت اختیار کر چکی ہے۔۔ یہ فلسطین کی اہم ترین بندرگاہ ہے۔ راس کرمل کی ڈھلوان پر بہائیوں کا پرشین گارڈن ہے۔ ان کے مذہبی راہنما باب اور سر عباس عبدالباب کے مقبرے بھی یہیں ہیں۔ یہاں بائبل میں ذکر کردہ بے شمار آثار اور مقامات واقع ہیں۔

کفرکنہ (Cana of Galilee)

یہ عکہ کے قریباً ایک گاؤں ہے۔ اس کے جنوب میں ایک پہاڑی پر حضرت یونسؑ اور ان کے بیٹے کی قبور ہیں۔ ان کا ذکر انجیل یوحنا کے باب نمبر اور آیت نمبر 11 میں آیا ہے۔ اس آیت میں اسے کنیسائے جلیل کہا گیا ہے۔

بلاد حضرت لوطؑ

دیکھیے سدروم اور عمورہ

کنعان یا شیلون (Shilon)

توریت کی کتب احکام میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ مسجد السکینہ یہاں تھی اور حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائی اس کنوئیں میں ڈالنے کے لیے لے گئے تھے۔ قیام مصر کے دوران آپ کی عمر کا بیشتر حصہ یہاں بسر ہوا تھا۔

لجون (Legio or Megiddo)

یہ فلسطین کا ایک بہت پرانا سرحدی شہر ہے۔ اس کے باہر ایک گنبد ہے جسے مسجد ابراہیمؑ کہتے ہیں۔ یہاں ایک کنواں ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے لاٹھی مار کر بطور معجزہ زمین سے پانی نکالا تھا۔ اس نام سے ایک اور کنواں شہر طبریہ سے بیس میل دور واقع ہے۔

مدین

طور سینا کے مشرق میں آباد ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ کی زوجہ حضرت صفورہ (Ziporah) بنت حضرت شعیبؑ کی قبر ہے۔ یہاں وہ کنواں بھی ہے جس سے حضرت موسیٰ، حضرت شعیبؑ کے ریوڑ کو پانی پلایا کرتے تھے۔

بعلبک نوحؑ

بعلبک کے نزدیک کی آبادی جس میں حضرت نوحؑ اوران کی صاحبزادی کی قبریں واقع ہیں۔اس آبادی کے نزدیک چشمہ کی صورت میں زمین سے پانی ابلتا ہے۔اسے ''تنورطوفان'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

بقاع کلب (Coelo Syrim Plain)

بعلبک، حمص اوردمشق کے درمیان ایک وسیع میدان میں حضرت الیاسؑ کی قبرواقع ہے۔قریب ہی حضرت نوحؑ اورحضرت شعیبؑ کے مکانات بھی واقع ہیں۔

دیرناحور

دریائے اردن کے کنارے وہ مقام جہاں حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ کو بپتسمہ دیا تھا۔ یہاں اس واقعہ کی یادگار میں ایک گرجا موجود ہے۔

جریکو،اریحا

دریائے اردن سے چارمیل دورایک صحرائی گوشہ ہے۔جریکو سے ایک میل دورقدیم کنعانی بستی کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ابھی تک اس شہر کے آثارقدیمہ اورٹوٹی ہوئی دیواریں محققین کے لیے دلچسپی کا باعث ہیں۔

جرش

شرق اردن کا ایک قصبہ۔اس کے درمیان سے دریا گزرتا ہے۔شہر میں قوم عاد کے مکانوں کے کھنڈرات بکثرت موجود ہیں۔حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ نے اسے عہد فارقی میں فتح کیا تھا۔

اعبلین

رامون کے جنوب میں ایک مختصر سا قصبہ حضرت عزیزؑ کا مزاراسی قصبے میں واقع ہے۔آپ کوتورات میں اسدراس یاازار کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔انھیں اہل یہود خدا کا بیٹا تصور کرتے تھے۔

رومہ

طبریہ کے نزدیک ایک چھوٹا سا گاؤں جہاں یہودابن یعقوب کا مزار ہے۔

سبسطیہ (Sebastia) یاسامریہ

نابلس کے قریب واقع ہے۔بیت المقدس سے کچھ زیادہ فاصلے پرنہیں۔یہاں حضرت زکریاؑ اوران کے بیٹے حضرت یحییٰ کے مزارات ہیں۔قرآن مجید کے مطابق حضرت یحییٰ، حضرت زکریاؑ کی اس دعا کے نتیجے میں پیدا ہوئے جو انھوں نے حجرہ حضرت مریمؑ میں بے موسمی پھل دیکھ کر مانگی تھی۔

دریائے اردن

جیسا کہ پہلے ذکر آیا یہ ارض فلسطین کا سب سے بڑا دریا۔ اس دریا نے بنی اسرائیل کی تاریخ اور حضرت مسیحؑ کی خدمت میں بھی بڑا نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ دریائے اردن شام کے چار دریاؤں سے مل کر بنتا ہے اور جھیل گلیلی سے نکلتا ہے۔ اسکے بعد یہ ستر میل جنوب میں واقع بحیرہ مردار میں جا گرتا ہے۔ اسی دریا میں حضرت یحییٰؑ نے حضرت مسیحؑ کو اصطباغی بپتسمہ دیا تھا۔

بیت احزان

دمشق اور ساحل کے درمیان وہ قصبہ جہاں حضرت یوسفؑ کے گم ہونے پر حضرت یعقوبؑ رنج والم میں مقیم رہے تھے۔ 575ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے فتح کیا تھا۔

عسقلان

عبرانی زبان میں اس کا تلفظ اریس کیلون ہے۔ یہ ساحل سمندر پر واقع ہے اور دوہری فصیل کے اندر آباد ہے۔ عسقلان کے قریب ہی وادی النمل ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں سورہ نمل میں بھی آیا ہے۔ اس شہر کے ایک گوشہ میں چاہ ابراہیم واقع ہے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے سنگ مرمر کی مسجد یہاں تعمیر کرائی ہے۔ جسے لوگ عروس الشام کا نام دیتے ہیں۔ اس شہر میں آثار قدیمہ بکثرت ہیں۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ امام حسینؓ کا سر مبارک پہلے اس شہر میں لایا گیا تھا۔

بیت لہیا

دمشق کے قریب ایک گاؤں ہے۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ کا چچا آزر بت تراش رہتا تھا۔ وہ گھر جس میں وہ بت بنایا اور جمع کیا کرتا تھا اب ایک عالیشان مسجد کی صورت میں موجود ہے۔ غالباً اسی کی مناسبت سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔ محققین کے نزدیک اس کا صحیح تلفظ "بیت اللہ" ہوگا جو بگڑ کر "بیت لہیا" ہوگیا۔ اسی نام سے ایک بستی غزہ میں بھی ہے۔

دیر بصریٰ (نجران)

شام میں حران کا صدر مقام جہاں سفر شام کے دوران آنحضرت ﷺ کی ملاقات بحیرہ راہب سے ہوئی تھی اور اس نے آپ ﷺ کو نبی آخرالزمان بتایا تھا۔

جُب یوسف علیہ السلام

طبریہ سے دمشق کو جاتے ہوئے دریائے اردن کے کنارے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ برادران یوسفؑ نے انھیں اسی کنویں میں ڈالا تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں اس کنویں کی زیارت کا حال لکھا ہے۔

جبلہ

ساحل شام پر ایک خوشنما قصبہ۔ 17ھ میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا تھا۔ مشہور بزرگ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا مزار اسی قصبہ میں ہے۔

یراب

دمشق کے قریب ایک سیاہ پہاڑی پر یہ ایک گاؤں واقع ہے۔ جامع مسجد کے حجرے میں حضرت مریمؑ کی والدہ مدفون ہیں۔

قادسیون (M+Casius)

دمشق شہر شمالی پہاڑ اب ایک محلہ اس پر آباد ہے۔ اس کے دامن میں "مغارۃ الدم" ہے۔ جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا اور یہ دنیا کا پہلا قتل تھا۔

تدمر یا پالمیرا (Palmyra)

صحرائے شام کا ایک قدیم شہر جس کے آثار قدیمہ آج بھی موجود ہیں۔ اس کی اکثر عمارات حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے زمانے کی بتائی جاتی ہیں۔ یہ موجود شہر حمص کے قریب واقع ہے۔ اس شہر کی ملکہ رینو بیا نے رومی سلطنت کے خلاف بغاوت کر کے خودمختاری کا اعلان کیا تھا۔ بعدازاں رومی شہنشاہ اسے گرفتار کر کے رومہ لے گیا تھا۔

قنسرین (Chalsic)

اس شہر کے نام پر ہی یہ پورا دبہ موسوم ہے۔ اس کے قلعے کو یزید نے امام حسینؓ کی شہادت کے وقت منہدم کرا دیا تھا۔ یہاں حضرت صالحؑ کا مزار واقع ہے۔ شہر ویران ہو چکا ہے اور اس کے کھنڈرات اور محلات آج بھی لوگوں کے لیے نظارہ عبرت ہیں۔

رام اللہ

عرب مورخین نے لکھا ہے کہ یہ شہر خلیفہ بنوامیہ سلیمان بن عبدالملک نے تعمیر کرایا تھا اور جامع دمشق کے مقابلے کی ایک خوبصورت مسجد یہاں تعمیر کی تھی۔ ابن بطوطہ اسے جامع ابیض کا نام دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس مسجد میں قبلہ رو وہ مقام ہے جہاں تین سو پیغمبروں کی قبور ہیں۔ اس کے قریب ہی حضرت صالح علیہ السلام کا مزار واقع ہے۔

حبرون

بیت المقدس سے چھ فرسنگ جنوب کی طرف واقع ہے۔ عرب اسے مشہد خلیل کہتے ہیں۔ اس شہر کی جامع مسجد کے نیچے ایک غار میں حضرت مریمؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی قبور ہیں۔ یہ قبریں ایک قطار میں بنی ہوئی ہیں اور

ہر صاحب قبر کے برابر ان کی بیوی کی قبر ہے۔ ہر قبر کا درمیانی فاصلہ دس دس ہاتھ ہے۔ مسجد کی چار دیواری کے باہر ایک غار میں حضرت یوسفؑ کا مقبرہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی نسبت مہمان نوازی کو جاری رکھنے کے لیے یہاں زائرین کے مفت قیام وطعام کے لے ایک مسافر خانہ ہے جس کے اخراجات جیسا کہ پہلے ذکر آیا تھا صحابی رسولؐ حضرت تمیم داریؓ اور والی گرجستان العادل کے اوقاف سے پورے کیے جاتے ہیں۔ روایت ہے کہ اس حرم ابراہیم کی زمین حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی حضرت سارہ کے انتقال پر خریدی تھی۔ خود حضرت ابراہیمؑ کی قبر کے گرد جو احاطہ ہے وہ وحی الٰہی کے ذریعے حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کرایا تھا۔ یہودیوں نے جنگ 1967ء کے بعد حرم خلیل کو عجائب گھر میں تبدیل کر دیا ہے۔ بعض روایات کے مطابق اس حرم میں ستر ہزار انبیائے کرام مدفون ہیں۔

مزار حضرت موسیٰؑ

بیت المقدس سے پچیس میل جانب شمال میں حضرت موسیٰؑ کا مزار واقع ہے۔ یہاں اس مزار پر مقبرہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے تعمیر کرایا تھا۔ صلاح الدین کے عہد میں ماہ محرم میں مزار سیدنا موسیٰؑ پر ہفتہ بھر تک میلہ لگتا تھا۔ معراج شریف کی روایات میں ایک میں یہ ذکر ملتا ہے کہ معراج کی شب آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰؑ کو یروشلم کی طرف براق پر سوار کرتے ہوئے ان کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا۔

طبریہ

یہاں حضرت ابو ہریرہؓ اور لقمان حکیمؒ کے مزارات ہیں۔ مسجد انبیاء ہے۔ ایسے ستر پیغمبر یہاں مدفون ہیں جنھیں بنی اسرائیل نے شہید کیا تھا۔ بعض محققین حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی قبر بھی یہیں بتاتے ہیں۔

کفر کنا

حضرت یونسؑ، ان کے والد یا بعض محققین کے نزدیک ان کے بیٹے کی قبور یہاں ہیں۔ یہ گاؤں عکہ کے قریب واقع ہے۔

اعبلین

یہاں حضرت ہودؑ اور حضرت عزیرؑ کے مقبرے ہیں۔ یہ اردن کے جنوب میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔

عورتا

نابلس سے بیت المقدس جانے والی شاہراہ پر ایک چھوٹا سا قصبہ عورتا واقع ہے یہاں حضرت یوشع بن نونؑ اور حضرت ہارونؑ کے ابن عم مفضل کی قبور ہیں۔ یہ ایک غار میں واقع ہی۔ اس کے علاوہ یہاں ستر مزید انبیا کی قبریں ہیں۔

اعبرہ

اس مقام کا نام ہے۔اس مقام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا۔

بردہ

اس مقام پر حضرت عیش و حضرت شمعونؑ کی قبریں ہیں غرضیکہ ارض مقدس کے گوشے گوشے میں انبیائے کرام کے مدفن موجود ہیں۔

دیرالتجلی

طبریہ اور اعجلون کے درمیان جبل طور پر وہ مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ کی صورت اپنے حواریوں کے روبرو تجلی الٰہی میں بدل گئی تھی۔اسی بنا پر اس مقام کو دیر تجلی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

دیر طور سینا

صحرائے سینا میں طور سینا کی چوٹی پر واقع یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰؑ کو نبوت عطا ہوئی تھی اور انھوں نے ہوش کھو دینے سے پہلے تجلی الٰہی کو دیکھا تھا۔

داموِن

عکہ سے تین میل مشرق میں واقع یہ ایک چھوٹا سا غار ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا تابوت ہے۔بعض روایات کے مطابق حضرت ذوالکفل علیہ السلام حضرت ایوبؑ کے صاحب زادے تھے۔

غزہ

یہ ساحل فلسطین کا مشہور مقام ہے۔یہاں نبی کریم کے ﷺ پردادا حضرت ہاشم بن عبد مناف کی قبر ہے۔یہی قصبہ امام محمد بن ادریس الشافعی کی ولادت گاہ ہے۔اس قصبے میں حضرت عمرؓ کی ایک یادگار بھی قائم ہے۔بائبل کے فوق الفطرت سورما سیمسن نے اسی شہر میں اپنے زور بازو سے دیوتا داگون کا مندر گرا کر فلستی بادشاہ اور اس کے درباریوں کو ہلاک کر دیا تھا اور خود بھی ہلاک ہو گیا تھا۔1949ء میں عربوں اور یہودیوں کی عارضی صلح کے دوران یہ شہر مصر کے زیر انتظام دے دیا گیا تھا۔نومبر 1956ء کی جنگ میں اسرائیل نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا اور خالی بھی کر دیا تھا مگر 1967ء کی جنگ کے بعد یہ اسرائیل کے ہی قبضہ میں تھا۔1994ء میں یہ علاقہ فلسطین کی عملداری میں دے دیا گیا۔

حظیرہ

اعبلین سے جنوب کی سمت میں ایک گاؤں ہے۔ یہاں ایک چشمہ کے کنارے ایک مسجد میں حضرت شعیبؑ اور ان کی صاحب زادی حضرت صفوراہ، زوجہ حضرت موسیٰ کی قبریں بتائی جاتی ہیں۔ یادرہے کہ ارض مقدس میں کئی مقامات پر ایسی قبور واقع ہیں جو ان کے نام سے منسوب ہیں۔

حلحول

حضرت یونسؑ کا مزار بھی کئی مقامات پر بتایا جاتا ہے۔ حلحول بیت المقدس اور حمرون کے درمیان واقع ہے۔ حضرت یونسؑ کی والد کی قبر بھی قریب کے ایک گاؤں اجر میں بتائی جاتی ہے۔

حطین

یہ وہی مقام ہے جہاں 1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کو شکست فاش دی تھی۔ حطین، عکہ اور طبریہ کے درمیان، طبریہ سے 2 فرسخ یا 6 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہاں اپنی فتح کی یادگار کے طور پر "قبۃ النصر" کے نام سے ایک برج تعمیر کرایا تھا۔ اس کے قریب ایک گاؤں خیارہ میں حضرت شعیبؑ کی قبر بتائی جاتی ہے۔

اربد یا اربل

اس قصبے میں حضرت یعقوبؑ کے چار بیٹوں اور حضرت موسیٰ کی والدہ کی قبور ہیں۔

کابول

ساحل فلسطین پر ایک قصبہ یہاں حضرت ایوبؑ کے دو بیٹوں روبین اور شمعون کے مدفون ہیں۔

کفر بریک

مشہد خلیل اللہ کے قریب ایک گاؤں ہے جہاں حضرت لوطؑ مدفون ہیں۔ یہاں کی پرانی مسجد میں ایک غار ہے جس میں ساٹھ انبیائے کرام کا مدفن بتایا جاتا ہے۔

کفر مندہ

اس کو مدین بھی کہتے ہیں۔ یہاں حضرت موسیٰ کی بیوی حضرت صفورہ کی زیارت گاہ ہے اور وہ حجرہ ابھی تک اس چٹان سے ڈھکا ہوا ہے جو حضرت موسیٰ نے اپنی بیوی کو بکریوں کو پانی پینے کے لیے اٹھادی تھی۔ حضرت یعقوبؑ کے دو بیٹوں آشر اور نفتالی بھی اسی گاؤں میں مدفون ہیں۔

قیصریہ

رملہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ساحل بحر روم پر نہایت مستحکم قلعہ ہے۔ اسے عہد فاروقی میں حضرت امیر معاویہؓ نے فتح کیا تھا۔ یہ ایک خوبصورت شہر ہے۔

الکرک

بحر قلزم پر بیت القدس اور ایلہ (ایلات) کے راستے میں واقع ہے۔ اس سے ایک منزل کے فاصلے پر موتہ واقع ہے جہاں حضرت جعفر طیارؓ اور ان کے ساتھیوں کی قبور ہیں جنھوں نے جنگ موتہ میں شہادت پائی تھی۔

قصر حضرت یعقوبؑ

یہ جگہ طبریہ سے بایناس جانے والے روڈ پر واقع ہے۔ اس مقام پر حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ کے گم ہو جانے کے بعد رہتے تھے اور ان کی جدائی میں آنسو بہاتے تھے۔

اللجون

یہ وہ شہر ہے جہاں مسجد ابراہیمؑ واقع ہے۔ یہ مسجد ایک بڑے پتھر پر بنی ہوئی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کہ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے عصا مارا تھا جس سے فوراً پانی پھوٹ نکلا تھا۔ یہ چشمہ فیضان حضرت ابراہیمؑ سے آج تک جاری ہے۔

لاوی

بیت المقدس اور نابلوس کے درمیان واقع ایک گاؤں یہاں لاوی بن یعقوبؑ کی قبر ہے۔

طویٰ

یہ وہ مقدس وادی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا تھا۔ یہ طور سینا کے قریب واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بعد حضرت موسیٰؑ فرعون کے پاس بھیجے گئے تھے۔

مسجد الیقین

حبرون سے قریباً 6 میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جس پر ابوبکر السباحی کی بنی ہوئی ایک مسجد ہے جسے مسجد الیقین کہتے ہیں۔ اس مسجد میں حضرت ابراہیم کی بستر گاہ ہے۔ روایت ہے کہ حضرت لوطؑ نے اس جگہ سے جب بلاد لوط یعنی سدروم کو جلتے ہوئے دیکھا تھا تو فرمایا تھا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ الیقین (یعنی خدا) کا وعدہ سچا ہے''

مسجد الیقین کے باہر ایک قبر ہے جو حضرت فاطمہ بن حضرت حسن بن حضرت علی بن ابی طالب کی بتائی جاتی ہے۔

عکہ (Akka)

عبرانی زبان میں اس کو عکو کہتے ہیں۔ یہ ساحل سمندر پر واقع ہے یہاں حضرت صالحؑ کا مزار بیان کیا جاتا ہے۔اس مقبرے اور مسجد کے صحن میں ایک ٹکڑہ زمین ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم کی کھیتی باڑی کی جگہ ہے۔یہاں ایک چشمہ ہے جسے عین البقرہ کہا جاتا ہے کہ اسے حضرت آدمؑ نے نکالا تھا۔

عکہ حیفا کے بالمقابل خلیج عکہ میں ایک بندرگاہ ہے۔بائبل میں اس عکو کہا گیا ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے متبرک مقامات

کلیسائے مزار مقدس

مزار مقدس (Holy Sepulchre) کے صحیح مقام کے تعین میں عیسائی محققین میں ہمیشہ اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ انجیل شریف کے آغاز میں بتایا گیا ہے کہ یوسف ارمیاہ کا مزار کیلویری (قربان گاہ) جسے گلگتا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کے قریب واقع تھا۔ اس سے ملحقہ ایک بڑی شاہراہ تھی وہ مزار فصیل یروشلم کی باہری جانب واقع تھا۔ یہ خیال بھی کیا جاتا ہے کہ شاید زیادہ فاصلے پر واقع نہیں تھا اور فصیل کے انتہائی قریب تھا کیونکہ ماضی میں ایسے ہی مقامات پر مجرموں کو سولی دی جاتی تھی یا مصلوب کیا جاتا تھا۔ بہر حال یہ امر بھی متنازعہ ہے کہ یہ شہر کے کون سے رخ پر واقع تھا؟ اس کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ کب اس مزار کو بے نشان کر دیا گیا تھا؟ مسیحی علماء میں اس پر بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا مزار مقدس پر کلیسا کرنا ایک جائز اقدام تھا؟ اور کیا اس کی تعمیر سے اس جگہ کی تقدیس میں کوئی کمی واقع ہوئی تھی؟ بہر حال یہ تمام مسائل خود عیسائیوں میں باعث نزاع ہیں۔

336ء میں رومی شہنشاہ قسطنطین کی والدہ ہیلینا نے اپنی عقیدت کی بنا پر کسی مفروضہ جگہ پر ایک شاندار کلیسا تعمیر کرایا تھا۔ محققین نے لکھا ہے کہ چونکہ قسطنطین کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے کے قریب کا زمانہ تھا اس لیے یہ کلیسا تحقیق کے بعد ہی بنوایا گیا ہوگا۔ اس لیے اس جگہ کو صحیح تسلیم کرنا چاہیے۔ اس کلیسا کی عمارت میں 1099ء میں صلیبیوں نے جو ترامیم کی تھیں وہ بھی قائم ہیں۔ کلیسا کے مزار مقدس دراصل عمارتوں کے ایک مجموعے کا نام ہے۔ ان عمارتوں میں مختلف زمانوں کی قربان گاہیں ہیں۔ ان کے علاوہ یونانی، لاطینی اور ارمنی فرقوں کے تعمیر کردہ گرجا گھر ہیں۔ ان کی چھتوں کے نیچے شامیوں، قبطیوں اور میرونیوں کی جدا جدا عبادت گاہیں ہیں۔ یہاں مذہبی تبرکات کا ایک میوزیم بھی قائم ہے جس میں حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کی متبرک اشیا رکھی ہوئی ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے مزار کا صحیح مقام قسطنطین کے گرجے کے گنبد کے عین نیچے ہے۔ مسیحی زائر کثرت سے اس گرجے کی زیارت کرتے ہیں اور جب بہت زیادہ زائر جمع ہو جاتے ہیں تو پچاس پچاس کی ٹکڑیوں میں دروازے کے اندر جاتے ہیں اور دہلیز پر پاؤں رکھتے ہیں۔

فوراً سجدہ ریز ہوجاتے ہیں اور گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل چل کر کلیسا میں داخل ہوتے ہیں۔ کلیسا کے فرش کو اپنے آنسوؤں سے تر کرتے ہیں اور چومتے ہیں۔

کلیسائے مزار مقدس

کلیسائے مزار مقدس ایک طرح سے ایک ایسا عمارتی مجموعہ ہے جو الجھن میں ڈال دیتا ہے۔ ان عمارتوں کو سمجھنا ذرا مشکل ہے۔ اصل کلیسا گولائی میں بنا ہوا ہے اور اس کے وسط میں مفروضہ مزار مقدس ہے۔ اسی میں سے گزر کر صلیبیوں کے بڑے سماع خانے تک جاتے ہیں۔ اس کے گرداگرد گرجے اس طرح سے بنے ہوئے ہیں کہ بحیثیت مجموعی ایک عمارتی گچھا نظر آتے ہیں۔ ان سے تھوڑے فاصلے پر باقی گرجوں سے 14 فٹ بلند ایک چیپل (Chaple) ہے جو مقدس پہاڑی گلگتا پر بنا ہوا ہے۔ اس سے ایک اور گرجا ملحقہ ہے اور ایک اور چیپل اس کی پشت پر ہے۔ یہ سماع خانہ ہے۔ اسے سینٹ ہیلینا کا گرجا بھی کہتے ہیں۔ اس کے اندر کچھ سیڑھیاں نیچے اتر کر پہاڑی ذخیرہ آب ہے۔ یہ وہ جگہ بتائی جاتی ہے جہاں قسطنطین کی والدہ نے صلیب دریافت کی تھی۔ کلیسائے زار مقدس کی تعمیر دو بڑے اہم مقامات پر ہوئی ہے۔ ایک گلگتا کی پہاڑی اور دوسرے یوسف ارمیا کا روضہ ہے جو اسی جگہ پر ہے جہاں سولی دی گئی تھی۔

جدید زمانے میں زائر یا سیاح پر ان کلیساؤں میں موجود کہنگی اور تاریکی کا بڑا اثر پڑتا۔ یہاں کچھ زمانے پہلے تک اتنی تاریکی ہوتی تھی کہ کوئی شخص بغیر ٹارچ کے انھیں طے نہیں کرسکتا تھا۔۔ اس میں استعمال شدہ لکڑی، پتھر اور لوہے سے حد درجہ قدامت ظاہر ہوتی تھی۔ سنگ مرمر اور دیگر پتھروں تک میں دراڑیں پڑ گئیں۔ یہی حال دوسری اشیا کا تھا۔ یہ کلیسا ایک طرح کی بھول بھلیاں ہے جہاں بغیر گائیڈ کے آدمی کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے نیچے کئی غار اور کئی سرنگ نما مقامات آتے ہیں۔ انھیں زمین دوز مقامات ہی کہا جاسکتا ہے کیونکہ یہ اصل فرش زمین سے نیچے ہیں۔

اس کلیسا میں جو نقاشی کی گئی ہے وہ مشرقی طرز کی ہے جس پر موجودہ زمانے کی عیسائی نقاد نکتہ چینی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایسی جگہ ہے جہاں شعور اور بے شعوری یکجا مخلوط ہے۔ ایک قیمتی عشائے ربانی کا جام جو کسی شہنشاہ کی طرف سے تحفہ ہے آرائشی سامان کے ساتھ رکھا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی کرسمس ٹری کو اتار کر ایک طرف رکھ دیا ہے۔ ان کے علاوہ طلائی، جھاڑ فانوس اور شمع دان وغیرہ یوں پڑے ہوتے تھے جیسے کسی جوہری کی دکان میں سامان بھرا ہوا ہو۔ اس کلیسا کے دو حصہ ہیں جنھیں رفع صلیب (Raising Cross) اور قیام صلیب (Nailing of the Cross) کہتے ہیں۔ یہ الگ الگ چیپل ہیں۔

ان کے پاس ہی قربان گاہ ہے جہاں چاندی کا ایک ٹکڑا جڑا ہوا ہے۔ اس کے کناروں پر موم بتیوں سے پگھلنے والا موم جما ہوا ہے۔ یہاں موجود ایک پادری زائروں کو بتاتا ہے کہ اس کے نیچے حضرت عیسٰیؑ کی صلیب تھی۔ یہ سن کر زائر

رونے اور گڑگڑانے لگتا ہے اور روتے روتے دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ اس چاندی کے ٹکڑے میں ایک سوراخ ہے جس میں سے ہر زائر اس متبرک چٹان کو چھوتا ہے۔

سینٹ ہیلینا کے چیپل کا نام خانہ گرجائے صلیب مقدس بھی ہے۔ یہ سینٹ ہیلینا نے چوتھی صدی عیسوی میں تعمیر کرایا تھا۔ اسی وقت سے مسیحیوں کو یقین ہے کہ اصلی صلیب اسی مقام سے ملی تھی۔ یہ سنگ خارا کا بنا ہوا ہے۔

کلیسائے مزار مقدس ایک مرتبہ نذر آتش ہو چکا ہے اور اسے یونانیوں نے 1810ء میں دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ کلیسائے مزار مقدس میں مسیحیوں کے تینوں بڑے فرقے یعنی کیتھولک، مشرقی کلیسا اور قبطی بیک وقت عبادت کرتے ہیں۔ عیسائیوں کا ایک فرقہ فرانسکن ہے جو خانہ گرجا میں بغیر سماع وسرود کے سادگی سے عبادت کرتا ہے جبکہ اور گروہ بھجن گا کر عبادت کرتے ہیں۔ یہ تینوں مل کر مزار مقدس کا طواف کرتے ہیں۔

کلیسائے مزار مقدس میں ملکیتوں کی تقسیم

کلیسائے مزار مقدس مختلف مسیحی فرقوں کی ملکیتوں میں تقسیم ہے اور یہاں کی زیارتیں چھ مختلف گرجاؤں میں منقسم ہیں۔ مثلاً مشرقی آرتھوڈکس یعنی مقلد، ارمنی، قبطی، شامی، حبشی اور عربی مقلد ہیں۔ آخرالذکر کی نمائندگی کیتھولک یعنی اہل رومہ کرتے ہیں جنھوں نے صلیبی جنگوں کے زمانے میں ان کی حفاظت فرانسکین کے سپرد کردی تھی۔ فلسطین میں ان کے بڑے پادری کو فادر کسٹوڈین کہتے ہیں۔ ملکیت کی یہ فرقاوارانہ تقسیم اس وقت سے جاری ہے جب سے سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو صلیبیوں سے آزاد کرایا تھا۔ اس سے پہلے یہ سب کچھ صلیبیوں کے قبضے میں تھا۔

روضہ مسیحؑ

یہ ایک چھوٹی سی مرمریں کوٹھڑی ہے جو آٹھ فٹ طویل اور چھ فٹ میں کشادہ ہے۔ اس چھوٹی سی جگہ میں ایک وقت میں دو تین سے زیادہ آدمی داخل نہیں ہو سکتے۔ اس کوٹھڑی میں دائیں جانب ایک سنگ مرمر کی تین فٹ اونچی سل سیدھی کھڑی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کو مصلوب کیے جانے کے بعد اسی سل پر لٹایا گیا تھا۔ یاد رہے کہ مسلمان تو حضرت مسیحؑ کے صلیب دیے جانے کے قائل ہی نہیں ہیں۔ اس چھوٹے سے تنگ کمرے میں یونانی، لاطینی اور ارمنی کلیساؤں کی طرف سے مرصع شمع دان لٹکے ہوئے ہیں۔ فلسطین میں رومن کیتھولک فرقے کو لاطینی کہتے ہیں۔ اس ایستادہ سل کے ساتھ ایک پادری کھڑا رہتا ہے جو موم بتیوں کا ایک بنڈل تھامے ہوئے رہتا ہے۔ یہ پادی ہر زائر کو ایک موم بتی دیتا ہے تاکہ وہ اندر جا کر اسے قندیل میں لگا دے۔ بعض زائر یہاں قندیل میں جلنے والے تیل سے اپنی پیشانی پر ٹیکہ بھی لگواتے ہیں۔ مارکو پولو کے سفرنامے میں قبلائی خان کو اسی مزار مقدس میں جلنے والے تیل کا تحفہ دیے جانے کا ذکر کیا گیا

ہے۔اس کوٹھڑی میں مسیحی زائر اس سل اور قبر سے چمٹ کر روتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں۔

صلیب گاہ گولگتا

گلگتا یا گول گوتھ عبرانی لفظ ہے جو صلیب گاہ کا قائم مقام ہے۔آرامی زبان میں اس کے معنی کھوپڑی یا کاسہ سر کے ہیں۔کھوپڑی انسانی چہرے کو بغیر گوشت پوست کے کہتے ہیں۔ محققین نے اس نام کی کئی وجوہات تسمیہ بیان کی ہیں۔ایک وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یروشلم کے باہر شمال مغربی جانب ایک ایسی چٹان ہے جو انسانی کھوپڑی کی ہم شکل ہے۔یہ پہاڑی ماہی پشت ہے اور بے آب وگیاہ ہے۔قدیم زمانے میں اس پہاڑی پر مجرموں کو مصلوب کیا جاتا تھا یا جلاد یہاں مجرموں کی گردنیں مار کر کھوپڑیوں کے ڈھیر لگادیتے تھے۔

ہیکل سلیمانی

اگر ہیکل سلیمانی کا ذکر نہ کیا جائے تو یروشلم کا تذکرہ کبھی مکمل نہیں ہو پاتا۔ یہ شہر اور ماضی کی یہ عمارت لازم ملزوم چلے آتے ہیں۔ محققین نے لکھا ہے کہ اس معبد یا ہیکل کا طرز تعمیر اس زمانے کے شامی اور کنعانی معبدوں جیسا تھا۔ اس کی تعمیر الصور کے ہنرمندوں کے ہاتھ سے ہوئی البتہ اس کی تعمیر کے لیے جو اہتمام کیے گئے وہ دنیا کی کسی اور عمارت کی تعمیر میں نہیں کیے گئے۔ اپنی طرز تعمیر میں یہ شامی شاہی طرز تعمیر کا مخصوص نمونہ تھا۔ اس کی تعمیر کے لیے حضرت سلیمانؑ نے 183000 یہودی اور کنعانی باشندے مامور کیے تھے۔ ان میں سے تیس ہزار یہودی ایسے تھے جو دس دس ہزار کی ٹولیوں میں کام کرتے تھے۔ باقی 153000 غیر یہودی کنعانی سخت قسم کے کام اور مزدوری کرتے تھے۔ ان میں سے اسی ہزار درخت کاٹ کر بھاری شہتیر اور عمارتی لکڑی لانے پر مامور تھے۔ ستر ہزار بوجھ اٹھانے والے سامان تعمیر ساحل سمندر سے یروشلم پہنچانے پر مامور تھے۔ معماری یہودی کرتے تھے۔ معماروں کی نگرانی کے لیے 3600 نگران ملازم تھے۔ ہیکل کی عمارت کی بیرونی دیوار کا ہر ضلع 600 فٹ طویل تھا گویا اس مربع کے احاطہ کا رقبہ 36000 فٹ تھا۔ اس عمارت میں عبادت گاہ یا ہیکل کے لیے نسبتاً کم جگہ تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ عام عبادت گذار ہیکل کی عمارت میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ قربانیاں بھی بیرونی حاطہ میں ہی پیش کی جاتی تھیں۔ عبادت گاہ بذات خود بہت چھوٹی اور تین حصوں پر مشتمل تھی۔ مغربی سمت میں ڈیوڑھی (اولام) اس کے آگے ہیکل اور پھر زینے سے کچھ اوپر خانہ اقدس تھا جہاں تابوت سکینہ کو رکھا گیا تھا۔ یہ خانہ اقدس نیلے، قرمزی اور ارغوانی رنگ کے سوتی پردوں سے ڈھا ہوا تھا۔ ہیکل کے فرنیچر کی تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ یروشلم کے یہودی مذہب نے مشرق قریب کے روحانی مزاج کی بھرپور تسکین کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ صندوق سکینہ کے علاوہ ہیکل میں خروج کی علامت کے طور پر کوئی چیز نہیں تھی۔ بائبل سے پتہ چلتا ہے کہ ہیکل میں دو بڑے طلائی شمع دان تھے۔ ان کے ساتھ سونے کی ایک میز تھی جس پر نذر کی روٹیاں رکھی جاتی تھیں۔ دیودار کی لکڑی سے بنے ہوئے بخوردان پر

سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے۔ کانسی کا ایک مصنوعی سانپ تھا جو دراصل ایک عصا تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ اس سے طاعون کے مریضوں کا علاج کیا کرتے تھے۔ ڈیوڑھی یا اولام کے داخلے پر کھلے ستون ایستادہ تھے۔ دائیں ستون کا ام "یاکن" اور بائیں کا نام "بوعز" تھا کھلے صحن میں پیتل کا ایک مذبح اور ایک بڑا سا حوض تھا۔ اس کے نیچے بیلوں کی جوڑیوں کے چھ جوڑے تھے یعنی بارہ بیلوں کی مورتیاں۔ یہ "یم" اور ابتدائی سمندر کی علامت تھے۔ معبد کی دیواریں اندر اور باہر دونوں طرف سے نقش ونگار سے مزین تھیں۔ ان پر فرشتوں، کھجور کے درختوں اور پھولوں کی تصاویر کندہ تھیں۔ یہ کندہ کاری شامی اثرات کو ظاہر کرتی تھیں۔ پیتل کا حوض شام کے دیوتا یم کی نہر عفریت سے لڑائی کی یاد دلاتا تھا۔ بیل کو زرخیزی اور الوہیت کا نشان سمجھا جاتا تھا جبکہ یاکن اور بوعز نامی ستون کنعان کے کھڑے پتھروں کی نقل تھے۔ بائبل میں عبرانی تقویم کی بجائے کنعانی تقویم کے ذکر کے ساتھ معبد کی تعمیر کی تفصیلات دی گئی ہیں۔ یاد رہے کہ کنعانی تقویم جس مہینے سے شروع ہوتی تھی وہ "ایتھانیم" کہلاتا تھا اور آج کل کے ستمبر اکتوبر کا ہم سر تھا۔ اسی مہینے میں کنعانی بل دیوتا کا موسم خزاں کا جشن منعقد کرتے تھے اس شان وشوکت کے ساتھ جب ہیکل تعمیر ہوا تو پھر اس کے خانہ اقدس یا الہام گاہ میں تابوت سکینہ اور خیمہ اجتماع کو فرشتوں کے بازوؤں کے عین نیچے رکھا گیا۔ تابوت سکینہ میں پتھر کی دو لوحیں تھیں جنھیں حضرت موسیٰ مصر سے لائے تھے اور بعض بزرگ پیغمبروں کے دیگر تبرکات بھی تھے۔ ہیکل کے افتتاح کے موقع پر حضرت سلیمانؑ نے جو مناجات پڑھیں وہ بہت سی پیشین گوئیوں کی حامل تھیں۔ مناجات کے بعد بائیس ہزار بیل اور ایک لاکھ بیس ہزار بھیڑیں قربان کی گئی اور چودہ دن تک عید یا جشن منایا گیا مگر صرف پانچ سو سال کے بعد بخت نصر نے ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اس کے خزانوں کو لوٹ کر اپنے ساتھ بابل لے گیا۔

زربابل کی تعمیر کردہ ہیکل

بابل کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی اور بربادی کے ساتھ ہی ہیکل سلیمانی کا وجود بھی مٹ گیا۔ اس میں عبادت کرنے والے غلام بنا کر بابل لے جائے گئے مگر تقریباً ستر سال بعد شاہ ایران نے بابل کی فتح کے بعد انھیں آزاد کردیا اور واپس فلسطین بھجوانے کا انتظام بھی کردیا بلکہ ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر کے لیے ان کی مدد کی۔ یہودیوں نے ہیکل سلیمانی کی پرانی بنیادوں پر ہیکل دوبارہ تعمیر کرنا شروع کردی۔ یہ ہیکل سلیمانی کے رقبے سے بقدر ایک ثلث بڑا تھا۔ گویا یہ رقبے میں 480000 مربع گز تھا اور اس کے اضلاع 600x800 تھے مگر مورخین نے اس کی کوئی واضح کیفیت بیان نہیں کی۔

زربابل نامی ایک شخص کو ریاست یہوداہ میں شاہ ایران دارا اعظم کی طرف سے ناظم مقرر کیا گیا۔ 520 ق م کے موسم خزاں میں اس دوسرے ہیکل کی بنیادیں رکھی گئیں۔ راہنمائی کے لیے کچھ عمر رسیدہ افراد کو متعین کیا گیا کہ انھیں

معبد سلیمانی کی شان و شوکت اچھی طرح یاد تھی اس لیے ہیکل کے صدر دروازے میں داخل ہونے پر جو مقدس جگہ تھی وہ ساٹھ فٹ طویل اور تیس فٹ کشادہ تھی۔ اس کی اونچائی 45 فٹ تھی۔ اس کے چاروں جانب سبک کھڑکیاں (جالی دار) بغرض روشنی قطار اندر قطار رکھی گئی تھیں۔ پرانے نقشے سے انحراف نہ کرتے ہوئے یہ ہیکل بھی تین حصوں پر مشتمل تھا یعنی غلام (ڈیوڑھی) ہیکل اور خانہ اقدس یا الہام گاہ البتہ اب اسے ایک پتھریلی دیوار کے ذریعے شہر سے الگ کر دیا گیا تھا۔ البتہ اس تعمیر نو میں سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ خانہ اقدس کی تعمیر کے باوجود یہ خالی تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی تابوت سکینہ غائب ہو چکا تھا اور اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ دوسرا بڑا مسئلہ یہ تھا کہ شاہ ایران نے یہودیوں کو ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت تو دے دی تھی مگر وہ یروشلم کے گرد حفاظتی فصیل تعمیر نہیں کر سکتے تھے۔ اس مرتبہ ہیکل نے تقریباً 350 سال سے زائد عمر پائی۔ یہ ہیکل جو ہیکل زر بابلی بھی کہلاتا تھا 170 ق م میں یہ انطوکس نامی یونانی حکمران کے ہاتھوں لوٹا گیا اور تباہ کر دیا گیا۔ انطوکس نے ہیکل کے خزانے، سونے کی قربان گاہ، شمع دان، خانہ اقدس کا پردہ، سونے چاندی کے برتن جو کچھ بھی اس کے ہاتھ لگا لوٹ کر لے گیا۔

ہیکل ہیرودیسی

23 ق م کے بعد بیت المقدس ایک ممتاز اور پروقار شہر میں تبدیل ہو گیا۔ اس پر ہیرودیس اعظم نامی یہودی کی حکومت تھی۔ 19 ق م کے قریب ہیرودیس نے ہیکل کو پھر سے تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ لوگ اس کے اس فیصلے سے پریشان تھے کیونکہ معبد کی پرانی عمارت ابھی موجود تھی۔ وہ سوچتے تھے کہ کیا بادشاہ موجودہ عمارت کو مسمار کرا دے گا؟ اور کیا اس کے پاس اس نئے ہیکل کی تعمیر کے لیے خزانے موجود ہیں۔ سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ ہیکل کا نقشہ تو الہامی تھا اور حضرت داؤد و سلیمانؑ کو بتایا گیا تھا۔ ہیرودیس اپنی تعمیرات میں جدت پسند تھا۔ اس لیے لوگ یہ سوچتے تھے کہ کیا ہیرود الہامی نقشے کا احترام کرے گا؟ ہیرودیس نے یہودیوں کے خدشات کو بڑی ذہانت سے دور کیا اور ہیکل کی تعمیر کا کام اس وقت تک شروع نہ کرایا جب تک تمام سامان تعمیر اکٹھا نہ کر لیا۔ پھر اس نے بڑی احتیاط سے پرانی عمارت کی بنیادوں کا سراغ لگایا۔ کاہنوں سے الہامی نقشے کی تفصیلات معلوم کیں اور لوگوں کو یقین دلایا کہ وہ غیر یہودی افراد کو اس تعمیری کام میں شریک نہیں کرے گا۔ اس کے لیے اس نے تقریباً 1000 کاہنوں کو معماری کی تربیت دلائی۔ اسی طرح دیگر دستکاروں کی تربیت راسخ العقیدہ یہودیوں کو دلوائی گئی تاکہ تعمیر کا سارا کام یہودی ہی انجام دے سکیں۔ پھر تعمیر نو کا یہ کام صرف 18 ماہ میں مکمل کر لیا گیا۔ ہیرودیس ہیکل کی عمارت کے سائز اور شکل وصورت میں تو کوئی تبدیلی نہ کر سکا لیکن اس نے نئی عمارت نہایت خوشنما بنوائی اور دیواروں پر سنگ مرمر لگایا جو ایسا تھا کہ اس پر سرخی مائل اور نیلی لکیریں تھیں۔ ان لکیروں کی شبیہ سمندر جیسی تھی۔ اس نئی تعمیر میں ہیکل کی دروازوں پر سونے کے خوبصورت ورق نقوش و نگار بنا کر چسپاں کیے گئے۔ دروازوں پر انتہائی قیمتی

پردے آویزاں کیے گئے جن پر ارغوانی اور نیلے رنگوں اور اودے رنگ سے کشیدہ کاری سے سورج، چاند اور ستارے بنائے گئے تھے۔

اگر چہ معبد کی عمارت پرانے خطوط پر بنائے جانے کی وجہ سے پہلے ہی طرح چھوٹی تھی مگر اسے وسعت دینے کا شوق ہیرودیس نے اس معبد کا چبوترہ وسیع کر کے پورا کر لیا تھا مگر افسوس کہ ہیرودیس اپنے اس عظیم تعمیراتی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچتا نہ دیکھ سکا تاہم اس تعمیراتی کام میں مجموعی طور پر اٹھارہ ہزار محنت کشوں نے حصہ لیا۔ چونکہ یہ تعمیراتی کام کوہ صیہون کے کنارے سے باہر تک پھیل گیا تھا چنانچہ اسے دیو ہیکل ستونوں اور ٹیکوں اور پشتوں سے سہارا دیا گیا۔ ہیکل کا چبوترہ اب 135 ایکڑ میں پھیلا ہوا تھا اور اپنے اصل رقبے سے کئی گنا زیادہ رقبہ پر محیط تھا۔ یہودی مورخ جوزیفس کے بیان کے مطابق نئی معاون دیواریں اتنی عظیم تھیں کہ لوگوں نے ان کی عظمت کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ جن پتھروں سے یہ دیواریں بنائی گئی تھیں ان میں کچھ کا وزن دو سے پانچ ٹن کے درمیان تھا۔ آج جو "دیوار گریہ" کہلاتی ہے دراصل ہیکل ہیرودیس کی مغربی معاون دیوار ہے۔ اس ہیکل کے زائرین کو ہیکل کی زیارت پر آنے سے پہلے ایک عرصے تک جنسی اختلاط سے پرہیز کرنا پڑتا تھا۔ مگر یہ سب شان و شوکت کچھ زیادہ عمر نہ پا سکی۔ ابھی ہیکل زمانہ تعمیر میں تھا کہ 70ء میں طیطس رومی نے بیت المقدس پر حملہ کر کے 9 اگست 70ء بروز جمعہ کو اس ہیکل کو نذر آتش کر کے جڑ سے منہدم کر دیا اور اس کی زمین پر ہل چلا کر اس کا نشان تک مٹا دیا اور اس کی زمین کو ہموار کر دیا کہا جاتا ہے کہ اس تباہی میں خانہ اقدس کی مغربی دیوار ایستادہ رہی۔ اس مقام کے بارے میں یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ یہاں خدا آرام کیا کرتا تھا۔ یہودیوں کو اس دیوار کے قائم رہنے پر کچھ تسکین ضرور ملی تاہم یہ معمولی تسکین اس قیامت خیز سانحہ کا مداوا نہیں تھی۔ کوہ صیہون پر معبد اب محض ایک ملبے کے ڈھیر میں بدل چکا تھا۔ خانہ اقدس کی مغربی دیوار کے علاوہ صرف چبوترے کو سہارا دینے والی دیواریں ہی اس رومی حملے سے بچ پائی تھیں ہیکل کو زمین بوس کرنے کے بعد رومیوں نے پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا کر ایک بار پھر بخت نصر کے ہاتھوں انجام پانے والی تباہی کی یاد تازہ کر دی مگر اس بار ہیکل کی قسمت میں آئندہ کبھی تعمیر نہ ہونا بھی لکھا گیا تھا۔

یہودی عبادت گاہیں یا صومعے

70ء میں طیطس رومی کے ہاتھوں تباہی کا شکار ہونے کے بعد کوہ صیہون اور شہر کے بڑے حصے کو بھی چٹیل میدان میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس تباہی کے بعد یہودی قوم میں ہیکل کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کی ہمت مفقود ہو چکی تھی۔ اس لیے اب وہ عبادت خانے یا صومعے تعمیر کرنے لگے۔ یہودیوں کا عبادت کدہ عیسائیوں کے گرجوں سے مشابہت رکھتا ہے۔ 135ء میں بیت المقدس سے نکالے جانے کے بعد یورپ میں پہلا صومعہ Synagoge 1598 میں ایمسٹرڈیم کے مقام پر تعمیر کیا گیا تھا۔

135ء میں رومنوں نے پانچ لاکھ اسی ہزار یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور باغی یہودی راہنما برکوسبا یروشلم چھوڑنے پر مجبور ہو گیا وہ اپنے اخری قلعے بیت ار میں مارا گیا۔ ادھر یہودیوں کی روز روز کی بغاوتوں اور خون خرابے سے تنگ آ کر تمام یہودیوں یروشلم اور فلسطین سے جلاوطن کر دیا گیا اور یہودیوں کا داخلہ یروشلم اور فلسطین میں ممنوع کر دیا۔ جس کی وجہ سے اگلے دو ہزار سال تک قوم یہود دنیا میں در بدر پھرتی رہی۔ ادھر ہیڈریان کے احکامات کی بنیاد پر یروشلم کی بنیادوں پر ایک نیا شہر ایلیا کیپٹولینا تعمیر کر دیا گیا۔ کوہ صیہون پر جوپیٹر نامی رومی دیوتا کا مندر تعمیر کرنے کا اعلان ہیڈریان نے جان بوجھ کر دیا تھا مگر کسی سیاح نے کبھی بھی ہیرودیس کے تعمیر کردہ چبوترے پر کوئی مندر دیکھنے کا دعویٰ نہیں کیا کیونکہ اس پر کوئی مندر تعمیر ہی نہیں کیا گیا تھا۔ یہودیوں نے گھروں کو ایک اعتبار سے ہیکل کا نعم البدل قرار دے دیا اور انھیں چھوٹے معبودوں کو ''مقدس مائٹ'' کا نام دیا۔ یہودیوں کے گھروں میں کھانے کی میز قربان گاہ کا نعم البدل بن گئی اور کھانا قربانی کی رسم کی نقل قرار پایا۔

مسیحی حج یا زیارت بیت القدس

عیسائیوں کے ہاں مسلمانوں کے حج جیسا کوئی لفظ موجود نہیں صرف انگریزی زبان کا لفظ پلگریمج (Pilgrimage) ایک ایسا لفظ ہے جو حج اور زیارت دونوں کے معنی میں مستعمل ہے۔ فلسطین میں موجود مقامات متبرکہ کی زیارت کا سلسلہ مسیحی دنیا میں تیسری صدی میں شروع ہوا تھا۔ مسیحی دنیا میں سب سے متبرک وہ سفر خیال کیا جاتا تھا جو سینٹ ہیلینا نے اختیار کیا تھا۔ وہ رومہ سے بیت المقدس زیارت کے لیے گئی تھی۔ مسیحی مصنفین کے بقول اس ملکہ کو خواب میں بشارت پیہم ہوئی تھی کہ وہ بیت القدس جائے اور وہاں کی زمین کھدوا کر اصلی صلیب کو دریافت کرے جو اس نے اپنے تاریخی سفر کے بعد گلگتا کی پہاڑی پر کھدائی کروا کر برآمد کی تھی۔ اس کے بعد سے عیسائی دنیا جوق در جوق فلسطین کا سفر مسلسل اختیار کرتی رہی اور بڑے بڑے اجتماع بھی منعقد ہوئے۔

سینٹ ہیلینا کے بعد دوسرا مشہور سفر فرانس کے شہری بوردو کا ہے جو 333ء میں یروشلم پہنچنے پر اختتام پذیر ہوا۔ وہ فرانس کے شہر بوردو (Bordox) سے طولون، وادی دریائے رہون، وینس، میلان، ویرونا، صوفیہ، قسطنطنیہ، طارسس، اسکندریہ، الصور، عکا، قیصریہ، فلسطینیہ، یزرعیل، بیت شیان اور نابلوس ہوتا ہوا یروشلم پہنچا تھا۔ سینٹ جیروم کی دوشتی پولا نے یروشلم کی زیارت کی اور اس کے متعلق خط و کتابت بھی کی۔ چنانچہ جیروم کی افادیت سے اس تحریک کو بہت تقویت پہنچی اور اس کے بعد اتھریا اجیریا نے بھی زیارت کے لیے سفر کیا اور اپنا سفرنامہ بھی مرتب کیا۔ اس کے نتیجے میں اہل یورپ میں زیات کا شوق مزید بڑھا اور پانچویں صدی میں روز بروز زیادہ ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ سینٹ کتھلائڈس بشپ آف ٹورنٹو نے 680ء میں عین اس وقت یاترا کی جب حضرت امیر معاویہؓ کے بعد اس کے جانشین مسند خلافت پر بیٹھے تھے۔ 741ء میں ولیبلڈ بشت ایشنست نے زیارت کے لیے سفر کیا۔

بعض مسیحی صرف اتنے سفر پر اکتفا کرتے کہ وہ حضرت مسیح سے والہانہ عقیدت میں بیت المقدس اور بیت اللحم کی زیارت کرلیں۔ ایسے زائرین کی گذشتہ پندرہ صدیوں میں کبھی کمی نہیں رہی۔ آٹھویں صدی کے بعد تک بے شمار عیسائیوں نے سفری صعوبتیں برداشت کر کے دور دراز ملکوں سے فلسطین آ کر زیارتیں کیں۔ صلیبی جنگوں نے اس شوق

زیارت کو مزید بڑھادیا۔ انگلستان جیسے دور دراز جزیرے اور فرانس اٹلی اور جرمنی سے نہ صرف عوام بلکہ بادشاہوں اور معصوم بچے اور بچیوں نے بھی دیوانہ وار ارض فلسطین کا رخ کیا۔ انگلستان سے ملحقہ علاقوں مثلاً ویلز اور آئر لینڈ کے ہر سینٹ اور ولی نے یروشلم کی زیارت کے لیے سفر کیا۔ ان ایام میں روم میں بھی مقابلتاً زیادہ زائر پہنچے۔ اس کی وجہ محققین نے یہ بیان کی ہے کہ زیارتوں کے اعتبار سے رومہ سب مسیحی فرقوں کا مذہبی مرکز خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود ہر یورپی ملک سے بڑی تعداد میں زائر فلسطین بھی پہنچتے رہے۔ تیرھویں صدی سے ایسے زائرین کی تعداد میں کمی ہونا شروع ہوئی تاہم پھر بھی ایسے زائرین کی تعداد کافی رہی جنھوں نے صلیبی جنگوں میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ 1000ء سے روسی مسیحی بھی یروشلم آنے لگے۔ راہبوں کے خانقاہوں کے صدر دانیال نے 1107ء کا ایسٹر بیت المقدس میں گزارا۔ اس نے یہ سفر براہ راست قسطنطنیہ، ابیدوس، سنادوس، متی لین، چیوس، افیسس، ساموس، پٹموس، رہوڈز، پتارا، قبرص سے یافا تک کیا تھا۔ اس نے وہاں قبر مریم کی زیارت بھی کی اور پاکیزہ آگ بھی دیکھی۔

باوجود اس کے خود اٹلی میں رومہ اور کئی دیگر مقامات مقدس کہلاتے تھے پھر بھی وہاں کے لوگ بڑی تعداد میں بیت المقدس کا سفر کرتے تھے۔ پھر چودھویں، پندرھویں صدی میں اطالوی زائرین کی تعداد بڑھتی چلی گئی تو جگہ کی قلت پیدا ہوگئی۔ سیکسنی کے ڈیوک البرٹ کے ساتھ ہنس وان مرکنتھل نے 1470ء میں زیارت کی اور اپنی یادداشتوں میں لکھا کہ زیارت کے ایام میں بیت المقدس میں زائرین کے سونے کی جگہ اتنی ناکافی تھی کہ کسی نے ٹھیک کہا کہ زائرین ایک دوسرے کے اوپر تلے سوتے تھے اس پر مستزاد یہ کہ گرمی سوہان روح تھی، کیڑوں اور مچھروں کا ہجوم تھا اور اندھیرے میں چوہے بھی زائرین کے جسموں پر پھدکتے پھرتے تھے۔ اس دوران جو لوگ بیمار ہوجاتے تو موت ان کا مقدر بن جاتی تھی۔ بالآخر زائرین کے اس نہ تھمنے والے طوفان کی وجہ سے فلسطین میں مسافر خانے اور ایسی عمارات تعمیر ہونا شروع ہوگئیں جو زائرین کے لیے مخصوص تھیں۔ ان زائرین میں سے بہت سوں نے عرب دنیا کے دیگر حصوں کی سیاحت بھی کی اور سفرنامے بھی لکھے گئے۔ سولھویں صدی سے اطالوی زائرین کی تعداد میں کمی ہونا شروع ہوگئی تاہم یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوا۔

ہنری چہارم نے پیدل چل کر فلسطین کے متبرک مقامات کی زیارت کی تھی۔ وہ براستہ ڈینز برگ (جرمنی) پریک، ویانا، وینس، کارفو، قبرص سے یافا پہنچا تھا پھر رامہ ہوتا ہوا بیت المقدس پہنچا۔ واپسی پر قبرص، کوس، کارفو، وینس، ٹریوز، پیویا، ویری زونا اور میلان کے راستے وطن پہنچا۔ قیصر ولیم اور ایڈورڈ ہفتم آخری یورپی مسیحی بادشاہ تھے جنھوں نے بیت المقدس کی زیارت کا سفر اختیار کیا اور بہت کچھ داد و دہش بھی کی اور تحائف بھی چڑھائے۔

اس مسیحی زیارت کے فلسطین میں چار مقامات تھے۔ بیت المقدس، بیت اللحم، اریحا اور دریائے اردن۔ عام طور پر یورپی زائرین کو پاکیزہ آگ (Holy fire) کی تقریب میں شرکت کرنے کا شوق کھینچ کر لے آتا تھا۔ کرسمس سے

پہلے یونانی کلیسا کا بزرگ پادری نہایت تزک و احتشام کے ساتھ بہت سے پادریوں کے جھرمٹ میں زائرین کے ایک طویل جلوس کے ہمراہ صبح سویرے بیت اللحم پہنچتا اور کلیسائے پیدائش پہنچنے پر اس جلوس کو بندوقوں سے فائر کر کے سلامی دی جاتی تھی۔ کلیسائے پیائش میں زائرین اور شرکائے جلوس دو تین گھنٹے عبادت کر کے پھر پادریوں کا جلوس قیام گاہ چلا جاتا۔ نصف شب کو کلیسا کا گھنٹہ بجتا تو پھر وہی پادری بزرگ دوسرے پادریوں ے جلوس میں حسب معمول آتا اور انجیل سے اقتباسات جن میں حضرت مسیحؑ کی زندگی کے حالات بیان کیے گئے ہیں پڑھ کر سناتا جسے زائرین بڑی خاموشی سے سنتے۔ یہ محفل شب تقریباً دو سے تین گھنٹے جاری رہتی پھر اہل صوم کچھ تناول کرتے اور رات کے آخری پہر میں یہ جلوس ایک بار پھر بیت المقدس کا رخ کرتا۔ پھر نئے سال کے آغاز یعنی یکم جنوری کو نوروز کے دن وہی بزرگ پادری مع اپنے ساتھیوں کے کلیسائے مزار مقدس کا تین بار طواف کرتا پھر باری باری سات زبانوں میں انجیل خوانی کی جاتی اور ایک خاص قسم کی ضیافت پر نوروز کی تقریبات اختتام پذیر ہو جاتیں جس کے بعد زائرین اریحا کا رخ کرتے، وہاں سے دریائے اردن میں غسل کرتے اور دریائے اردن کا پانی بطور تبریک اپنے ساتھ لاتے بالکل اسی طرح جس طرح مسلم حاجی آب زم زم لاتے ہیں یوں یہ ساری تقریبات 6 جنوری کو اختتام پذیر کو پہنچ جاتیں۔ اس دوران دو ہفتے تک خوب گہما گہمی اور چل پہل رہتی۔ بڑی خوشیاں اور جشن منائے جاتے اور زائرین شراب و کباب کا لطف اٹھاتے اور طرح طرح کی مٹھائیں کھاتے۔ انھیں ایام میں مختلف زیارت گاہوں پر پہنچ کر عبادت کرتے اور ان مقدس مقاات کو بوسے دیتے بالخصوص ان مقامات کو جو حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے متعلق ہیں۔

مقدس آگ (Holy Fire)

یہ مسیحی تہوار بیت المقدس کے کلیسائے مزار مقدس میں منایا جاتا ہے۔ مسیحیوں کا اعتقاد ہے کہ یہ آگ براہ راست آسمان سے قبر میں آئی ہے۔ ان ستونوں کے درمیان جن کے سہارے کلیسائے مزار مقدس کا وسطی برج قائم ہے۔ لکڑی کی ایک مضبوط مچان بنائی جاتی ہے۔ اس پر چھوٹے چھوٹے بکس بالکل اسی طرز کے بنائے جاتے ہیں جیسے عام طور پر غنائی تمثیلوں کے دوران تھیٹروں میں پائے جاتے ہیں جن میں تماشائی بیٹھ کر تمثیل دیکھتے ہیں۔ ان بکسوں میں اکثر مالدار قبطی عیسائی انھیں کرایہ پر حاصل کر کے بیٹھتے ہیں جبکہ عام مسیح ان بکسوں کے سامنے بیٹھ کر 65 دانوں کی مالائیں جپتے ہیں اور جب وہ مقدس گھڑی آتی ہے تو لوگوں کے اژدہام میں سے کچھ لوگ موم بتیوں کے مٹھوں کو روشن کرنے کی سعی کرتے ہیں جسکی وجہ سے اکثر لوگوں میں دھینگا مشتی ہو جاتی ہے اور اکثر لوگ آپ میں لڑ پڑتے ہیں اس دوران قبطیوں کے چیپل سے مشرقی بھجوں کی پرترنم آواز سنائی دیتی ہے۔

اس مسیحی تہوار کی قدامت کا اندازہ نہیں لگتا۔ کہتے ہیں کہ اس کا ذکر 870ء میں برنارڈ بیراگی نے اپنی زیارت

یروشلم کے احوال میں کیا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ زمانہ قدیم میں پاپائے روم نے اس تہوار کے منانے کی ممانعت بھی کر دی تھی اور اس کے خلاف فتویٰ بھی دیا تھا لیکن اس کے باوجود مشرقی کلیسا اسے ہر سال خصوصی اہتمام سے مناتا ہے۔ مغربی عیسائی اس تہوار کو ایک مشرقی ایجاد اور بدعت عظیمہ قرار دیتے ہیں۔ ایک مسیحی محقق نے لکھا ہے کہ عرب اور یونانی مسیحی مزار مقدس کا طواف کرتے ہوئے آداب مزار کا خیال نہیں رکھتے اور بے ہنگم شور کرتے ہیں۔

قبر کے دونوں جانب دو گول سوراخ پتھر میں ترچھے رکھے ہوتے ہیں جن کے منہ سالہا سال سے نکلنے والے دھوئیں کی وجہ سے سیاہ ہیں۔ ان سوراخوں کے پاس کچھ لوگ کھڑے ہوتے ہیں۔ جونہی قبر کے ان سوراخوں سے شعلے نمودار ہوتے ہیں وہ لوگ اپنی موم بتیوں کو ان سے روشن کر کے دھکم پیل میں باہر نکل جاتے ہیں۔ کلیسا کے باہر لوگ کاروں میں بیٹھے منتظر رہتے ہیں کہ جیسے ہی یہ آگ نمودار ہو وہ اسے دوسرے گرجاؤں تک پہنچائیں۔ زمانہ قدیم میں اس تہوار کے دن ایک جہاز یافا کی بندرگاہ میں تیار کھڑا ہوتا تھا جو اس آگ کو روس کے کلیساؤں تک پہنچاتا تھا۔ جیسے ہی قبر کے سوراخوں سے آگ کے شعلے نمودار ہوتے ہیں ایک یونانی پادری اور ایک ارمنی پادری ان سے شمعیں روشن کر لیتے ہیں۔ ایسے میں لوگ وفور شوق میں چیخنے اور چلانے لگتے ہیں۔ وہ مشعلیں لوگوں کے سروں پر گھمائی جاتی ہیں۔ لوگ چراغوں سے چراغ اور موم بتیوں سے موم بتیاں روشن کرنے لگتے ہیں۔ مسیحی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا نے یہ مقدس آگ آسمان سے قبر میں بھیجی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ARCHAEOLOGY OF JERUSELIM

بیت المقدس اور اثریات

1918ء میں بیت المقدس کے فوجی گورنر نے آثار قدیمہ کی حفاظت کے لیے کئی احکامات جاری کیے تھے اور جملہ فرقوں کی ایک سوسائٹی تشکیل دی تھی جسے یروشلم سوسائٹی کا نام دیا گیا تھا اور آثار قدیمہ کا ایک محکمہ قائم کیا تھا۔ 1922ء میں اس محکمہ کو یروشلم کے علاوہ پورے فلسطین میں مقامات اور عمارات اور آثار کا کھوج لگانے کا کام سپرد کیا گیا۔ شہر کے آثار میونسپلٹی کے حوالے کر دیے گئے۔ اس وقت سے جگہ بہ جگہ آثار کی دریافت کا کام جاری چلا آتا ہے۔ 1950ء سے پہلے تک تین ہزار سے زائد مقامات کی ایک فہرست مرتب ہو چکی تھی۔

1864ء میں فلسطینی ایکسپلوریشن فنڈ قائم کیا گیا تھا تاکہ آثار قدیمہ فلسطین دریافت کیے جائیں۔ شروع میں کچھ انگریز ماہرین آثاریات نے یہاں کھدائیاں کروائیں۔ چند سال بعد جب پہلا نقشہ فلسطین شائع ہوا تو جرمنی، فرانس اور امریکہ نے بھی آثاریاتی کھدائیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ وسطی بیت المقدس میں کھدائی کا مسلمہ مرکز بن گیا۔ چھ مغربی ممالک کے ماہرین آثاریات نے ٹیلوں کی کھدائیاں کیں تاکہ انجیل میں بیان کردہ مقامات تلاش کیے جائیں۔ مقدس شہر میں نوادرات کو محفوظ کرنے کے لیے ایک عجائب گھر قائم کیا گیا۔ یہ عجائب گھر اس مقام پر قائم کیا گیا جہاں انگلستان کے شاہ ایڈورڈ ہفتم نے اپنے زمانہ ولی عہد میں قیام کیا تھا۔ گم شدہ شہروں سدوم اور عموراہ کا سراغ بھی لگا لیا گیا۔ الخلیل Hebron میں ممرہ Mamre کے محل وقوع کی صحیح جگہ جہاں حضرت ابراہیمؑ نے اپنا خیمہ نصب کیا تھا اور انھیں تین آسمانی قاصد ملے تھے۔ اس کے علاوہ فریت سیجو رجنوبی فلسطین میں دریافت ہو چکا ہے۔ سدوم اور عمورہ دونوں شہر جھیل مردار یا بحیرہ مردار کے کنارے شرق اردن میں مدفون تھے۔ مصفاہ (Mizpaho) جو بت المقدس کے شمال میں تھا جہاں میموریل نے بیس سال تک اسرائیلیوں کی عدالت کی تھی وہ اس کے ٹھیک مقام پر دریافت ہو گیا ہے۔ اس کے دفینے بھی دریافت ہو گئے ہیں۔ یہاں ایک حوض بھی دریافت ہوا ہے جہاں یہودیوں کی روایات کے مطابق وہ چاہ واقع تھا

جس میں حضرت اسمٰعیل نے جدالیاہ کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش پھینکی تھی۔ سامریہ جو اسرائیلیوں کا قدیم دارالحکومت تھا اس میں اثریاتی کھدائیوں کے دوران احب (Ahab) کا ہاتھی دانت کا محل بھی دریافت ہوا ہے۔ بیسان میں قدیم کنعانیوں کے ہیکل کے کھنڈر بھی ملے ہیں جن میں سے ایک وہ ہے جہاں طالوت (Saul) کا زرہ بکتر آویزاں تھا۔ یہ وہی طالوت ہے جس کا مقابلہ حضرت داؤدؑ نے محض ایک پتھر سے کیا تھا اور پھر اس کی تلوار سے اس کا سر کاٹ دیا تھا۔ کیپر نوم (Caper Naum) میں اس یہودی عبادت خانے کا سراغ بھی لگ گیا جس میں حضرت عیسٰیؑ نے تعلیم دی تھی۔ اسی جگہ اس قدیم گرجا گھر کے کھنڈرات بھی ملے ہیں جس کے نیچے مائدہ مقدسہ رکھی تھی اور ایک پتھر بھی برآمد ہوا ہے جس کے متعلق یقین ہے یہ وہی پتھر ہے جس پر حضرت عیسٰیؑ نے معجزہ دکھایا تھا۔

اثریاتی انکشافات

ان اثریاتی (Archaelogcal) انکشافات سے نہ صرف انجیلی حکایات پر روشنی پڑتی ہے بلکہ یہ تاریخی اعتبار سے بھی بہت اہم ہیں۔ انجیلی مقامات کے وہ اصل محل وقوع تک معلوم ہو گئے ہیں جن کے بارے میں صدیوں سے من گھڑت اور غلط جگہیں بتائی جاتی تھیں۔ وادی اردن اور حضر (Hazar) یا حصور میں حافروں (اثریاتی کھود کر نکالنے والے) اسرائیلیوں کے خروج مصر اور ارض معودہ میں داخلے کی تاریخوں کو زیادہ صحت سے معلوم کرنے میں آسانی پیدا کردی ہے۔ غالباً سب سے زیادہ سنسنی پیدا کرنے والی اور ہوش ربا اس متبرک سرزمین میں سدوم اور عموراہ (Sodom & Gomorrah) جیسے تباہ شدہ شہروں کے محل وقوع کی تحقیقی دریافت اور تعین ہے۔ یہ مقام ایک تیرہ و تار میدان اور بحیرہ مردار کے شمالی اختتامی سرے پر جو دریائے اردن کے مشرق یا دوسری جانب واقع ہے یہ کوہ نیبو (M.Nebo) کے باعث بالکل نمایاں ہے۔ اس مقام سے حضرت موسٰیؑ نے خروج مصر کے بعد پہلی مرتبہ ارض موعودہ کو دیکھا تھا۔ چونکہ خدا نے ان کے خود جانے کا حکم نہیں دیا تھا اس لیے وہ دریا کو پار نہ کر سکے۔

سدوم اور عمورہ

سدوم اور عمورہ اتفاقی طور پر دریافت ہوئے ہیں۔ وادی اردن میں چند پہاڑی ٹیلے واقع ہیں جنھیں لوگ ''تل'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان ٹیلوں سے مٹی کے برتنوں اور شیشے کے ٹکڑے کافی تعداد میں برآمد ہوئے جو ان دونوں شہروں کی دریافت کا سبب بنے۔ یاد ہے سدوم وہ شہر تھا جہاں حضرت لوطؑ نے حضرت ابراہیمؑ سے جدا ہو کر سکونت اختیار کی تھی اور جہاں ان کے پاس کچھ فرشتے خوبصورت جوانوں کی شکل میں بطور مہمان آئے تھے تو سدوم کے شہریوں نے ان سے طلب کیے کیونکہ وہ امرد پرستی کی عادت بد میں مبتلا تھے۔ اسی وجہ سے لاطینی اور انگریزی زبان میں امرد پرستوں کے لیے لفظ Sodomite مستعمل ہے جو دراصل سودومیت ہی کی طرف اشارہ ہے۔ سدوم کی دریافت کے بعد نصف میل سے بھی کم

فاصلے پر عموراہ بھی دریافت ہو گیا جس سے پتہ چلا کہ حقیقتاً سدوم اور عموراہ جڑواں شہر تھے۔ یہ شہر محققین کے مطابق کم از کم پانچ سو سال تک آباد رہے۔ پھر یہ آتش زدگی سے تباہ ہو گئے کیونکہ دونوں کے مقامات سے راکھ برآمد ہوئی ہے۔

اریحا(Jereco)

سدوم سے دریائے اردن کے دوسرے کنارے پر یعنی جانب غرب آٹھ سے دس میل کے فاصلے پر اریحا قدیم کے کھنڈرات دریافت ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ کے بعد جب اہل یہود کی قیادت حضرت یوشعؑ (Jeshua) نے سنبھالی تو انھوں نے سب سے پہلے اریحا پر فوج کشی کی تھی اور اس کا محاصرہ کر لیا تھا مگر اس شہر کی قلعہ بندی بڑی سنگین تھی۔ اس زمانے میں یہ 1500 نفوس کی آبادی کا ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ شہر سے الگ پندرہ گز کے فاصلے پر اس کے گرد دوہری فصیل تھی۔ دوہری فصیل کے علاوہ اس کا صرف ایک دروازہ اور چند برج اور ایک سنگین دمدمہ بھی تھا جو تیر اندازوں کے لیے ایک محفوظ مورچے کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ سب مقامات اس شہر کی اثریاتی کھدائی میں برآمد ہو چکے ہیں۔

بیت المقدس کی اثریاتی کھدائی

بیسویں صدی کے آغاز میں خود بیت المقدس یا یروشلم کے آس پاس اثاتی کھدائیاں بڑی سرگرمی سے جاری رہی ہیں۔ برطانوی ماہرین اثریات نے جبل عوفل (Ophel) پر جہاں انھوں نے تدریجی ڈھلان شیلوخ کے حوضوں سے شہر کی موجودہ فصیل تک کھدائی کا کام سرانجام دیا۔ یہی حضرت داؤدؑ کے یروشلم کی جگہ ہے اور وہیں وہ قلعہ تھا جسے آپ نے یبوسیوں (Jebusites) سے لڑ کر فتح کیا تھا۔ ماہرین اثریات نے یہاں پہاڑ کو کاٹ کر ایسے حجرے بنے ہوئے دریافت کیے ہیں جن کی نسبت محققین کا خیال ہے کہ وہ یہوداہ کا شاہی قبرستان یا شاہی مدفن تھے۔

اس کے علاوہ ایک بھاری دروازہ، ایک گلی اور چند سکونتی مکانات ایسے بھی دریافت ہوئے جو حضرت عیسیٰ کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان اثریاتی کھدائیوں سے اس یروشلم قدیم کی شکل واضح ہو گئی جو حضرت عیسیٰ کے عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں ایک ایسی شاہراہ یا گلی بھی دریافت ہوئی جو ہیکل سلیمانی سے شیلوخ کے حوض تک جاتی ہے۔ اس کے دونوں طرف مکانات بنے ہوئے تھے جن میں سے کئی ایک اچھی حالت میں دریافت ہوئے ہیں۔ ان کے فرش پچی کاری سے بنے ہوئے ہیں۔

یروشلم کی اثراتی کھدائیوں کے دوران بنی اسرائیل کے عہد کے ناپ تول کے پیمانے اور اوزان بھی کافی تعداد میں ملے ہیں۔ یہ ان مقام سے ملے ہیں جہاں کائفا (Caiapha) کا مکان تھا۔ ان پیمانوں سے اس امر کا سراغ لگا ہے کہ یہود کی عام گرفتاری (اسیری بابل 588 ق م) سے پہلے اور بعد کے پیمانے اور اوزان مختلف تھے۔

لائبریری

الخلیل سے چند میل کے فاصلے پر شاہراہ الخلیل واقع ہے۔ الخلیل کے قریب ہی سیحور پندرہ میل کے فاصلے پر جنوب

میں واقع ہے۔ سیجر سے مراد "کتابوں کا گھر" یا لائبریری ہے۔ اس کے علاوہ وادی سورق (Valley of Sarek) نابلوس (Shechem) اور بیسان، قدیم صوبہ گلیل کے مقامات سے عجیب وغریب معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

تل حوم

تل حوم جو جھیل کے شمالی کنارے پر کفرنحوم کے قریب واقع ہے اثریاتی کھدائی اور تحقیقات جو ڈاکٹر ارفلی (Dr.Orfali) نامی ماہر اثریات نے کی تھی اس ماہر اثریات کے اعزاز میں یہاں ایک تختی آویزاں کی گئی ہے۔ ڈاکٹر مذکورہ نے بہت سے اثریاتی مقامات دریافت کیے تھے جن کی تعلق حضرت عیسیٰؑ کے زمانے سے ہے۔ ایک عبادت گاہ جو دریافت ہوئی اس کے متعلق محققین کا خیال ہے کہ اسے حواریوں کے رومی کپتانوں نے تعمیر کیا تھا۔ یہ ایک یہودی صومعہ تھا۔ اس عبادت گاہ کا کچھ حصہ اس کی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کر دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے اب ہر شخص کفرنحوم کو اس کی قدیم اصلی حالت میں دیکھ سکتا ہے اور اس عبادت گاہ کی زیارت کر سکتا ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ نے وعظ کیا تھا۔ یہاں سے چند میل کے فاصلے پر اثریاتی کھدائی کی گئی تو اس گرجا کے آثار دریافت ہوئے جو کلیسائے اضعاف (Church of Multiplication) کے نام سے موسوم تھا۔ یاد رہے کہ یہ وہ گرجا ہے جس میں حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ پر وہ مشہور معجزہ رونما ہوا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے تھوڑی سے مچھلی اور چند روٹیوں سے تقریباً پانچ ہزار افراد کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا تھا۔

بہرحال فلسطین میں اثریاتی کھدائیوں سے عیسائیوں اور یہودیوں کی تاریخ کے بے شمار واقعات کی تصدیق ہوئی ہے۔

اثریاتی کھدائی

یروشلم کی عمارتوں اور کھنڈرات کا منظر تاریخی اور جغرافیائی اعتبار سے عدیم النظیر ہے۔ کھدائی کا یہ اثریاتی کام ایک باقاعدہ محکمہ نے کیا ہے۔ مشرقی حصے کی کھدائی سے قدیم یبوس اور حضرت داؤدؑ کے زمانے کا یروشلم برآمد ہوا ہے۔ رابنسن کی محراب اور دیوار گریہ وغیرہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے عہد کی باقیات کے طور پر دریافت ہوئے ہیں۔ دیل اور مالستر میں کی گئی کھدائی سے یہوداہ کے سلاطین کا پایہ تخت ہونا ثابت ہو چکا ہے اور سلاطین کے مقبرے بھی دریافت ہو چکے ہیں۔ یہوداہ قدیم اسرائیل کی طرح جو شمالی سلطنت کہلاتا تھا اس عہد کی جنوبی سلطنت تھا۔ یہوداہ کی سلطنت کنعان کے جنوبی حصہ میں واقع تھی۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد ان کی عمونی بیوی نعمہ سے ان کا بیٹا رحعام یہوداہ کا پہلا بادشاہ تھا۔ یروشلم چونکہ حضرت داؤدؑ کے عہد سے متحدہ سلطنت کا دارالحکومت تھا سلطنت کی شمالی اور جنوبی تقسیم کے بعد یہ شہر رحعام بن سلیمانؑ کی جنوبی سلطنت کا دارالحکومت بن گیا تھا۔ جنوبی سلطنت پر حکومت کرنے والے سلاطین حضرت داؤدؑ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اثریاتی کھدائیوں میں عہد سے تعلق رکھنے والے آثار میں حرقیاہ کی سرنگ، یرمیاہ اور زدکیاہ کے غار

سب کے سب ہیکل سلیمانی کی یادگاریں ہیں۔ السلوم اور حضرت زکریاؑ کی قبور اور دوسری یادگاریں ایرانی عہد کو پیش کرتی ہیں۔ بہت سی آثار یاتی دریافتوں کا تعلق ہیرودیس اور اس کے جانشینوں کے عہد سے ہے۔۔ اسی طرح عہد عتیق کی اور بہت سی نشانیاں ظاہر ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ صلیبیوں کے کلیسا، فصیل شہر کا تسلسل اور ان کا باہم قرب تاریخ ماضی کو زندہ کرتا ہے۔ کچھ یادگاروں کا ذکر درج ذیل میں کیا جارہا ہے۔

انطونیہ (Antonia)

یہ یروشلم کا چوپہلو سنگین قلعہ یا محل ہے جو ہیکل کے احاطے سے ملحق شمال مغربی سمت میں واقع تھا۔ اس کی تباہی و بربادی کے بعد ہیرودیس اعظم نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا تھا اور پہلے سے زیادہ مستحکم کردیا تھا اور اس کا نام اس عہد کی ایک مشہور رومی شخصیت مارک انطونی کے نام پر انطونیہ رکھا تھا۔ اس محل یا قلعے کے ہر گوشے پر ایک حفاظتی برج تھا۔ اس کی سیڑھیوں پر سینٹ پولس (حواری حضرت عیسیٰؑ) نے کھڑے ہوکر مجمع کے سامنے وعظ کیا تھا۔ مجمع نے آپ سے نہایت نامناسب سلوک اور بدکلامی کی تھی۔

بیت عنیاہ (Bethany, Lazarus)

اس کے معنی کھجور کا گھر یا مصیبت کا گھر کے ہیں۔ یہ ایک بستی کوہ زیتون کی شرقی ڈھلوان پر واقع تھی۔ یروشلم سے ڈیڑھ یا دو میل کے فاصلے پر اریحا سے آنے والی عام سڑک پر اس بستی کے قریب ہی غالباً مغرب کے رخ پر ایک اور بستی بیت فگے کے نام سے بھی تھی۔ انجیل میں ان دونوں بستیوں کا تذکرہ بیک وقت آتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے آخری لمحات یہیں گزرے تھے۔

بیت عنیاہ مریم، مرتھا اور لعزر کا وطن تھا۔ مذکورہ بستی کا نام لعزر (Lazarus) یا لعزاریہ بھی تھا۔ یہ جگہ جبل زیتون کی چوٹی سے پورے ایک میل کے فاصلے پر ڈھلوان پر واقع تھی۔

بیت فگے (Byth Phage)

اس کے معنی انجیروں کا گھر ہے۔ یہ بستی اریحا روڈ کے ایک موڑ کے قریب بیت عنیاہ کے قرب میں واقع تھی۔ انجیل سے ان بستیوں کے صحیح محل وقوع کا پتہ نہیں چلتا البتہ عیسائیوں کے ہاں ان دونوں کی تقدیس اور احترام بہت زیادہ ہے۔

بیت حسدا (Bethesda)

اس کے معنی رحمت کے گھر کے ہیں۔ اس کے معنی آب رواں کے بھی لیے جاتے ہیں۔ عبرانی زبان میں یہ لفظ حوض و ذخیرہ آب کے لیے بھی مستعمل ہے بلکہ ایک حوض کا نام ہے۔ آب برکہ یا حوض برکہ اسرائیل کا سب سے بڑا ذخیرہ

آب تھا۔ یہ فصیل شہر کے اندر باب سٹیفنز (Stephens) اور احاطہ حرم کی شمال مشرقی دیوار کے قریب واقع تھا۔ عموماً اسے ہی بیت حسدا تصور کیا جاتا تھا۔ اکثر مصنفین کو بیت حسدا اور بیت صیدا کے ناموں میں مماثلت کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے اور دونوں کو ایک جگہ ہی شمار کرتے ہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک بھی یہ ایک متبرک اور صحت افزا مقام ہے۔

انروجل (Enrogel)

اس کے معنی بھرپور چشمہ کے ہیں۔ اس کی تصدیق ہو چکی ہے کہ قدیم انروجل وہی تھا جسے آج کل عین العذرا کہتے ہیں۔ اس کے اور ناموں میں عین ام الدراج یا چشمہ مریم بھی شامل ہیں۔ یہ ایک قدیم گزرگاہ آب ہے۔ اسی کے ذریعے پانی حوض شیلوخ تک پہنچتا تھا۔ پانی کا یہ زمین دوز راستہ بھی عیسائیوں کے نزدیک ایک متبرک مقام کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایتام (Etam)

اس کے معنی ''جنگلی جانوروں کے بھٹ'' کے ہیں۔ یہ منقسم سلطنت کے جنوبی حصے یہوداہ کا ایک ایسا مقام ہے جسے رحعام بن سلیمانؑ (Rehoboam) نے مستحکم کیا تھا اور یہاں حفاظتی فوج بھی رکھی تھی۔ ایک یہودی مورخ کے مطابق یہیں سے حضرت سلیمانؑ کے باغات، تفریح گاہوں، بیت اللحم اور ہیکل کے رقبہ کو سیراب کیا جاتا تھا۔

ایتام کے دوسرے معنی پہاڑ کے بھی ہیں۔ چنانچہ یہ ایک بلند پہاڑ ہے جس کے ایک غار میں سے فلستیوں کے قتل کے بعد سیمسون گزرا تھا۔ یہ یہوداہ قوم کے پاس ایک قدرتی قلعہ تھا جس میں کئی بستیاں آباد تھیں۔

یہوسفط (Jehoshaphat)

اس کا نام وادی محشر ہے اسکے متعلق یہودی محقق جوئل کا بیان ہے کہ یہوسفط ہی وہ خاص جگہ ہے جہاں یہودی غلامی سے آزاد ہو کر یہوداہ اور یروشلم میں واپس آ جائیں گے تو پھر خدا یہاں بیٹھ کر انصاف کرے گا۔ یہودیوں اور مسلمانوں دونوں کا عقیدہ ہے کہ محشر یہیں بپا ہوگا۔

نفتوح (Nephtoah)

اسکے معنی ''افتتاح'' کے ہیں۔ یہ ایک ندی کا نام ہے۔ یہ ندی کسی زمانے میں یہوداہ اور بنیامین قوموں کے علاقوں کے درمیان حد فاصل کا کام دیتی تھی۔ یہ یروشلم کے شمال مغرب میں ہے۔

عوفل (Ophel)

عوفل قدیم یروشلم کا حصہ تھا۔ یہ ایک ایسی ڈھلوان تھی جس کے باعث ہیکل کی پہاڑی اپنے جنوبی رخ سے

ڈھلوان ہوگئی اور اس کا جھکاؤ وادی ہنوم کی طرف ہوگیا۔ محققین کے مطابق عوفل باب الماء اور بڑے برج کے پاس تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اس پر لاوی ہی لاوی رہتے تھے۔

ہنوم (Hinnom)

اس کے معنی "مرثیہ" فریاد یا شیون و نالے کے ہیں۔ یہ ایک لمبی ندی ہے۔ اس کا نام وادی ہنوم یا وادی بن ہنوم بھی ہے۔ یہ گہری اور تنگ پہاڑی گھاٹی کراڑیدار او پہاڑی پہلوؤں میں یروشلم کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے اسکے جنوبی کنارے پر ایسے بلند ستون تعمیر کرائے تھے جہاں رات اور دن آگ روشن رہتی تھی۔ یہودی اسے "گے ہنوم" یعنی دائمی سوہان روح کہتے ہیں۔

موریاہ (Moriah)

اس کے معنی "پسندیدہ خدا" یا خاص زمین موریاہ کے ہیں۔ اسی ضلع کے کسی پہاڑی پر عیسائی محققین کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کی قربانی کی تھی۔ اس کے محل وقوع میں محققین کا اختلاف ہے۔

کوہ موریاہ (Mount Moriah)

یہودی محققین کے مطابق اراونہ (Araunah) کی گاہی ہوئی زمین پر خداوند حضرت داؤدؑ کے سامنے آیا تھا۔ ٹھیک اسی جگہ پر بعد میں حضرت سلیمانؑ نے ہیکل تعمیر کیا تھا۔ یروشلم میں یہ جگہ خاص عظمت کی امین ہے۔ اسے وادی تروپین کوہ صیہون سے جدا کرتی ہے۔ کوہ موریاہ کی چوٹی کو حضرت سلیمانؑ نے ہموار کرایا تھا اور اس کے اردگرد بہت چوڑی دیوار تعمیر کرائی تھی۔ اس کی بنیاد بہت گہری رکھی تا کہ یہ اوپر پہنچ کر ہیکل کے احاطے میں کشادگی پیدا کر سکے۔ دیوار اور چوٹی کے درمیانی خلا کو مٹی اور پتھروں سے بھر کر زمین وسیع کر دی گئی۔ یہودی محققین اور مورخ لکھتے ہیں کہ یہ وہی زمین ہے جہاں خداوند حضرت داؤدؑ کے سامنے آیا تھا۔ بعدازاں اسی پر ہیکل تعمیر ہوا تھا۔ یہودی اور عیسائی محققین کے نزدیک اسی مقام پر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحٰقؑ کی قربانی کی تھی۔ عرب مورخین اور محققین اسے "جبل القدس" کہتے ہیں۔

کوہ زیتون (Mount of Olives)

یہ پہاڑی بیت المقدس کے عین بالمقابل ہے اور شہر کے مشرق میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ پہاڑی عہد عتیق اور عہد جدید کی تاریخ کے بہت سے اندوہناک واقعات کی امین ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک اس کی عظمت کا شہرہ ہے۔ یہ پہاڑ بہ شکل پشت ماہی ایک میل سے کچھ طویل ہے اور القدس کے پورے مشرقی حصے کو شمالاً جنوباً گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا شمالی سرا جانب مغرب کچھ جھکا ہوا ہے۔ اس جھکاؤ نے شہر کے شمالی حصے کو گھیر لیا ہے۔ جنگ عظیم اول سے پہلے

تقریباً ایک میل کا خالی رقبہ شہر اور اس پہاڑی کے درمیان حائل تھا۔ اعلان بالفور کے بعد یہ یہودیوں کی گنجان آبادی میں بدل گیا ہے۔ مشرقی سمت میں کوہ زیتون فصیل شہر کے قریب تر ہے صرف قدرون کی گھاٹی نے فاصلہ پیدا کر رکھا ہے۔

کوہ زیتون کی چوٹی شہر سے زیادہ بلند نہیں۔ ہیکل والی پہاڑی یعنی کوہ معبد سے یہ بقدر تین سو فٹ اور کوہ صیہون سے صرف 100 فٹ بلند ہے۔ اپنی ہیئت میں یہ گولائی لیے ہوئے ہے۔ جبل زیتون کے کسی مقام سے اگر شہر کا نظارہ کیا جائے تو بہت بھلا محسوس ہوتا ہے۔

اگر کوہ زیتون پر شمال سے جنوب کی سمت میں چلیں تو درمیان میں چار الگ الگ چوٹیاں پڑتی ہیں جو یہ ہیں:

(1) ویری گلیلی Viri galilae

(2) جبل رفع یسوع

(3) جبل انبیاء یہ آخری چوٹی سے کم تر۔ بلکہ اس کا ایک حصہ ہے

(4) جبل الفساد Mount of Offence

ان چاروں چوٹیوں میں وسطی چوٹی عیسائیوں کے نزدیک بہت عظمت کی حامل ہے کیونکہ اسی چوٹی پر رفع حضرت عیسیٰؑ کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس چوٹی کے نزدیک تین مقامات ابھی ایسے باقی ہیں جن کی تقدیس پوری مسیحی دنیا میں مسلم ہے:

(1) پہاڑی کے دامن میں گیسمنی یا جیثمانی Gethsemane

(2) وسطی چوٹی سے دوسرے درجے پر بلند وہ خاص مقام جہاں سے حضرت عیسیٰؑ آسمانوں پر تشریف لے گئے۔

(3) وہ خاص مقام جہاں سے حضرت عیسیٰؑ نے یروشلم پر آہ وزاری کی۔ یہ مقام پہاڑی پر چڑھتے ہوئے تقریباً نصف مسافت پر واقع ہے۔

گیسمنی کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ اس کی تقدیس میں کچھ اصلیت ہے۔ وسطی چوٹی کے جنوب جانب ایک انوکھا زمین دوز قبرستان ہے جسے مقابر انبیاء کا نام دیا جاتا ہے۔

کوہ زیتون کا وہ انتہائی جنوبی حصہ جو عام طور پر جبل الفساد کے نام سے مشہور ہے خیال کیا جاتا ہے یہی فساد کی پہاڑی ہے جس پر یہودی روایات کے مطابق حضرت سلیمانؑ نے اپنی حکومت کے آخری دور میں اپنی غیر اقوام حرم کے لیے اس پر غیر اللہ کی پرستش (نعوذ باللہ) کے لیے بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرائی تھیں۔ اسی سبب سے اس پہاڑی کو جبل الفساد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ سراسر ایک نبی پر بہتان ہے اور اس کی شان میں گستاخی کے سوا کچھ نہیں۔ کوہ زیتون پر گرجا اور دیگر متعلقہ عمارات کی کثرت ہے اور انگوروں اور زیتون کے باغات بھی بہت ہیں۔

کوہ زیتون پر دو مذہبی تقریبات منعقد ہوتی ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کے گروہ یہاں آتے ہیں اور کشادہ مقامات پر اجتماعات منعقد کیے جاتے ہیں۔ایک پر نئے مہینے کے ہلال کی رویت کی تقریب اور دوسری تقریب قربان گاہ پر سرخ گائے کی قربانی۔ یہ قربانی یہودی راہب کے ہاتھوں سرانجام پاتی ہے۔ کسی زمانے میں قربانی کی یہ تقریب ہیکل سلیمانی کے مشرقی دروازے سے دیکھی جاتی تھی۔کوہ زیتون کی بلندی 2723 فٹ ہے اور اسے جبل الطور بھی کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو اسی پہاڑ کے دامن سے گرفتار کر کے صلیب تک لے جایا گیا تھا۔

حوض شیلوخ،سلوان (Pool of Siloam)

تاریخ مسیحت میں اس حوض کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ وہی حوض ہے جس کی حضرت عیسیٰ کھڑے ہو کر ہیکل میں فرمایا تھا کہ ''جو شخص پیاسا ہو اسے میرے پاس آنے دو اور وہ پانی پیے۔'' اسی حوض شیلوخ پر حضرت عیسیٰ نے ایک نابینا شخص کو آنکھ میں پڑی مٹی کو دھونے کے لیے بھیجا تھا۔

ایک روایت کے مطابق یہ حوض 70 ق م میں حزقیاہ نے تعمیر کرایا تھا اور شہر کے لیے آب رسانی کا ایک اہم ذریعہ تھا۔ یہاں ہیرودیس کے عہد 40 ق م کا ایک حمام بھی تھا۔ یہ حوض 52 فٹ طویل اور 19 فٹ چوڑا تھا۔

برج شیلوخ (Tower of Siloam)

اس کے متعلق اس سے زیادہ کچھ علم نہیں جتنا حضرت عیسیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا تھا یعنی عوفل کے بارے میں ایک برج کا ذکر آیا تھا۔

توفت (Tophet)

توفت مرگھٹ کو کہتے ہیں۔ یہ مرگھٹ اس گاؤں کے جس کا نام ''ہنوم کا بیٹا'' ہے جنوب مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شاہی باغ کا حصہ تھا اور اس کو حوض شیلوخ سے پانی فراہم کیا جاتا تھا۔ یہ آج کل برکۃ المرہ کے جنوب میں واقع ہے۔

جبل صیہون (Mount Zion)

جن پہاڑیوں پر قدیم یروشلم آباد تھا ان میں سے ایک کا نام جبل صیہون ہے۔ حقیقتاً یہ اس مشرقی پہاڑی کا جنوبی حصہ ہے جس پر حضرت سلیمانؑ نے ہیکل تعمیر کرایا تھا۔ یہ نام ساری پہاڑی شہر یروشلم اور تمام یہودیوں کے لیے مستعمل ہے۔ صیہون دراصل اس پہاڑی پر واقع یبوسیوں کے ایک قلعہ کا نام تھا جسے حضرت داؤدؑ نے فتح کیا تھا۔ وہ غالباً مشرقی پہاڑی کے جنوبی حصے میں واقع تھا۔ بعدازاں اس ساری پہاڑ کو جبل صیہون کا نام دے دیا گیا اور یروشلم کے باشندے

صیہون کی بیٹیاں کہلاتے تھے۔ ہیکل سلیمانی کا تباہی کے بعد یہودیوں نے اس پہاڑی پر ایک معبد تعمیر کیا تھا۔ اسی وجہ سے تمام یہودی صیہونی کہلاتے ہیں۔

باغی مزار (Gordans Tomb)

یروشلم کے باہر ایک پہاڑی پر واقع ہے اس کی نسبت سی جی گورڈن اور دوسرے کئی محققین کا خیال ہے کہ یہ وہی مزار ہے جس کے اندر حضرت عیسٰیؑ کو دفن کیا گیا تھا۔

بازار الم (Via Dolorosa)

ایک غار جس کی پیائش 1870ء میں کی گئی تھی۔ 1916ء میں اسے دوبارہ کھولا گیا تھا اور اس کے مکانوں کی صفائی کر کے اس میں یونانی زائرین کے لیے ایک مسافر خانہ بنا دیا گیا تھا۔ یہ ان مقاموں میں سے ایک ہے جس سے حضرت عیسٰیؑ صلیب اٹھا کر چلے تھے۔ اسی وجہ سے اسے ''دکھ کا راستہ'' بھی کہتے ہیں۔

نوب (Nob)

بیت المقدس کے شمال میں ایک مقام جسے پروہتوں کا مقام بھی کہتے ہیں۔ روایت کے مطابق یہاں حضرت داؤدؑ غائب ہو گئے تھے جس کے نتیجے میں یہاں بہت سے پروہت اور عامل عشائے ربانی قتل کیے گئے تھے۔

گیتسمنی، جیتشمانی (Gethsemane)

اس کے لفظی معنی ''کولہو'' کے ہیں۔ یہ قدرون ندی کے آر پار ایک چھوٹا سا کھیت یا باغ تھا جو غالباً کوہ زیتون کے دامن میں شمال کے رخ پر یروشلم کی فصیل سے تقریباً پونے میل اور اس پل سے جو قدرون ندی پر بنا ہوا تھا ایک سو گز کے فاصلے پر مشرق میں واقع تھا۔ اسی باغ میں گرفتاری سے پہلے حضرت مسیحؑ نے دل سوزی کے ساتھ آخری دعا کی تھی۔ گیتسمنی باغ اسی وجہ سے عیسائیوں کے متبرک ترین مقامات میں سے ایک ہے۔

بازار، مکانات اور گلی کوچے

بیسویں صدی کے اولین دہائیوں تک قدیم شہر بیت المقدس جوں کا توں موجود تھا۔ اسکے بازاروں میں مشرقی بازار سب سے بڑا تھا۔ بیت المقدس کے دیگر بازار جو دروازوں کے اندر تھے کشادہ اور فراخ جگھوں کے حامل اور مشرقی شہروں کے بازاروں سے مختلف تھے۔ بازار الم یا واڈیا الوروسا بھی القدس کے بازاروں کا ایک ایسا حصہ ہے جہاں سے حضرت عیسٰیؑ کو پا بجولاں صلیب بردار گزار کر صلیب دیے جانے کی غرض سے لے جایا گیا تھا۔

ایک محقق نے لکھا تھا کہ بیت المقدس کے گلی کوچوں کی مشابہت چیتے کی کھال کی دھاریوں سے ملتی جلتی ہے۔

یہاں کے بازار بالکل محراب دار ہیں اور ان میں دھوپ اور چھاؤں کا امتزاج رہتا ہے۔ بہت سے مقامات ایسے ہیں جو کشادہ ہیں مگر اس پر آس پاس کے گنبدوں، میناروں اور برجوں کا سایہ پڑنے سے دھوپ کم رہتی ہے۔ قدیم شہر کی گلیاں تنگ و تاریک ہیں جبکہ نئے شہر کی عمارتیں عالیشان ہیں۔

قدیم شہر کے دروازے

انجیل مقدس اور قدیم تاریخی کتب میں بیت المقدس کے دروازوں کے ناموں کی جو فہرست دی گئی ہے وہ کچھ یوں ہے۔(1) باب احریم، (2) باب بنیامین (3) باب الزاویہ، (4) باب یوشع، (5) باب وسطی (دو فصیلوں کے درمیان کا) (6) باب فرس، (7) باب کہنائے یا کوہ نائے یہ وادی ہنوم کی جان ب تھا۔ مچھلی، کھاد اور بھیڑ کے نام سے تین دروازوں کا ذکر کیا ہے۔، (11) باب الشرق۔ چشمہ، پانی، قدیم، رندان کے ناموں سے چار دروازے تھے۔ اس کے علاوہ سورج اول، جنت اور اسی نام کے چار دروازے کل بیس دروازے تھے۔

باغ

حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے عہد کے شاہی باغات تو غالباً وادی النور اور وادی ہنوم کے مقام اتصال پر واقع تھے۔ جبل زیتون پر بھی اور بہت سے دیگر مقامات پر بھی باغ تھے۔ جبل زیتون کے دامن میں گیتسمنی کا مشہور باغ تھا جس کا کر پہلے آچکا ہے۔

فصیل یا دیوار شہر

قدیم زمانے میں شہروں کی حفاظت کے لیے ان کے اردگرد دیوار یا فصیل تعمیر کی جاتی تھی تاکہ اگر شہر پر کوئی غنیم حملہ آور ہو تو اس کا مقابلہ محصور ہو کر کیا جاسکے اور فصیل کے برجوں پر منجنیقیں یا دیگر بڑے ہتھیار نصب کر کے شہر کا محاصرہ کرنے والی افواج پر گولہ باری کی جاسکے۔ یہودی مورخ یوسفس کے بیان کے مطابق بیت القدس کی پہلی یا قدیم فصیل حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کرائی تھی جو جبل صیہون اور جبل موریاہ کے کچھ حصوں کو گھیرے ہوئے تھی۔

دوسری فصیل شہر کے کچھ حصوں یعنی عکرا یا ملوکو کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ یہ شہر کے شمال میں برج مریم سے برج انطونیہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ دوسری فصیل پہلی فصیل کے مکمل ہونے کے تقریباً ایک سو چالیس سال بعد تعمیر کی گئی تھی۔ پہلے اسے عزیاہ نے بنایا پھر اس کے پچاس سال بعد یوتام نے اس کی تعمیر کرائی۔ اس کے سو سال بعد منسی نے بنوائی اور نحمیاہ نے اسکی مرمت کرائی تھی۔ محققین اس کے گھیر کا صحیح اندازہ لگانے سے قاصر رہے ہیں۔

القدس کے گرد تیسری فصیل ہیرودیس اگرپا نے بنوائی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ شمالی سمت میں پھیلنے والی آبادی کا بھی احاطہ کرے مگر ایسا نہ ہوسکا۔ اس طرح ان تین فصیلوں کے درمیان شہر آباد تھا۔ ان تینوں دیواروں کا محیط

تقریباً چار میل تھا۔ پرانی دیوار میں 60، دوسری میں 40 اور تیسری میں 99 برج رکھے گئے تھے۔ یوں تینوں دیواروں کے برجوں کی مجموعی تعداد 199 تھی۔

شہر کے گرد موجودہ فصیل 1542 میں عہد عثمانی میں تعمیر کی گئی تھی جو جدید زمانے تک موجود ہے۔ اس میں سات دروازے اور 34 برج ہیں اور اس فصیل کی بلندی بیس فٹ سے 60 فٹ تک ہے۔ بلندی میں یہ فرق مقامات کی مناسبت سے ہے۔

بحیرہ مردار کے طومار

1947 میں ایک فلسطینی گڈریا بحر مردار کے قریب اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ یہ موآب میں قمران کا علاقہ تھا۔ اس کی ایک بکری کھو گئی اور وہ اسے تلاش کرتا ہوا ایک غار کے پاس پہنچا۔ اس نے ایک پتھر اٹھا کر غار میں پھینکا کہ اگر بکری غار میں موجود ہو تو باہر نکل آئے لیکن غار کے اندر سے کسی برتن کے ٹوٹنے کی آواز آئی۔ وہ گھبرا کر گاؤں واپس بھاگ گیا اور وہاں اس نے کسی اور آدمی کو برتن ٹوٹنے کا قصہ بیان کیا۔ وہ آدمی اس گڈریے کو لے کر غار تک آیا کہ شاید کوئی خزانہ مل جائے مگر غار میں انھیں بڑے بڑے مرتبان نظر آئے جن میں کاغذوں کے طومار بھرے ہوئے تھے۔ وہ انھیں باہر نکال لائے اور انھیں ردی میں بیچ دیا۔ ان طوماروں کو مختلف عجائب گھروں اور محققین نے خرید لیا اور یہ تمام عہد نامہ عتیق کے عبرانی نسخے ثابت ہوئے۔ یہ نسخے اندازاً دو ہزار برس قدیم تھے اور یہودیوں کے لیے انتہائی متبرک۔

کتابیات

بیت المقدس — عبدالقدیر

یروشلم، ایک شہر تین مذہب — کیرن آرمسٹرانگ

بیت المقدس — مفتی محمد فیض احمد اویسی

تاریخ بیت المقدس — ممتاز لیاقت

سفرنامہ روم ومصروشام — شبلی نعمانی

تفہیم عہد عتیق — ڈاکٹر اسلم ضیائی

الانس الجلیل — مجیر الدین

History of Ancient Palestine

Archaelogy of Jeruselim

Ch.W.Wilson,Jeruselm, The City of Herod & Saladin

Le Strange,Palestine Under the moslems

Saewulf, Pilgrimage to Jyruselem

Travels of Ali Baig